محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

روشنی اور امن کے سفیر

ایک جدید مطالعہ

تصنیف: حسین غباش

ترجمہ: محمد نیاز احمد

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ

روشنی اور امن کے سفیر

ایک جدید مطالعہ

تصنیف

حسین غباش

ترجمہ

محمد نیاز احمد

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مشمولات

عرض مترجم IX
شکرواعتراف XI
مقدمہ 1
تمہید: تاریخی پس منظر 17
سماجی و ثقافتی صورت حال 17
مکہ مکرمہ 21
بنی ہاشم 23
بشارتیں 29
پہلی فصل 39
مکہ مکرمہ: آغوش رسالت 39
﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ 39
غار حرا: آغاز رسالت 48
طلوع محمدی 50
تزکیہ اور حکمت کی درس گاہ 61
دوسری فصل 65
خیر و شر کی جنگ 65
قریش کی پریشانی 70
واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی 77

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

فقراء کا ایمان 82
تیسری فصل 89
نقطۂ تبدیلی اور اشاعت اسلام 89
انصار کی دعوت: قرآن کے ذریعہ مدینہ کی فتح 93
جیسا آپ کے رب نے آپ کا نام رکھا آپ ویسے ہی 'رؤوف رحیم' ہیں 97
سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا 101
پھلنے پھولنے کا مرحلہ 108
ہجرت الی اللہ 112
چوتھی فصل 121
شہر رسول 121
یثرب: تاریخی پس منظر 121
قباء: صلح اور بھائی چارہ 124
مدینہ شریف 127
نبوی اوپن یونیورسٹی 134
بھائی چارہ 140
اسلام کا نظام مملکت 142
پانچویں فصل 151
مدینہ میں اسلام اور یہود 151
سلام اور محبت کو عام کرو 155
کھلی دشمنی 159
منافقین کا کردار 165
چھٹی فصل 167
مسلمانوں کے خلاف جنگ 167

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جنگ بدر 167
رسول اکرم کے قتل کی کوشش 184
بنو قینقاع اور مسلمان 187
معرکۂ احد 190
داخلی محاذ 209
واقعہ بئر معونہ 212
بنی مصطلق کی سرکشی اور منافقوں کا کردار 216
ساتویں فصل 223
غزوۂ خندق اور تاریخ کا نیا موڑ 223
ایک اور دھوکہ 229
سیاسی عوامل کا دخل 233
رسول کی گریہ وزاری 237
آسمانی معجزہ 239
بنو قریظہ: خیانت اور سزا 243
طوفان کے بعد سناٹا 248
آٹھویں فصل 253
سفر عمرہ اور بیعت 253
رسول اللہ کے خطوط 263
ہرقل کے سوالات 270
خیبر - جزیرہ کے یہودیوں پر تسلط اور عمرہ کی ادائیگی 273
موتہ: شجاعت اور ایمان کی مثال 275
نویں فصل 281
مکہ: ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی 281

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی 284
فاتح کی سجدہ ریزی................................. 288
بلال: مکہ کی پہلی اذان 292
مدینہ واپسی 299
حجۃ الوداع: اے اللہ گواہ ہو جا! 301
مراجع... 307

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا (45) وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (46)﴾

ترجمہ: اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت سنانے والا، ڈرانے والا، اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عرض مترجم

سیرت نبوی اس اسوۂ حسنہ کا آئینہ ہے جسے خداوند تعالیٰ نے قابل تقلید نمونہ بتایا ہے اور جس کی پیروی کو ابدی کامرانی کی ضمانت قرار دیا ہے۔ اس لیے سیرت نگاری ایک مقدس عمل ہے جو غایت احتیاط، حد درجہ دیانت داری اور غیر معمولی تحقیق و تدقیق کا متقاضی ہے۔ سیرت نگاروں نے عام طور پر ان پہلوؤں کا خیال رکھا ہے اور اسے اخروی سعادت کا ذریعہ سمجھ کر برتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت نبوی پر دنیا کے ہر خطہ اور ہر زبان میں بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور مزید لکھی جا رہی ہیں۔

پیش نظر کتاب ڈاکٹر حسین غباش کی عربی تصنیف "محمد ﷺ - قراءة حديثة في سيرة النور والسلام" کا ترجمہ ہے۔ ڈاکٹر غباش کا تعلق متحدہ عرب امارات سے ہے۔ وہ عالم عرب کے ایک معروف قلم کار، محقق اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ پولیٹیکل سائنس میں پی ایچ ڈی ہیں اور عالمی ادارہ یونیسکو میں متحدہ عرب امارات کے مستقل سفیر رہ چکے ہیں۔ لیکن سب سے بڑھ کر ان کا تعارف یہ ہے کہ وہ مومن مخلص اور سرور دوجہاں ﷺ کے عاشق صادق ہیں۔ صوفی المشرب ہیں اور شاذلی سلسلۂ تصوف سے وابستہ ہیں۔

ڈاکٹر غباش سیرت نبوی کو اسلامی انسانی زندگی کی روح سمجھتے ہیں اور انسانیت کو اس سے روشناس کرانے کے لیے کوشاں ہیں۔ انہوں نے نئی نسل کو سیرت نبوی سے واقف کرانے کے لیے روایتی طرز سے ہٹ کر جدید اسلوب اور آسان زبان میں سیرت پر ایک مختصر مگر جامع کتاب لکھنے کی ضرورت محسوس کی جس کے نتیجہ میں یہ کتاب معرض وجود

میں آئی۔ اس کتاب میں واقعہ نگاری کی بجائے ایک ایسا طرز و آہنگ ہے جو سیرت کے عملی و تطبیقی پہلوؤں پر زور دیتا ہے اور قاری کو دعوت فکر و عمل دیتا ہے۔ مصنف نے کتاب کی تصنیف میں علمی دیانت داری کا مظاہرہ کیا ہے اور بعض مقامات پر واقعات سیرت کے ایسے پہلوؤں کا بھی ذکر کیا ہے جو جمہور کے موقف سے الگ ہیں۔

کتاب کی اشاعت کے بعد ڈاکٹر غباش کے ذہن میں افادۂ انام کی غرض سے اسے مختلف زبانوں میں منتقل کرانے کا خیال آیا۔ گو کہ مجھے اپنی کم مائیگی کا اعتراف ہے اور سیرت نبوی کے تقدس کا پورا احساس ہے، پھر بھی اپنی خوش بختی سمجھتا ہوں کہ اردو ترجمہ کا کام میرے حصہ میں آیا۔ سعادت مندی کا یہ موقع عنایت کرنے کے لیے میں مصنف موصوف کا منت شناس ہوں۔ ساتھ ہی محب مکرم مولانا عبدالجلیل نظامی اور کرم فرما عزت مآب ڈاکٹر عبدالحکیم ازہری صاحبان کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کام کے لیے میری نشاندہی کی۔

میں نے ترجمہ میں اصل متن، صحت معانی اور سیاق وسباق کا خیال رکھنے کی حسب توفیق الہی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ میرے دیرینہ کرم فرما محترم وقار احمد صاحب نے اس پر نظر ثانی کر کے اسے مزید سنوارا ہے اور مجھے ممنون کیا ہے۔ پھر بھی کہیں کوئی نقص نظر آئے تو قارئین اس کی نشاندہی کر کے شکریہ کا موقع دیں۔

اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور جملہ متعلقین و معاونین کے لیے ذریعۂ نجات بنائے!

محمد نیاز احمد

شکر و اعتراف

سب سے پہلے میں مرحوم شیخ احمد کفتارو کا شکر گزار ہوں جنہوں نے محمدی اسلام کے ان پہلوؤں کی جانب میری رہنمائی کی جن کے بارے میں میں نے آج کے عہد کے مذہبی ماحول میں نہیں سنا تھا، یعنی تزکیہ، حکمت، محبت اور عفو و درگذر کا اسلام۔ انہوں نے میرے ایمان و اعتقاد اور محبت رسول اکرم میں گہرائی پیدا کی اور اپنی روشن فکر سے میرے دل میں آسان اور جدید زبان میں سیرت کی یہ کتاب لکھنے کا خیال ڈالا جس کی اپنی حیات میں انہیں خود آرزو تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے!

میں اپنے عزیز دوست ڈاکٹر ناظم عبد الملک کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے سیرت نبوی اور قرآنی تعلیمات سے اپنی گہری واقفیت کے سبب نبی اکرم کی زندگی کی مزید در مزید معرفت حاصل کرنے میں میری مدد کی اور جس کے طفیل میں سیرت کے بعض واقعات کی تحقیق کر کے انہیں حتی الامکان بہتر طور پر پیش کر سکا۔ میں اپنے دوست محترم علی عوض کا بھی ان کے بیش قیمت تبصروں اور مسلسل فکری تعاون کے لیے شکر گزار ہوں۔

میں اپنے ان عزیزوں اور بزرگوں کا بھی شکر گزار ہوں جن کی دعا اور اخلاقی حمایت ہمیشہ میرے ساتھ رہی۔ ان میں سر فہرست محترمہ شقراء بنت صالح (ام فہد)، ڈاکٹر مریم سلطان، ڈاکٹر موزہ غباش اور ڈاکٹر رفیعہ غباش ہیں۔ میں اپنی دوست لیلی سعید کی

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کاوشوں کو فراموش نہیں کر سکتا جس نے پروف ریڈنگ، مراجع کی تحقیق اور اس کاوش کو قابل اشاعت بنانے کی ذمہ داری اپنے سر لی۔

اور اخیر میں میں اپنی بیوی ڈاکٹر منی الرخیمی کا اس کے دائمی تعاون اور دعا کے لیے شکر ادا کرتا ہوں ہوں جس سے میری مشکلیں آسان ہوئیں اور اس کام کو انجام تک پہنچانے میں مدد ملی۔

اللہ تعالیٰ سب کو جزاے خیر دے!

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مقدمہ

اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ کی سیرت پر بے شمار کتابیں ہیں اور دنیا کی ہر زبان میں ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو حقیقت سے مطابقت رکھتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو قدرے بعید از حقیقت ہیں۔ جو شخص بھی سیرت کی کوئی نئی کتاب لکھنا چاہے اس کے دل میں سب سے پہلا اور جائز سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک اور کتاب کیوں؟ کیا سیرت میں کسی اضافے کی گنجائش ہے؟ یہی وہ سوال ہے جس کا جواب میں اگلی سطروں میں دینے کی کوشش کروں گا۔

سیرت کی مشہور کتابوں میں پہلا نام سیرت ابن اسحاق کا آتا ہے جو پہلے تاریخی سیرت کی سب سے اہم کتاب سمجھی جاتی تھی۔ ابن اسحاق نے یہ کتاب نبی اکرم کی رحلت کے قریب ایک صدی بعد لکھی اور 151 ہجری میں وفات پائی۔ سیرت کی ابتدائی کتاب کے بطور اس کی اہمیت کے باوجود اس کے مطالعے میں احتیاط کی ضرورت ہے، کیوں کہ اس میں ذکر کی گئی بعض معلومات میں باریک بینی کا فقدان ہے اور کھرے کھوٹے پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد سیرت ابن ہشام (وفات 218 ہجری) لکھی گئی۔ یہ دراصل سیرت ابن اسحاق کی بہترین شکل ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس نے سیرت ابن اسحاق کی جگہ لے لی اور سیرت کا بنیادی ماخذ بن گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں واقعات کو زیادہ منظم طریقے سے پیش کیا گیا ہے اور ان کی تفصیل میں دقت نظر سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے باوجود سیرت کی یہ کتاب تاریخی واقعہ نگاری کے طرز کی ہے جس میں بہت سی ایسی تفصیلات ہیں جو صرف محققین کے لیے اہمیت رکھتی ہیں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

واقعاتی سیرت نگاری کی فطرت ہے کہ وہ واقعات کا گہرا مطالعہ پیش نہیں کرتی۔ اس لیے اس سے گہرے ایمانی اور روحانی اسباق، خاص کر محمدی حکمت اور تزکیہ کے اسباق کا اظہار ممکن نہیں جب کہ یہی سیرت کی اصل ہیں۔ چنانچہ یہ طریقہ سیرت مقدسہ کا حق نہیں ادا کرپاتا۔

بلاشبہ سیرت کی مذکورہ دونوں کتابوں کی اپنی اہمیت ہے، لیکن یہ آج کے عام قاری کی بجائے تخصص کرنے والے محققین کے لیے موزوں ہیں۔ ہم اپنی اس کاوش میں بنیادی ماخذ کے طور پر سیرت ابن ہشام کے علاوہ کچھ دوسری کتب سیرت پر اعتماد کریں گے جن میں نورالدین حلبی کی 'السیرۃ الحلبیۃ'، امین دویدار کی 'صور من حیاۃ الرسول'، ابن قیم جوزی کی 'زاد المعاد' اور واقدی کی کتاب 'المغازی' ہے۔

ہر عہد کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے اور اس زبان کے محاورے اور قاری ہوتے ہیں۔ اس لیے آج کے دور میں روایتی تاریخی اور واقعاتی زبان عام فہم نہیں رہی اور وہ سیرت نبوی کے اسباق و انوار آج کی دنیا تک پہنچانے کے قابل نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے اس کتاب میں بے جا تفصیل سے بچتے ہوئے جدید، عام فہم اور سادہ زبان استعمال کی ہے جو سیرت کو آج کے قاری سے قریب تر کردے اس امید کے ساتھ کہ وہ سیرت کے انوار و تجلیات سے مستفید ہوسکے۔

بشمول دیگر مذکورہ بالا اسباب کی وجہ سے ایسی سیرت نگاری بہت اہم ہوجاتی ہے جو رسول اکرم ﷺ کی سیرت کی حقیقی صورت پیش کرے، سیرت کے واقعات و حوادث پر از سر نو روشنی ڈالے، سیرت کے مضامین و مقاصد کا احاطہ کرنے کے ساتھ ساتھ مختصر ہو، جس میں سیرت کی روح اور اس کے ربانی محمدی مشمولات سے چھیڑ چھاڑ نہ کی گئی ہو، تاریخ کی بنیادی کتابوں سے مستفاد ہو اور جدید زبان و بیان میں ہو۔

***

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سیرت نگاری عام تحریر کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ یہ خالص ایمانی عمل کا نام ہے۔ نبی کریم کی زندگی میں غور و خوض دراصل اسلام کے روحانی پہلوؤں پر غور و خوض کرنا ہے جسے نبی اکرم ﷺ نے قول و عمل کے اعتبار سے اس طرح پیش کیا کہ ان کے قول و فعل قرآن کریم کی تفہیم کے لیے روشنی کے مانند ہو گئے۔ سیرت کو ہر پہلو سے برتنے اور اسلام کے صاف و شفاف سرچشموں کی طرف رجوع کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ ایمان کا تزکیہ کر کے اسے ثمر بار کرے۔ اسی طرح علم و معرفت اور اقدار کے لحاظ سے اسلامی انسانی زندگی کی تعمیر جس بنیاد پر ہے، اس کے ابتدائی مراحل کی طرف رجوع کا تقاضہ یہ ہے کہ اس اسلامی شعور کو غذا فراہم کی جائے جو امن و سلامتی والے دین محمدی کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے تاکہ ایک مسلم اس سے برکت حاصل کر سکے اور اپنے اندر اپنے رہبر کی صفات پیدا کر سکے۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی سیرت میں ایسی ہر چیز کو برتا ہے۔ اسی لیے سیرت کا مطالعہ اور اس کی اتباع ایمان و عرفان کی لازمی شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رسول کی زندگی کو بہترین نمونہ بنایا ہے اس شخص کے لیے جو اللہ کا اور آخرت کے دن کا امید جو ہو اور اللہ کو خوب یاد کرتا ہو)۔ اس لیے مومن کامل، صاحب حکمت اور عزت و نعمت سے مالا مال ہونا پیغمبر نور و ہدایت کی زندگی کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں۔

ایسی صورت میں کیا سیرت مقدسہ کا مطالعہ اور اس سے خوشہ چینی کیے بغیر نبی اکرم کی اتباع اور انہیں نمونۂ عمل سمجھنے کا دعوی صحیح ہو سکتا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم سچے مسلم ہو جائیں جب کہ ہم اس کی زندگی سے ناواقف ہوں جس کو کہ اللہ عزو جل نے ہمارے لیے نمونۂ زندگی بنایا ہے، جس نے ہمیں اسلام کی نعمت عطا کی اور ہمارے بیچ رب کی طرف ہماری رہنمائی کی غرض سے آئے؟ بالکل نہیں اور اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ان کی سیرت سے ناواقفیت حقیقی اسلام سے ناواقفیت ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بلا شبہ اپنے رول ماڈل اور قابل تقلید نمونۂ عمل کی سیرت سے مسلمانوں کی ناواقفیت کے سبب اسلام اپنی اعلیٰ قدروں اور حکمتوں سے خالی ہو گیا، اپنے روحانی، اخلاقی اور تربیتی اقدار سے خالی ہو گیا اور ایسا اسلام ہو گیا جو کہ حکمت اور تزکیہ سے خالی ہے اور ایسا جسم ہو گیا جو کہ اپنے خالق تک پہنچنے والی روح سے خالی ہے۔ اس طرح اسلام بہت سے لوگوں کے نزدیک کچھ عبادات اور رسوم بن کر رہ گیا جو کہ اپنے ایمانی عناصر حکمت وروحانیت سے خالی ہیں اور اس کے نتیجے میں عالم اسلام میں پستی و تنزلی اور اختلاف وانتشار پیدا ہوا۔ جب کہ حقیقی اسلام دل کا اسلام ہے، وہ اسلام محمدی ہے، کیوں کہ وہی ایمان کے درجے تک پہنچاتا ہے، بلکہ وہی ایمان ہے۔

شریعت کے دو مآخذ ہیں، قرآن اور سنت رسول۔ اور دین چوں کہ زندگی کا جز ہے، بلکہ دین ہی زندگی ہے، اس لیے سیرت نبوی کی حیثیت روح کی ہوئی۔ رسول اکرم کی سیرت سے روشنی اور ہدایت حاصل کیے بغیر حقیقی ایمانی زندگی کا تصور نہیں ہو سکتا۔ سیرت نبوی رسول اکرم کی زندگی ہے جس میں ان کے قول و فعل، عبادت و ریاضت اور اخلاق و کردار سب شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا وصف ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ یعنی اے نبی! آپ خلق عظیم (بلند اخلاق) پر فائز ہیں۔

خلق عظیم، بلند اخلاق و اقدار کی اجتماعی شکل ہے جن میں تسامح، احسان، عفو و درگذر، حلم و بردباری، زہد و ورع، کرم و سخا اور ایثار سب شامل ہیں اور ان سب پر حکمت کا تاج ہے جو کہ انسان کی معنوی قوت سے عبارت ہے اور روحانی پاکیزگی کا مظہر ہے۔ یہ وہ مکمل ایمانی اور اخلاقی نظام ہے جو نبی اکرم نے اس لیے وضع کیا کہ ہم اس کی معرفت حاصل کریں اور حتی الامکان اس پر عمل کریں۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: 'بعثت لأتمم مكارم الأخلاق' (مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کروں)۔ مکارم

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اخلاق نبی اکرم کی ایسی عادات اور معمولات زندگی ہیں جو کہ ایمان کے لیے ضروری ہیں۔ لیکن ہم رسول اکرم کے کتنے اخلاق پر عمل پیرا ہیں!

اس لیے ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ اگر ہم اللہ کی رضا اور محبت چاہتے ہیں تو اس عظیم سیرت کا اس کی تمام نصیحتوں اور حکمتوں کے ساتھ مطالعہ کریں اور اس کو اسلام کا ثانوی ماخذ سمجھنے کی بجائے ایسا ماخذ بنائیں جو ہمیں دین کی حقیقت اور اس کے اخلاق و اقدار سکھائے۔ ہمارے لیے اس سیرت کی پیروی لفظ و معنیٰ ہر اعتبار سے ضروری ہے تاکہ ہمیں رضائے الٰہی کا حصول ہو سکے۔

نبی اکرم کی شخصیت کسی اور تاریخی شخصیت کی طرح نہیں ہے جس کی اہمیت اس کی عملی زندگی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہ تو اللہ کی طرف سے نور اور ہدایت ہیں۔ وہ ایسے نور ہیں جس کی روشنی کو ہمیشہ باقی رہنا ہے اور ان کی سیرت کو تا قیامت رہنا ہے۔ ہم حیات رسول کا حقیقی معنیٰ تبھی سمجھ سکتے ہیں جب ہم اسے بشریت کے لیے روشن چراغ کے طور پر دیکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کچھ خاص اوصاف عطا کیے جو ان کے لیے دوہرے اعزاز کی بات ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے لقب سے جانے گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ کے لقب سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ کے لقب سے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ان تمام اوصاف کے ساتھ ساتھ حبیب اللہ کا ایک خاص وصف بھی عطا کیا۔ یعنی اللہ نے اپنے رسول کا رشتہ محبت سے جوڑا اور محبت ہی وجود کی بنیاد اور سب سے بلند رتبہ احساس ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔ اس طرح اللہ سے انسان کی محبت کا رشتہ اس کے رسول کے تئیں انسان کی محبت

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

واطاعت سے جوڑ دیا گیا، اس لیے رسول کی محبت کے بغیر ایمان کا تصور نہیں اور رسول کی محبت اس کے اتباع کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

اس طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ محبت ہی ایمان کی روح ہے اور ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ بندہ اللہ اور اس کے رسول بلکہ اس کی جملہ مخلوقات سے محبت کرے۔ اس لیے نبی کی پیروی صرف نظریاتی ہدایت نہیں بلکہ عملی طور پر بھی ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اس طرح اطاعت رسول کا انجام اطاعت الٰہی ہے اور رسول کے تئیں انسان کی اطاعت دراصل اللہ سے انسان کی محبت ہے۔ اور رسول پر درود پڑھنا بھی اللہ اور بندۂ مومن کے بیچ راست رشتے کا ایمانی اظہار ہے۔

***

ہر فعل در حقیقت ارادۂ الٰہی کا مظہر ہے۔ سیرت اور اس کے واقعات میں غور وفکر کی خوبصورتی یہ ہے کہ سیرت کے سفر میں بندہ اپنے آپ کو اپنے خالق کے حضور پاتا ہے اور اس وقت فرمان الٰہی ﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ﴾ (اور وہی آسمان والوں کا خدا اور زمین والوں کا خدا ہے اور وہی حکمت والا علم والا ہے) کا ادراک کرتا ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال وحی الٰہی اور تقدیر الٰہی کا نتیجہ ہیں۔

ہم سیرت کے مطالعے میں ملاحظہ کریں گے کہ کس طرح ہر واقعہ سے پہلے، اس کے دوران یا اس کے فوراً بعد قرآن کریم کی آیتیں اور سورتیں نازل ہوتی تھیں۔ جب ہم سیرت کا مطالعہ اس ایمانی جذبہ اور شعور سے سرشار ہو کر اور اس یقین کے ساتھ کریں گے کہ وہ کمال حکمت اور بے مثال توجہ کے ساتھ اللہ کے کیے ہوئے فیصلے ہیں تو سیرت نبوی ہمارے سامنے ایسی بے مثال تختی کی صورت میں نظر آئے گی جس میں نقاشی خود خدائے باری تعالیٰ نے کی ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پیغمبر رحمت کو اس بادل سے موصوف کیا گیا ہے جو زمین کو زندگی بخشنے کے لیے آیا تو وہ شاداب ہو گئی اور ایمان و رحمت سے ثمر بار ہو گئی۔ اور اس طرح نبی اکرم نے سبز وشاداب اور ثمر بار زمین کا رشتہ آسمان کے ساتھ از سر نو جوڑ دیا اور اپنی قوم کو زمین کی قبروں سے زندہ کر دیا۔ سیرت مقدسہ اس روح کی مانند ہے جو جسم کو زندہ کر دیتی ہے اور جو اس سے رہنمائی طلب کرتا ہے اس کے لیے مشعل راہ بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾ (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے)۔ ہمارے رسول اکرم اپنی سیرت کی روشنی سے مردہ دلوں کو زندگی بخشنے والے ہیں یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾

ترجمہ: اور کیا وہ کہ مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے ایک نور کر دیا جس سے وہ لوگوں میں چلتا ہے وہ اس جیسا ہو جائے گا جو اندھیروں میں ہے جس سے وہ نکلنے والا نہیں۔

یہاں 'اسے زندہ کیا' سے مراد یہ ہے کہ اس کے دل کو زندہ کیا تاکہ وہ روحانی نگاہ سے انوار الٰہی کو دیکھ سکے اور اللہ اور اس کے رسول اس کے دل میں گھر کر جائیں۔ چنانچہ دل میں اللہ و رسول کا نہ ہونا جسم سے پہلے دل کی موت ہے۔ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو جسمانی طور پر زندہ ہیں لیکن ان کے دل مردہ ہیں، یعنی وہ زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ ہیں۔ کیوں کہ ﴿وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ﴾ (جسے اللہ نور نہ دے، اس کے لیے کوئی نور نہیں) اور جس کے لیے کوئی نور نہیں وہ تاریکی اور جہالت میں ڈوبا ہوا ہے اور جہالت

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

موت ہے۔ ﴿إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا﴾ (وہ تو چوپائے کے مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ)۔

رسول اکرم ﷺ نے عقل کا دین سے ایسا ازلی رشتہ بتایا ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ فرمایا: "جس کے پاس عقل نہیں، اس کے پاس دین نہیں، اور جس کے پاس دین نہیں اس کے پاس عقل نہیں اور دین تو عقل ہی ہے۔" کیوں کہ عقل ہی شرعی ذمہ داریوں کی بنیاد ہے اور اسلام سے اس کا بنیادی رشتہ ہے۔ اسی لیے عقل کو جوہر ایمان اور عقیدۂ اسلامیہ کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مشہور حدیث قدسی میں عقل کو مخاطب کر کے فرماتا ہے: "میں نے تجھ سے بہتر کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔ تمہارے ہی سبب میں دیتا ہوں، تمہارے ہی سبب لیتا ہوں اور تمہارے ہی سبب میں سزا دیتا ہوں۔"

انسان کو ایک وجود کے طور پر جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ عقل ہے اور انسان کو عقل کامل اور حکمت کی بخشش اس پر اللہ کا خاص کرم ہے۔ مومن کی صفت یعنی اپنی ذات اور خالق کی معرفت عقل پر مبنی ایمانی شعور کی تکمیل کے بنا مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس طرح عقل کا اسلام کے ساتھ باقاعدہ رشتہ ہے۔ اور اسی لیے اللہ تعالیٰ صاحب عقل کو کائنات اور قرآن میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ عقلی طور پر اپنے خالق کی حقیقتوں کا علم حاصل کر سکے اور معرفت الٰہی عقل کی بلند ترین نوازش ہے۔

حدیث شریف میں جو کہا گیا ہے کہ ایک گھڑی کا غور و فکر ایک سال کی عبادت کے برابر ہے، یا دوسری روایت کے مطابق ستر سال کی عبادت کے برابر ہے، یہ قرآن کے نزدیک غور و فکر کی اہمیت کی ترجمانی کرتا ہے اور غور و فکر عقل کا کام ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عقلی علم اور قلبی معرفت کے بیچ دونوں کو باہم مربوط کرنے والا ایک ایمانی راستہ ہے کیوں کہ علوم عقلیہ میں کلیات کا عام ادراک ہوتا ہے اور قلبی معرفت خاص احساس کا نام ہے، ایک پر لطف ایمانی ادراک جس کا مزہ عارفین کے بقول

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لامحدود ہے۔ اور جب عقلی علم قلب کی طرف منتقل ہوتا ہے تو وہ شعوری معرفت میں بدل جاتا ہے جسے روحانی معرفت کہہ سکتے ہیں اور تب علم محض غور و فکر نہیں رہ جاتا بلکہ ایسا زندہ و جاوید اور متحرک شعوری علم بن جاتا ہے جو عقلی علم سے بہت بڑھ کر ہے۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ عقل خارجی ادراک و شعور کا مرکز ہے جب کہ دل داخلی ادراک و شعور کا اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہیں)۔

علم اور معرفت کے اس رشتے اور عقل و قلب کے آپسی لین دین کے طفیل جو عقل قلبی معرفتوں سے بہرہ ور ہو جائے وہ "عقل مستنیر" (روشن عقل) ہو جاتی ہے یعنی وہ عقل جو وجدانی اور ایمانی معرفتوں کی ترجمان ہو، جو ذات باری کی معرفت اور حکمت سے آشنا ہو۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں اسلام میں حکمت کا ایک خاص مرتبہ ہے۔ ﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی)۔ حکمت عقل کا بلند ترین درجہ ہے اور اللہ کی معرفت اس حکمت کا جوہر ہے۔ اس طرح ایمان کا رشتہ عقل و حکمت کے ساتھ باہمی اثر پذیری کا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو غذا فراہم کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے ضروری ہیں۔ کسی ناقص العقل یا ناقص الایمان کے لیے پختہ عقل ہونا ممکن نہیں۔ یقیناً دین عقل ہے۔

سورۃ اقرأ کے ذریعہ علم و معرفت کی راہ ہموار ہونے اور طلوع محمدی کے اعلان کے ساتھ ہی امور زندگی کے ساتھ ساتھ امور دین میں بھی عقل کا استعمال کرنے کی اسلامی دعوت کا آغاز ہو گیا۔ اقرأ عقل مندوں کے لیے دعوت اور پیغام ہے۔ اس کے بعد بہت سی آیتیں نازل ہوئیں جو اسلام میں غور و فکر کرنے کی ضرورت سے تعلق رکھتی ہیں۔ بعض آیتیں پوچھنے یا آمادہ کرنے کے انداز میں وارد ہوئی ہیں۔ جیسے ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

﴿وَالْبَصِيرُ﴾ (آپ فرمادیں کہ کیا اندھے اور بصارت والے برابر ہو جائیں گے؟)، ﴿أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ﴾ (کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟)، ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (کیا تم سمجھتے نہیں؟)، ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ﴾ (کیا وہ غور نہیں کرتے؟)، ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (ہم نے اسے عربی قرآن اتارا تاکہ تم سمجھو)، ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (کیا برابر ہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے؟) اور ﴿فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا﴾ (ان لوگوں کو کیا ہوا کہ کوئی بات سمجھتے معلوم نہیں ہوتے؟)۔

کیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ﴾ دین میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت، گمراہی سے ممتاز ہو گئی ہے) اسلام میں عقل کی عظمت اور اثر کو نہیں بتاتا؟ اور کیا زندگی میں کسی قسم کی زبردستی کی نفی اسلام میں آزادی کے تصور کے لیے ٹھوس آسمانی اصول پیش نہیں کرتا؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ اتنی بڑی ذمہ داری کا اعزاز بخشے اسے آزادی سے یکسر محروم کردے۔ اسلام میں انسان با اختیار ہے، اس لیے وہ آزاد بھی ہے۔ کیوں کہ جسے آزادی حاصل نہ ہو وہ بااختیار نہیں ہو سکتا۔ لفظ "اکراہ" (زبردستی) یہاں ایک جامع اور عام لفظ ہے۔ اور جب دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں تو عبادات، عادات اور معاملات میں بدرجۂ اولی کوئی زبردستی نہیں ہو سکتی۔ زبردستی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور اسی لیے اسلام کی روح کے منافی ہے۔

عقل کو بروئے کار لانے کے پیغام میں بدیہی طور پر آزادانہ ارادے کو بروئے کار لانے کا پیغام بھی شامل ہے۔ کیوں کہ عدل الہی کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان ارادے کے اعتبار سے آزاد ہو۔ اور اس لیے زبردستی، قضا و قدر کے اصول کے منافی ہے۔ کیوں کہ جسے کسی کام کے لیے مجبور کیا گیا ہو اس پر ثواب و عذاب کا اصول نافذ نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ وہ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

آزاد نہیں تھا۔ اور اس طرح عدل الہی بھی درست نہیں ہو گا اور اسی لیے کسی قسم کی زبردستی تعلیمات اور اقدار محمدی کے منافی ہے۔

اب ہمارے سامنے اسلام کے اصول آزادی کا ایک گہرا مفہوم ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ جب زور و زبردستی نہ ہوگی تبھی انسان کے لیے پاکیزہ اور آزادانہ ارادے کا تحقق ہو سکتا ہے۔ مزید یہ کہ مومن کی بالادستی اللہ کی بالادستی سے مستفاد ہے۔ ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (بالادستی صرف اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔) اور بالادستی کا تعلق آزادی سے ہے، زبردستی سے نہیں اور جو اپنی آزادی کا مالک نہ ہو، اس کی بالادستی نہیں ہو سکتی۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام کی مضبوطی کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ دین فطرت ہے اور فطرت ہی شعور کی آماجگاہ ہے جس کا میلان طبعی طور پر مقدس ربانی صفات مثلاً خیر، عدل، آزادی، جمال اور کمال کی جانب ہے۔ اس کی طبیعت میں یہ بھی ہے کہ وہ ظلم، زور و زبردستی یا برائی کو قبول نہ کرے اور مساوات، احترام اور مثالی اقدار ہی سے غذا حاصل کرے۔

ایمان دل کا معاملہ ہے، جسے عقل غذا فراہم کرتی ہے اور جس سے عقل غذا حاصل کرتی ہے اور یہ دونوں فطرت کے میلانات کے تابع ہیں۔ جسے فطرت قبول نہیں کرتی، اسے نہ تو دل قبول کرتا ہے اور نہ عقل۔ اور ایمان و آزادی کی طرح ہی عزت کا تعلق بھی انسان کی آزاد اور متحرک فطرت سے ہے، بے بس فطرت سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (کیا آپ لوگوں سے زبردستی کریں گے کہ وہ مسلمان ہو جائیں؟)

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے آزاد ارادے کا مالک ہو تاکہ وہ ذہنی طور پر مطمئن ہو کر اسلام لا سکے۔ ایک صاحب عقیدہ کی آزادی کے حق

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

میں قرآن مجید کی اس نص سے زیادہ صریح کوئی آیت نہیں: ﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (اور کتابیوں سے نہ جھگڑو مگر بہتر طریقہ پر)۔ پھر اس پر مستزادیہ قطعی فرمان ہے: ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (آپ فرمادیں کہ حق تمہارے رب کی جانب سے ہے، تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے، کفر کرے)۔

آگے ہم دیکھیں گے کہ مدینہ منورہ میں اصلاح کا ایک ایسا نبوی انقلاب آیا جس کی کوئی سابقہ مثال نہیں، جو سوچ، فکر اور ثقافت، ہر چیز کو شامل تھا جس سے یہ بات پختہ ہوجاتی ہے کہ تکثیریت، تنوع اور آزادی کا مسئلہ اسلام میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے جسے رسول اکرم نے اپنے مقدس شہر میں عملی جامہ پہنا کر دکھایا۔

تاریخ شاہد ہے کہ اسلام عبادت گاہوں، مثلاً دیر، گرجا گھر وغیرہ کا احترام کرتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نہ تو عہد نبوی میں اور نہ ہی بعد کے ادوار میں کسی گرجا گھر، کسی عبادت گاہ یا کسی آتش کدہ کو توڑا گیا۔ اور آیت قرآنیہ ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ (اور آپ کہ دیں کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا) بہت غور و فکر کی متقاضی ہے، کیوں کہ باطل تلوار یا اس جیسے اوزار سے نہیں مٹتا، بلکہ عقل اور اس کے آلات مثلاً سوچ، عقل پسندی اور بہتر طریقہ پر بحث و مباحثہ سے مٹتا ہے۔ اور باطل کی فطرت میں یہ ہے کہ وہ حق کا سامنا نہیں کرسکتا جیسے طلوع آفتاب کے بعد تاریکی کے لیے ٹھہرنا ممکن نہیں ہوتا۔

***

یہ سب جانتے ہیں کہ اللہ کے تمام انبیاء و رسل معجزات لے کر آئے۔ لیکن ہمارے نزدیک رسول اکرم ﷺ خود ہی بہت بڑے خدائی معجزہ ہیں اور مقام و مرتبے میں اضافے کے لیے وہ کسی اور معجزہ کے محتاج نہیں۔ پھر بھی ان کے دو معجزے ایسے ہیں جو انسان کی زندگی پر آج بھی اثر انداز ہیں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پہلا معجزہ قرآن کریم ہے۔ یہ وہ حیران کن کتاب ہے، جس کی مومن عمر بھر تلاوت کرتا ہے مگر نہیں اکتاتا، بلکہ جب بھی تلاوت کرتا ہے، پہلے سے زیادہ لطف اندوز ہوتا ہے اور پہلی تلاوت کے وقت ہونے والا ڈر اور رونگٹے کھڑے ہونے کا احساس ہر بار ہوتا ہے۔ پڑھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ جو قرآن چودہ سو سال پہلے نازل ہوا تھا وہ آج بھی نازل ہو رہا ہے۔ انسان کا دل جتنا پاکیزہ اور ایمان جتنا گہرا ہوتا جاتا ہے، قرآن کے اسرار اور خزانے اس پر اتنے ہی کھلتے جاتے ہیں۔

دوسرا معجزہ رسول اکرم کی وہ طاقت ہے جس کی بدولت انہوں نے بغیر وسائل کے ایک امت کی تعمیر کی۔ یہ وہ حیران کن طاقت تھی جس کے سبب وہ ایسے قبائلی سماج کا احیا کر سکے جس میں سماج کے بنیادی اصول و ضوابط تک موجود نہیں تھے، امت کی شرائط تو دور کی بات، لیکن رسول اکرم نے اسے خیر امت بنا دیا۔

نبی امی کے لیے یہ کیسے ممکن ہوا کہ الگ الگ ٹکڑوں میں بٹے، بتوں کو پوجنے والے اور جاہل قبیلوں سے محض بیس سال کی مدت میں خیر امت بنا دیا اور انہیں میں سے بہترین گروہ بنا دیے؟ کیا یہ انسانی تاریخ کا سب سے بڑا معجزہ نہیں؟

مزید یہ کہ اسلام ایک دین ہے اور ایک مکمل انسانی تہذیب ہے، جس میں روحانیت، اقدار، اخلاق، در گذر و چشم پوشی اور محبت کا بلند مقام ہے۔ اسلام ایک ایسی تہذیب ہے جس کی بنیاد ایسے جامع اصول و قوانین پر ہے جس کا سرچشمہ عدل الٰہی کی روح ہے۔ یہ فرد کی زندگی کا اتنا ہی خیال رکھتی ہے جتنا سماج اور ریاست کا۔

اور اس طرح رسول اکرم نے وسیع اسلامی تہذیب کے لیے ٹھوس بنیاد رکھی جو کہ علم، عقل، اخلاق اور دوسروں کے احترام پر قائم ہے اور جو صرف انسانیت کی بھلائی اور سلامتی کے لیے کوشاں ہے اور اس بات کے لیے کہ زمین پر اللہ کا مقصد پورا ہو اور امت اسلامیہ اپنی تمام تر جنس، نسل اور رنگ کے ساتھ بہترین امت بن جائے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہاں پر یہ بتادیں کہ ہم محمدی اسلام کی بات کر رہے ہیں جو کہ کشادہ اور عفو در گذر والا ہے، تنگ نظر مسلکی اسلام یا سیاسی اسلام کی نہیں، چاہے اس کی کوئی بھی شکل یا شاخ ہو، کیوں کہ اس میں اور محمدی اسلام کی روح میں تضاد ہے۔ اور اس لیے بھی کہ مسلکی اسلام فکر و عمل کے اعتبار سے محدود ہے جس کے سبب وہ کسی صورت تہذیب کی تعمیر نہیں کر سکتا جس کی اہم شرط کشادگی اور چشم پوشی ہے۔ اور یہ بات معقول لگتی ہے کہ مسلکی اسلام تہذیب کے معنی اور روح سے متصادم ہے۔

پھر یہ کہ سیرت میں انسانیت کو ہلاکت و بربادی سے بچانے کا ایک رحمت بھرا پیغام ہے۔ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (ہم نے آپ کو سارے جہاں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا)۔ اسی طرح ہر سچے، ذی ہوش اور روشن ضمیر مسلم کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دوسرے کے ساتھ تسامح اور احترام کا معاملہ کرے، کیوں کہ اس دوسرے کو بھی اللہ نے اپنی صورت میں پیدا کیا ہے۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ سیرت نبوی کا مطالعہ اور اتباع ہر مسلم پر روحانی اور معنوی دونوں لحاظ سے ضروری ہے۔ کیوں کہ سیرت ہمارے لیے ایمان بر حق، خیر اور فلاح کی رہنما ہے۔ یہ رہنما ہے برائی کا حکم دینے والے خبیث نفس پر غلبہ پانے اور اس کے تزکیہ کے لیے تاکہ وہ نفس راضیہ مرضیہ بن جائے جسے اللہ اپنی جنت میں بلاتا ہے۔

یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ مسلمان انسانیت کی بھلائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے قابل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اسباق سیرت کے ذریعہ اپنا تزکیہ نہ کرے اور اسے اپنے وجدان کا حصہ نہ بنالے۔ مسلمان اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک وہ رسول اکرم کی زندگی کو لفظاً و معنًی اپنے لیے نمونہ نہ بنالے۔

***

یہاں اس بات کی جانب اشارہ مناسب ہے کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کے اخلاق و صفات کے لیے کوئی خاص فصل قائم نہیں کی ہے کیوں کہ اللہ نے ان کے تزکیہ کا اہتمام ساتویں آسمان پر کیا تھا۔ ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (اور آپ عظیم اخلاق کے حامل ہیں)۔ یہ آسمانی شہادت کسی بھی دوسری تحریر سے زیادہ بلیغ ہے۔ جو شخص بھی سیرت میں اچھے سے غور کرے وہ یہ پائے گا کہ نبی اکرم کی پوری زندگی، اپنے تمام ادوار اور تفصیلات کے ساتھ اس رہ گزر کی ترجمان ہے جس میں تمام تر ربانی صفات کی عملی صورت چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ اور یقیناً یہ قابل توجہ اور حیران کن پہلو ہے۔ چنانچہ نبی اکرم نے اپنی ولادت سے لے کر تاحیات کوئی بات نہیں کہی مگر یہ کہ وہ پاکیزہ، مناسب، نپی تلی اور کسی قسم کی کمی یا زیادتی سے خالی تھی۔

یہاں ہم نبی اکرم ﷺ اور ان کی شریعت سے متاثر مفکرین، سائنسداں، غیر عرب یا غیر مسلم قلمکاروں کے بعض تاثرات پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان میں سر فہرست عظیم جرمن شاعر گوئٹے ہیں جنہوں نے کہا کہ "میں نے جب بھی قرآن پڑھا تو یہ محسوس ہوا کہ میرے جسم کے اندر میری روح حرکت کر رہی ہے" اور یہ کہ "میں نے تاریخ میں مثالی انسان تلاش کیا تو میں نے اسے نبی عربی کی ذات میں پایا"۔

فرانسیسی فلسفی لامارٹین نے کہا: "میری زندگی کا سب سے عظیم واقعہ یہ ہے کہ میں نے اللہ کے رسول محمد ﷺ کی زندگی کا خوب مطالعہ کیا اور اس کی عظمت و دوام کا ادراک کیا"۔ عظیم روسی قلمکار ٹولسٹوائے نے کہا: "میں ان میں سے ایک ہوں جو اللہ کے نبی محمد سے متاثر ہیں۔ ان کا دین عقل اور حکمت کے موافق ہونے کے سبب پوری دنیا پر غالب آجائے گا۔"

اور اخیر میں یہ بتا دیں کہ ہم واقعات سیرت کے ضمن میں نبی اکرم کی ان روشن صفات پر روشنی ڈالیں گے۔ مکہ میں آمد کا ذکر سیرت کی آخری فصل میں کریں گے جس

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

میں کہ نبی اکرم کے اخلاق، تسامح اور عظمت اپنی بلند ترین مجسم صورت میں جلوہ گر ہیں۔
آٹھویں ہجری سال میں فتح مکہ کا ذکر قدرے تفصیل سے کریں گے پھر حجۃ الوداع کے بیان اور صحابہ کرام کو مکارم اخلاق کی تکمیل اور فریضہ رسالت کی ادائیگی پر گواہ بنانے کے ذکر کے ساتھ کتاب کو مکمل کریں گے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تمہید: تاریخی پس منظر

سماجی و ثقافتی صورت حال

بطور مہاجر حبشہ پہنچ کر نجاشی کے لقب سے مشہور اصحمہ شاہ حبشہ کے سامنے جعفر ابن ابو طالب نے جو جامع اور مختصر بیان دیا اس میں ایسی باتیں ہیں جہاں رک کر ہمیں سوچنا چاہیے تاکہ اسی سے اپنی بات شروع کی جاسکے۔ انہوں نے کہا تھا:

"اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، برے کام کرتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے، ہم میں کا طاقتور کمزور کو کھاتا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس ہم میں سے ایک رسول بھیجا، جس کے نسب، راست گوئی، امانت داری اور پاک دامنی سے ہم واقف تھے۔ انہوں نے ہمیں اللہ کی دعوت دی کہ ہم اس کو ایک مانیں، اسی کی عبادت کریں اور اس کے سوا جن پتھروں اور بتوں کو ہم اور ہمارے آباء و اجداد پوجتے تھے انہیں ترک کردیں۔ انہوں نے ہمیں راست گوئی، امانت داری، صلہ رحمی اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، حرام کاموں اور خون خرابے سے باز آنے کو کہا، برائی، دروغ گوئی، یتیموں کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے روکا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، نماز، روزے اور زکوۃ کا اہتمام کریں، تو ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے آئے اور جو کچھ وہ اللہ کے پاس سے لائے اس میں ہم نے ان کی پیروی کی۔ ہم نے اللہ وحدہ کی

CamScanner المسموحة ضوئيا بـ

عبادت کی، شرک سے باز آئے، اسے حلال سمجھا جو اس نے ہمارے لیے حلال کیا اور اسے حرام سمجھا جو اس نے ہمارے لیے حرام کیا"۔[1]

اس مختصر بیان میں ہم نے اسلام کے بعض دینی و اخلاقی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ قبل اسلام عرب کی صورت حال کے ایک پہلو کو ملاحظہ کیا۔ جعفر اور ان کے ساتھی ان پیش روؤں میں سے تھے جنہوں نے درس گاہ نبوی سے تربیت حاصل کی اور حق پرست مسلمان کی زندہ مثال ہو گئے۔ یہ ان مسلمانوں میں سے تھے جو قریش کی اذیتوں سے بچنے کے لیے مکہ سے ہجرت کر گئے تھے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تصویر پورے جزیرہ نمائے عرب کی جاہلی قبائلی صورت حال پر منطبق ہوتی ہے، لیکن اس تصویر کو مکمل کرنے کے لیے ثقافتی اور اخلاقی پہلو کی جانب اشارہ ناگزیر ہے جسے جعفر نے ذکر نہیں کیا، کیوں کہ نجاشی کے سامنے اس کے ذکر کا متقاضی ماحول نہیں تھا۔

یہاں ہم استثنا سے قطع نظر ان بعض عام خصلتوں پر روشنی ڈالیں گے جن سے ایک عربی انسان کی شخصیت تیار ہوتی ہے۔ عرب کے بارے میں عام خیال کے برخلاف ایک دوسری حقیقت بھی ہے اور وہ ان کا ثقافتی پہلو ہے جس پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس عہد کی قبائلی جنگوں اور سماجی پسماندگی کے باوجود عرب سماج مختلف قسم کے بلند اخلاق و اقدار مثلاً بہادری، گھوڑ سواری، راست گوئی، ایثار، مروت اور جود و سخا وغیرہ سے خالی نہیں تھا۔ معروف محقق جورجیو کا ماننا ہے کہ عرب کو مشہور عربی جود و سخا اور ایثار و مروت میں لطف ملتا ہے۔[2]

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دار المعرفۃ، بیروت، 2012، ص 313

[2] اگر ہم ان کی مشہور قبائلی جنگوں پر بھی نظر ڈالیں تو اہل عرب کی تاریخ میں ظالمانہ کارروائیوں کا ذکر نہیں ملتا جیسی کارروائیاں مغلوں نے بغداد میں کیں یا یوروپ میں وائکنگ کیا کرتے تھے یا پھر جدید تاریخ میں

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہم مروت اور پڑوس کی اہمیت پر ایک مثال پیش کرتے ہیں جس سے کسی حد تک غیر عربی تحریروں کے مطابق اعلی اقدار کی روح کی جھلک سامنے آتی ہے۔ ہم یہاں اس پڑوس کے حق کی بات نہیں کر رہے ہیں جسے عرب مسلمانوں اور عیسائیوں کے نزدیک تقریباً مقدس سمجھا جاتا ہے، بلکہ ان پڑوسیوں کے حق کی بات کر رہے ہیں جو کسی قبیلہ میں پناہ لے کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے، پھر کسی قبیلہ یا کسی دوسری طاقت کے لیے ممکن نہ ہوتا کہ انہیں ہاتھ لگا سکے، چاہے اس کا نتیجہ جنگ ہی کیوں نہ ہو۔

جب کوئی بدوی صحرا میں لگے کسی دیہاتی کے خیمہ میں بھوکا پیاسا آتا یا ڈاکوؤں کے ڈر سے بھاگ کر پناہ لے لیتا، تو صاحب خیمہ کی غیرت و حمیت اسے پناہ گزین کی حفاظت کے لیے پابند کرتی۔[1] رینان، جو کہ ایک غالی مستشرق اور اسلام اور اہل عرب کا بہت بڑا دشمن ہے، اس بات کا معترف ہے کہ "قوموں کی تہذیب میں زمانۂ جاہلیت کے عرب کی زندگی سے بہتر کوئی زندگی نہیں"۔[2]

'تہذیب یافتہ' یوروپی مہاجرین نے 'سرخ ہندیوں' کے خلاف کیا اور لاکھوں لوگوں کو ایسے طریقوں سے قتل کیا جن کے بارے میں عقل انسانی سوچ بھی نہیں سکتی یا پھر جو سلوک ان لوگوں نے لاکھوں افریقیوں کے ساتھ کیا جو اپنے ملکوں سے بیڑیوں میں قید کر کے غلام بنا کر لے جائے گئے اور ان میں سے آدھے سے زیادہ کو بیڑیوں میں جکڑے ہونے کے سبب مرجانے کے بعد مچھلیوں کی خاطر سمندر میں ڈال دیا گیا۔ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ ایک ہزار سالوں پر محیط پورے عصر جاہلی میں قبائلی جنگوں کے مقتولین کی تعداد 'سرخ ہندیوں' کے مقتولین کے برابر نہیں ہو سکتی جو کہ تہذیب یافتہ یوروپیوں کے ہاتھوں قتل کیے گئے۔ کیوں کہ پورے جزیرۂ عرب کے باشندوں کی تعداد سرخ ہندیوں یا غلام افریقیوں کی تعداد کے برابر نہیں۔ پھر خود یوروپ میں اس زمانے میں سماجی صورت حال کیا رہی ہوگی؟ کیا وہ سخت تاریکی اور پستی میں ڈوبا ہوا نہیں تھا؟

[1] جورجیو، کونستانس، نظرۃ جدیدۃ فی سیرۃ رسول اللہ، الدار العربیۃ للموسوعات، بیروت 1983، ص 86

[2] مرجع سابق، ص 87

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مزید یہ کہ عربی انسان کے اندر آزادی کا رجحان ہوتا ہے۔ یہ وہ بلند اخلاقی و روحانی قدر ہے جس کے ارد گرد دوسرے اچھے اقدار گردش کرتے ہیں۔ چونکہ یہ ایک عام انسانی صفت ہے اور انسان کے اعلیٰ وجودی عناصر میں سے ایک ہے، اس لیے یہ انسان کی اخلاقی اور نفسیاتی ساخت کا بھی ایک مضبوط اور بنیادی جز ہے۔ فطرت انسانی مغلوبیت اور ذلت کو فطری طور پر قبول نہیں کرتی۔ اور عربی انسان جس کی شان یہ ہے کہ وہ ہر زمانے میں اور ہر جگہ شریف النفس رہا ہے وہ ظلم و زیادتی کو گوارا نہیں کرتا، عدل و مساوات اور آزادی کو پسند کرتا ہے۔

خوبصورتی اور آزاد روح کے بیچ ایک بنیادی رشتہ ہے۔ زبان، فکر اور ذوق کے اعتبار سے انسان کے وجدان کی ترجمانی کا نام ہے۔ اپنی زبان اور اس کی فصاحت پر اہل عرب کے تفاخر کو خوبصورتی اور آزادی دونوں کی ترجمان ہونے کے باوصف زبان کی قدر شناسی کے طور پر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ بلند پایہ اور جاوید شاعری اسی کی خوبصورت تصویر کشی کا نام ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے عکاظ کے بازار میں موسم شعر کے جشن کی سرگرمیوں پر غور کرنا کافی ہے جہاں شاعر کی ادبی موشگافیوں اور شعر میں موجود جمالیاتی روح کی قدردانی کے طور پر کامیاب قصیدے کعبہ کی دیوار پر آویزاں کیے جاتے تھے، جیسے وہ مقدس آیات ہوں۔

کیا اہل عرب کے نزدیک زمانۂ جاہلیت سے ہی زبان، شعر اور شعرا کا احترام ان کی تہذیبی قدروں کی ترجمانی نہیں کرتا؟ کیا یہ آزاد اور باعظمت روح کا مظہر نہیں ہے؟ ایمان اور انوار محمدی سے مستفیض ہونے کے بعد اپنے تہذیبی اثرات سے دنیا کو متاثر کرنے والے ان بلند انسانی اقدار و اوصاف کا اثر ہم بعد میں ملاحظہ کریں گے۔

میرے عزیز دوست اور عمانی تاریخ داں محترم احمد سیابی عربی تاریخ میں محفوظ وفا، مروت اور آزادی کا ایک قصہ بیان کرتے ہیں۔ یہ کریمانہ اخلاق میں سے ہیں جن کی

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

حفاظت کے لیے اہل عرب نے اپنا خون جگر تک پیش کیا۔ وہ بتاتے ہیں کہ جب فارس کے کسری (خسرو) نے نعمان بن منذر کو قتل کر دیا، جو کہ عراق کے شہر النعمانیہ کا بانی تھا، عیسائی تھا، امرؤ القیس کی اولاد سے تھا اور مناذرہ کا سب سے مشہور بادشاہ تھا، اس نے اپنی حیات میں ہانی بن مسعود شیبانی کے پاس ایک امانت رکھی تھی، کسری نے شیبانی سے وہ امانت سپرد کرنے کو کہا۔ شیبانی نے وہ امانت مقتول کے ورثہ کے سوا کسی اور کو سپرد کرنے سے منع کر دیا۔ کسری کو یہ ناگوار گزرا اور اس نے اسے اس معمولی قبائلی شخص کا چیلنج سمجھا۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج کو شیبانی پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ لیکن عرب قبائل اسے بچانے کے لیے آگے آئے اور ہوا یہ کہ کسی بھی طرح برابری نہ ہونے کے باوجود ذی قار کی مشہور جنگ میں عربوں کو اہل فارس پر فتح ملی۔ اسی کے بارے میں نبی اکرم نے فرمایا کہ یہ پہلا دن تھا جب اہل عرب نے اہل عجم سے معاملہ برابر کیا۔[1]

مکہ مکرمہ

مکہ مکرمہ، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی، دینی و تجارتی مرکز میں بدل گیا جو صدیاں گزرنے کے باوجود پورے جزیرۂ عرب کے کام آتا رہا۔ اس وقت اس کی آبادی 10 ہزار سے زائد نہ تھی اور یمن کے علاوہ پورے جزیرے میں سب سے بڑی آبادی والا علاقہ تھا۔ سماجی ڈھانچہ سیدھا سادہ تھا۔ پہلے درجے میں قریش کے سربراہان اور شرفاء جو ارباب اقتدار و اختیار تھے، پھر تاجروں کا طبقہ، پھر چھوٹے پیشہ ور، پھر غلام اور گھوڑے، اونٹ وغیرہ پالنے والے مزدور قسم کے لوگ آتے تھے۔

زمانۂ ابراہیمی سے ہی مکہ جزیرہ نمائے عرب کے اقتصادی مرکز کے ساتھ ساتھ دینی مرکز رہا۔ وہاں سر گرم بازار تھے جہاں ہر چہار جانب سے اہل عرب اپنی ضرورتیں پوری

---

[1] السیابی، الشیخ احمد بن سعود، معالم السیرۃ النبویۃ، مکتبۃ الضامری للنشر والتوزیع، مسقط، 2013، ص 45

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کرنے آتے۔ یہاں انہیں یمن کی پیداوار کے ہر قسم کے غلے اور اناج دستیاب ہوتے، یمن کے راستے ہندوستان سے درآمد کیے ہوئے کپڑے اور عطر مہیا ہوتے اور موسم گرما میں شام سے آنے والے دوسرے سامان و اسباب ملتے۔

مذہبی تہواروں کے موسم بھی تجارتی کاروبار سے جڑے ہوئے تھے جہاں لات، عزیٰ اور ہبل سمیت قریب 360 بت تھے۔ جو کوئی تجارت کی غرض سے آتا وہ بت پرستانہ مذہبی زیارت کے لیے بھی آتا۔ کہا جاتا ہے کہ ہر قبیلے کا خاص بت تھا۔ جب وہ قبیلہ تجارت کی غرض سے آتا تو اپنے اس خاص بت کی زیارت کرتا اور اپنے مذہبی شعائر بجا لاتا۔ حج کعبہ کا موسم تجارتی سرگرمیوں کا موسم بن گیا تھا۔

مکی سماج اس معنی میں قبائلی اور بدوی نہیں تھا کہ وہ خانہ بدوش بادیہ نشیں تھا، بلکہ اس میں ٹھہراؤ تھا اور بدوی زندگی کے مقابلے شہری زندگی سے زیادہ قریب تھا۔ صدیوں تک مکہ میں مستقل قیام کے سبب پختہ روایات اور نظام جیسا ایک ماحول پیدا ہو گیا تھا جس نے شہریوں کے آپسی معاملات اور برتاؤ کے ٹھوس اصول اور رواج کو جنم دیا۔ اس کا تقاضہ یہ تھا کہ افراد کے مابین اتفاق و اتحاد اور سلامتی کی فضا قائم ہو۔ عام طور سے شہری زندگی کے یہی اصول ہوتے ہیں۔

اسی طرح اپنی خاص تاریخی اور مخصوص وراثت کے سبب مکہ نے وقت گزرنے کے ساتھ مکی سماج کو جزیرۂ عرب کے باقی سماجوں کے مقابلے ایک طبقاتی اور تہذیبی امتیاز عطا کیا۔ اس کے علاوہ وقت کے ساتھ قبائلی طور طریقوں اور ان کے اصول میں ترقی ہوئی اور ان کے بیچ کسی بھی معاملہ سے متعلق، خاص کر مکی سماج سے متعلق معاملات میں فیصلے کے لیے باہمی مشاورت اور شوریٰ کی روایت قائم ہوئی۔

رسالت سے چند دہائیوں قبل مکہ مکرمہ پر اپنی سیادت کے آغاز کے ساتھ ہی قریش کے قبیلۂ بنی ہاشم نے اپنا ایک مرکزی دفتر بنایا جس کا نام دارالندوہ رکھا۔ اس کی

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

حیثیت زعمائے مکہ کی مجلس شوری کی تھی جس میں وہ اہم امور پر تبادلۂ خیال کرتے۔ یہ ان کی مشترکہ حکومتی کونسل جیسا تھا جہاں شہر اور سماج سے متعلق فیصلے کیے جاتے تھے۔ ان میں تجارتی اور کاروباری امور سے لے کر جنگ اور صلح کے معاملات اور تمام تر قبائلی اور سماجی معاملات طے پاتے تھے۔

بنی ہاشم

یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے، جنہوں نے یمانی قحطانی قبیلہ جرہم میں شادی کی اور اس میں نبی و رسول بنائے گئے۔ اسی سے قبیلۂ قریش نکلا جس کی شاخ بنی ہاشم ہے۔ حدیث شریف میں بنی ہاشم کے سلسلۂ نسب کو قریش کی سب سے اہم شاخ بتایا گیا ہے۔ اللہ کے نبی نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل سے کنانہ کو منتخب کیا، کنانہ سے بنو نضر کو، بنو نضر سے بنوہاشم کو اور بنوہاشم سے مجھے منتخب کیا۔ چنانچہ نبی اکرم عرب کی سب سے بہتر اور افضل نسل سے تھے۔

لیکن رسول اکرم نے کبھی اپنی خاندانی نسبت یا ہاشمی الاصل ہونے پر فخر نہیں کیا، بلکہ ان کا تو ماننا تھا ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے)۔ لیکن تقدیر الٰہی یہ تھی کہ آپ کا تعلق سب سے بہتر خاندان سے ہو جس کے اسباب کا تعلق کسی اور چیز کے مقابلے رسالت سے زیادہ تھا۔

دوید ار لکھتے ہیں کہ جب اللہ کی دعوت دینے والا شخص اپنی قوم کے اشراف سے ہوا تو یہ لوگوں کے اس کی باتوں پر دھیان دینے کا سبب بنا، کیوں کہ لوگوں کی عادت رہی ہے کہ اگر داعی معمولی نسب کے یا گمنام پس منظر کے ہوں تو اسے ناقابل اعتنا سمجھتے ہیں۔ اور جب ان کے پاس ایسا شخص آئے جس کے نہ تو نسب کو ناپسند کرتے ہوں، نہ سماجی

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

حیثیت کو تو اس کے متعلق ان کے پاس بہتان تراشی کے علاوہ کہنے کو کچھ نہیں ہوتا۔ حالاں کہ یہ بات مسلم ہے کہ اسلام اعمال کے مقابلے نسب کی بلندی کو اہمیت نہیں دیتا۔[1]

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عہد سے لے کر نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کی آمد تک قریب تین ہزار سال تک جزیرۂ عرب پر فترت کا زمانہ گزرا جس میں نہ کوئی وحی آئی اور نہ کوئی رسول آئے۔ ایسا مانا جاتا ہے کہ قریش سے پہلے کے قبائل اور وہ جو قریش کے بعد ہوئے اور ختم ہو گئے وہ دین ابراہیم کے ماننے والے تھے۔ قبیلہ قریش بھی یقیناً شروع میں دین ابراہیم پر تھا، لیکن صدیاں گزرنے کے ساتھ بت پرستی کرنے لگا۔

ایک مشہور تاریخی روایت کے مطابق اس کی شروعات یوں ہوئی کہ عمرو بن لحی الخزاعی نامی حجاز کے ایک شخص نے اپنے شام کے سفر میں پہلی بار کچھ بت دیکھے جن کی اہل شام پرستش کرتے تھے۔ جب اس نے ان کے متعلق پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ ہم ان سے بارش مانگتے ہیں تو بارش ہوتی ہے اور مدد مانگتے ہیں تو وہ ہماری مدد کرتے ہیں۔

اس نے ان سے کہا کہ کیا ہمیں ایک بت نہیں دو گے تا کہ میں اس کو ملک عرب لے جاؤں اور اہل عرب اس کی عبادت کریں؟ تو انہوں نے اسے ایک بت دیا جس کا نام ہبل تھا۔ اس نے ہبل کو لا کر کعبہ میں نصب کر دیا جہاں وہ فتح مکہ تک رہا۔ یہی حجاز میں دین ابراہیم و اسماعیل کے بدلنے کا نقطۂ آغاز اور سبب تھا۔[2]

قرآن کریم نے ان کے بارے میں کہا: ﴿وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ﴾ (البقرة: 130) (اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے سوائے اس کے جو دل کا احمق ہے)۔

---

[1] السباعی، السیرۃ النبویۃ، دار ابن حزم، بیروت 2010، ص35

[2] الجزائری، ابو بکر جابر، ہذا الحبیب محمد، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ 2004، ص25

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مکہ میں بعض دیندار حضرات، اگرچہ ان کی تعداد بہت کم تھی، آمد رسول ﷺ تک دین ابراہیم پر تھے۔ انہوں نے بت پرستی کو ٹھکرادیا تھا اور شریعت ابراہیمی سے انحراف کے سبب قریش کی تنقید کرتے تھے۔ شاعر زید بن عمرو بن نفیل ان میں سب سے مشہور تھے۔ بعثت سے کچھ عرصہ قبل ان کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے شرک نہیں کیا اور دین ابراہیم پر قائم رہے۔ اسی لیے جب عمر بن خطاب اور ان کے ساتھ شاعر زید بن عمرو کے بیٹے سعید نے پوچھا کہ کیا ہم ان کی مغفرت کی دعا کر سکتے ہیں تو اللہ کے رسول نے فرمایا "ہاں! ان کا حشر اکیلے ہی ایک امت کے طور پر ہو گا"۔

شعائر ابراہیمی، مثلاً حج وعمرہ اور طواف کعبہ مکہ میں باقی رہے، لیکن بت پرستی کے دور نے انہیں ان کے توحید پرستانہ ابراہیمی مقصد سے خالی کر کے بگاڑ دیا اور صرف ظاہری رسمیں رہ گئیں۔ طواف کعبہ بتوں کے ارد گرد بت پرستانہ عبادت میں بدل گیا۔ پھر اسلام آیا تاکہ کعبہ کو بت پرستی اور شرک سے پاک کرے اور حج وعمرہ کو خدائی احکام میں واپس لائے اور اس میں شعائر اسلامی اور سنن محمدی کا اضافہ کرے۔

اس طرح اسلام نے توحید پرستانہ ابراہیمی شعائر میں روح پھونکی، انہیں ایمانی اور اسلامی معنویت سے آراستہ کیا اور سنن نبوی سے ان کا احیا کیا۔ آیت کریمہ ہے ﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾(الحج: 78) (اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے، اس نے تمہیں پسند کیا اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی، تمہارے باپ ابراہیم کا دین، اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں اور اس کتاب میں تاکہ رسول تمہارا نگہبان و گواہ ہو اور تم اور لوگوں پر گواہ ہو)۔

جزیرہ نمائے عرب میں پھیلی بت پرستی کے علاوہ، یمن کے خطہ نجران میں نصرانی بھی تھے، اگرچہ وہ زیادہ عرصہ نہ رہے۔ وہاں یہودی اقلیت بھی تھی اور ان کے بعض

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پیرو کار آج بھی صنعاء میں امن و امان کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ البتہ یثرب اور پھر خیبر کے خطہ میں یہودیوں کی آبادی مدینہ کے مقابلے زیادہ تھی۔ جیسا کہ بعض مراجع میں ذکر ہے، اس کے دو اسباب ہیں:

ایک تو سنہ 70 عیسوی میں رومن سلطنت میں ان پر ہونے والے تشدد سے ان کا فرار اختیار کرنا اور دوسرا ان میں سے بعض کی جانب سے حضرت اسماعیل کی نسل سے نبی کی آمد کا انتظار جن کے متعلق تورات و انجیل میں بشارت دی گئی تھی۔ چنانچہ وہ شمالی حجاز میں اس امید پر مقیم ہو گئے کہ نبی آخر الزماں اس خطے میں تشریف لائیں گے تو وہ ان پر ایمان لائیں گے اور ان کے ساتھ دشمنوں سے جنگ کریں گے۔[1]

اور چوں کہ نصرانیت اور یہودیت کے ماننے والے بہت تھوڑے رہ گئے تھے، جیسا کہ مسلمانوں کا ماننا ہے، جیسے نابلس میں سامری جنہوں نے اپنے یہودی دین کی حفاظت کی اور اسے انحرافات سے بچائے رکھا، اس لیے نصرانیت، جس نے الوہیت اور بشریت کو خلط ملط کر دیا اور تثلیث کا عقیدہ اختیار کیا، کا جزیرۂ عرب میں نہ تو قابل ذکر اثر رہا اور نہ زیادہ ماننے والے رہے، جیسا شام اور عراق میں مسیحیت کے زوال کی شروعات کے ساتھ ہوا۔

یہودیت کی بھی اپنی ایک کہانی ہے۔ دیگر مذاہب کی طرح یہودیت بھی ایک آسمانی مذہب ہے۔ لیکن تحریف نے اسے بھی اس کے مقصد ربانی سے خالی کر دیا۔ اس کی صرف یہ خصوصیت باقی رہ گئی ہے کہ وہ خدائی پیغام ہے جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا۔ لہذا اس کی بساط لپیٹ دی گئی۔ اس میں دنیا کے لیے کوئی پیغام نہیں رہا، نہ ہی اقوام کے لیے دعوت سلامتی اور نہ ہی انسانیت کے لیے رحمت۔[2]

---

[1] مرجع سابق، ص32

[2] الندوی، ابوالحسن علی، دارالقلم، دمشق، 2010، ص23

اسلام اور مسیحیت کے برعکس یہودیت پہلا مذہب ہے جس نے نسلی برتری کا بیج بویا اور اس سے نابرابری پیدا ہوئی اور دوسروں کے ساتھ، بلکہ یہودیوں کے لفظوں میں غیروں کے ساتھ تسامح کا امکان ختم ہو گیا اور نسلی برتری یہودی ثقافت کی ایک خاص علامت بن گئی۔

یاد رہے کہ صرف جزیرۂ عرب کے لوگ تاریکیوں میں نہیں جی رہے تھے، بلکہ چھٹی صدی عیسوی میں پوری دنیا جہالت اور تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دنیا اخلاقی پستی اور انسانی تنزلی کے برے دور میں جی رہی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ "اللہ نے اہل زمین کی طرف دیکھا تو سوائے باقی ماندہ کتابیوں کے سبھی اہل عرب و عجم کو سخت ناپسند کیا"۔ اور تب نبی کی بعثت کی ضرورت پیش آئی تاکہ وہ انسانیت کو تاریکیوں سے نکالے۔ اس لیے رسالت محمدی نئی رسالت نہیں ہے بلکہ نئی شریعت ہے اور یہ سابقہ آسمانی مذاہب و ادیان کا تسلسل اور تکملہ ہے۔ لیکن اس بار اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام کے ساتھ صرف اہل عرب کو خاص نہیں کیا بلکہ پوری انسانیت کو اس میں شریک رکھا۔

اس خطے کو رسالت کے لیے منتخب کرنے کا سبب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کی قبولیت تھی جو انہوں نے ان لفظوں میں کی تھی ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (البقرة :129)

ترجمہ: اے ہمارے رب! ان میں ان میں سے ہی ایک رسول بھیج کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

یہ وہ بات ہے جو ہمیں قرآن بتاتا ہے۔ اس لیے اللہ نے چاہا کہ اس کے آخری رسول عرب سے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہوں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس خطہ میں ظہور رسالت سے متعلق یہود و نصاریٰ کے پاس متعدد اور متواتر بشارتیں تھیں۔ حضرت اسماعیل کی نسل سے نبی کی آمد سے متعلق کتب مقدسہ توریت و انجیل میں مذکور بشارتیں، جن کی قرآن کریم بھی تائید کرتا ہے، آج کوئی راز کی بات نہیں، لیکن ایسا پہلے نہیں تھا۔ یہ بشارتیں ایک راز کے مانند تھیں جو دونوں ادیان کے ماننے والوں کے پاس قدم دینی نصوص میں قید تھیں۔ آج تو ان کا اصلی زبانوں سے ترجمہ ہو چکا ہے اور ہر زبان کی دینی و تاریخی کتابوں میں مذکور ہے۔

عجیب بات ہے کہ بعض سیرت نگار جزیرہ نماے عرب میں ظہور رسالت کے لیے من گھڑت سبب پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان کی کوششوں کی حیثیت عوامی اٹکلوں سے زیادہ نہیں، جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت مطلقہ کے سبب اپنے رسول کو بھیجنے کے لیے پختہ حالات کا محتاج نہیں۔ کیوں کہ ارادۂ خداوندی کا فیصلہ حالات نہیں کرتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے زمانہ اور جگہ کا انتخاب کیا اور یہ فیصلہ اس نے تخلیق کائنات سے پہلے ہی کر لیا تھا۔ اللہ جانتا ہے کہ اسے اپنے رسول اور اپنے پیغامات کہاں بھیجنے ہیں۔

نہ صرف عرب، بلکہ پوری دنیا کو اس بات کی ضرورت تھی کہ اسے صریح گمرہی سے بچایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم رسالت کے لیے جزیرۂ عرب کو منتخب کیا، جس طرح اس نے باقی آسمانی پیغامات یا رسالتوں کے لیے جزیرہ عرب سے قریب کے خطوں کا انتخاب کیا۔ ہمارا خطہ، جیسا کہ مشہور ہے، انبیاء ورسل اور مذاہب کا وطن رہا ہے۔

اور جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، عرب سماج تاریکی اور بت پرستی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس لیے معاملہ کسی خاص عقیدہ یا کسی خاص سماج کی اصلاح کا نہیں تھا، بلکہ معاملہ جاہلی اور بت پرستانہ ملبوں کا تھا جو صدیوں اور نسلوں کے گزرنے کے ساتھ تہ بہ تہ جمع ہو گئے تھے اور جن کے نیچے انبیاء و رسل کی تعلیمات اور مصلحین و معلمین کی کوششیں دفن ہو گئی

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تھیں اور معاملہ ایک ایسی مضبوط، بلند اور کشادہ عمارت کی تعمیر کا تھا جو پوری دنیا کو سمو لے اور ساری اقوام کو اپنی پناہ میں لے لے۔[1]

بشارتیں

اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اپنی حکمت مطلقہ سے اس قوم سے لوگوں کے لیے بہترین امت پیدا کرے۔ بہترین امت اس لیے کہ وہ توحید پرست ہے، اللہ پر ایمان رکھتی ہے اور نظام الٰہی کے مطابق زندگی گزارتی ہے۔ بہترین امت اس لیے کہ اسے شمع فروزاں سے رہنمائی حاصل ہے۔ اور بہترین امت اس لیے بھی کہ اسے زندگی اور وجود کی حقیقت سے متعلق روحانی نظریہ کے حامل انسان کی تعمیر کے لیے آسمانی پیغام کی تبلیغ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ایسا ایمانی نظریہ جو علم، عقل اور حکمت کے تین ستونوں پر قائم ہے۔ یہ ایک جامع اور باہم مربوط نظریہ ہے جو حقیقی اسلامی زندگی کے لیے ایمانی زمین ہموار کرتا ہے۔

دوسری طرف رسولوں اور آسمانی کتابوں نے اس خطے میں نبی آخر الزماں کی آمد کی خوش خبری سنائی۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم ان آسمانی بشارتوں کے بارے میں بتائیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس امر پر دلالت کرنے والی بعض بنیادی آیات قرآنیہ کا ذکر کریں۔ اللہ تعالیٰ سورۂ اعراف میں فرماتا ہے: ﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الأعراف: 157)

ترجمہ: وہ جو غلامی کریں گے اس بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے رسول کی جسے لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے پاس توریت وانجیل میں، وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور

[1] مرجع سابق، ص58

برائی سے روکے گا، ان کے لیے ستھری چیزیں حلال فرمائے گا اور ان پر گندی چیزیں حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور پھندے جو ان پر تھے اتارے گا، تو جو اس پر ایمان لائیں، اس کی تعظیم کریں، اس کی مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا، وہی کامیاب ہوئے۔

چوں کہ توریت وانجیل کے متعدد نسخے ہیں اور چار انجیل منقح ہو کر آچکی ہیں جنہیں تشریعیہ یا قانونیہ کہا جاتا ہے اور جو آج کے بعض گرجا گھروں میں معتمد سمجھی جاتی ہیں، جب کہ پوری انجیل اصلی نہیں ہے، بلکہ خود بعض عیسائی اس کی صحت میں شک کرتے ہیں اور چوں کہ ان میں بہت سی تبدیلیاں درآئی ہیں اور ان میں بہت سے اختلافات بھی ہیں، اس لیے ہم نے صحت کے نقطۂ نظر سے بنیادی طور پر عیسائی پیشوا اور سابق پادری پروفیسر عبد الاحد داؤد کی تحریر پر اعتماد کیا جنہوں نے اپنی کتاب "محمد کما ورد فی کتب الیہود والنصاری" میں بشارت نبوت سے متعلق نصوص کو جمع کیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ کتاب صحت اور دیانت کے لحاظ سے دوسرے مراجع سے برتر ہے۔

مشہور ہے کہ گزشتہ صدی اسّی کی دہائی میں چمڑوں پر لکھے ہوئے انجیل کے قدیم نسخے دریافت ہوئے جو بنیادی مسائل میں چار انجیلوں سے مختلف ہیں اور خاص کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پر چڑھائے جانے سے متعلق ان سے معارض ہیں۔ لیکن اس میں اور قرآن کریم میں اتفاق ہے جو اس بات پر زور دیتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر نہیں چڑھائے گئے، بلکہ جسے سولی پر چڑھایا گیا وہ کوئی اور شخص تھا۔

ہم شروع اس بات سے کرتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (سفر التثنیہ 18/18): "میں تمہاری طرح ان میں سے ہی ان کے لیے نبی بھیجوں گا اور ان کے منہ پر اپنی بات جاری کروں گا"۔ پھر حضرت موسیٰ اپنے ماننے والوں سے کہتے ہیں: "اللہ تعالیٰ تمہارے بھائیوں میں سے میری طرح ایک نبی بھیجے گا

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تو جو کچھ وہ تم سے کہیں اس پر دھیان دینا اور جو اس نبی کی بات دھیان سے نہیں سنے گا، وہ لوگوں سے علاحدہ ہو جائے گا۔" (مذکرات الرسل 22-3/23)[1]

ان تعلیمات کا واضح مطلب یہ ہے کہ جو اس نبی کی پیروی نہیں کرے گا وہ حقیقی معنوں میں یہودی نہیں رہے گا، کیوں کہ ایسا کرنے والا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے احکامات کی خلاف ورزی کرے گا اور ان لوگوں سے علاحدہ ہو جائے گا جن کے دین پر تھا، اور اس طرح اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے مطابق یہودی نہیں رہے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی مکہ کے پہاڑوں میں واقع فاران کی چوٹی سے روشن ہونے والے نور کے متعلق بتاتی ہے۔ سفر التثنیہ 23/2 میں ذکر ہے: "رب کا نور طور سینا سے آیا، لوگوں کے لیے ساعیر سے طلوع ہوا اور فاران کی چوٹی سے جگمگایا۔ اس کے ساتھ دس ہزار مسلمان آئے اور اس کے دائیں ہاتھ میں روشن شریعت تھی"۔

بعض مراجع کے مطابق طور سینا سے رب کا نور آنے کا مطلب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت ہے، شہر ساعیر سے طلوع ہونے کا مطلب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت ہے اور فاران کی پہاڑی سے جگمگانے کا مطلب حضرت محمد ﷺ کی رسالت ہے۔

عبد الاحد داؤد کہتے ہیں کہ وہ خبر حرف بہ حرف ثابت ہوئی۔ محمد ﷺ ہی وہ ہیں جو اپنے دس ہزار مومن پیروکاروں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ وہ بیت اللہ کو اس حال میں لوٹے کہ ان کے دائیں ہاتھ میں آخری شریعت تھی۔ نور الٰہی مکہ کی پہاڑیوں میں پھیل گیا۔ اور یہی وہ وحی والا شہر ہے جس میں بیت اللہ کی تعظیم کی جاتی ہے، اسی میں قربانیاں دی جاتی ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے گرجا گھر کے لیے قربانیاں نہیں پیش کی جاتیں۔ جیسا اللہ کے نبی حبقوق کی پیش گوئی سے معلوم ہوتا ہے (سفر حبقوق 3/3): "فاران کی پہاڑی سے ایک برگزیدہ بندہ آئے گا، اس کی عظمت آسمانوں کو ڈھانپ لے گی اور زمیں اس کی حمد

[1] داؤد، عبد الاحد، محمد کما ورد فی کتاب الیہود والنصاریٰ، ترجمہ محمد فاروق الزین، العبیکان، ریاض، ص 26

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سے بھر جائے گی"۔ اس میں لفظ حمد بہت معنویت رکھتا ہے، کیوں کہ اسم محمد کا لفظی مطلب محمود ہے۔[1]

بشارتیں بہت زیادہ ہیں، اس لیے ہم نے بعض کے ذکر پر اکتفا کیا۔ اب ہم اس اہم موضوع کو صحابیِ رسول حضرت سلمان فارسی کے قصہ کے ذکر کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔ حقیقت کی محبت اور اس کی تلاش میں کسی حد تک جانے کی ایک انوکھی مثال ہونے کے ساتھ ساتھ اس سے بشارت نبوت کی بھی تاکید و تائید ہوتی ہے۔ یہ قصہ یقینی طور پر روحانیت کی تلاش اور یادگار بن جانے والی قربانی کے قصوں میں سے ایک ہے۔ ہم اس کی روح سے چھیڑ چھاڑ کیے بغیر اسے حتی الامکان مختصراً بیان کریں گے تاکہ اس کے قابل توجہ ایمانی اور بیش قیمت پہلوؤں سے آگاہی ہو سکے۔

"مابہ یوذخشان" جو اسلام لانے کے بعد سلمان فارسی ہو جاتے ہیں، وہ فارس میں اصفہان کے علاقہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد آتش پرست تھے۔ انہیں جوان ہوتے ہی آگ روشن رکھنے کا کام سونپ دیا گیا تاکہ ان کی عبادت گاہ میں ہمیشہ آگ روشن رہے۔ آتش پرستوں کے نزدیک یہ بلند رتبہ کام سمجھا جاتا ہے اور یہ کام انجام دینے والے شخص کو "قطن النار" (آگ جلانے والا) کہا جاتا ہے۔ ایک دن سلمان اپنے گھر سے اپنے والد کے کھیت کی طرف جانے کے ارادے سے نکلے اور ایک گرجا گھر کے پاس سے گزرے جہاں انہوں نے پہلی دفعہ جرس اور مناجات کی آواز سنی تو مسیحی عبادت سے متاثر ہو کر ان کے پاس چلے گئے۔

انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کا علم نہیں تھا، لیکن ان کا سینہ ان کے لیے وا ہوا اور دل میں دین مسیحی کی معرفت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ ان سے اس دین کے اصل مصدر کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے انہیں مشورہ دیا کہ اگر دین مسیحی کی تعلیم حاصل کرنی

---

[1] مرجع سابق، ص27-30

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہے تو شام جا کر کسی پادری کی خدمت کرو اور ان کے پاس تعلیم حاصل کرو۔ چنانچہ وہ اپنے والد اور مال و اسباب چھوڑ کر ملک شام میں کسی پادری کے پاس چلے گئے۔

اس وقت یہ پادری اس خطہ میں حقیقی مسیحیوں کی ایک مختصر اور چنندہ جماعت سمجھے جاتے تھے۔ لیکن بڑی عمر کے تھے اور قریب مرگ تھے۔ شام کے پادری نے اپنی موت سے کچھ پہلے تعلیم جاری رکھنے کے مقصد سے انہیں موصل میں اپنے ایک شاگرد کے پاس جانے کو کہا۔

وہ شام سے موصل چلے گئے اور گرجا گھر میں پادری کے پاس پہنچ گئے اور دین مسیحیت کو سیکھنے کا ان کا سفر جاری رہا۔ جب موصل کے پادری مرنے کے قریب ہوئے تو انہیں شام میں عموریہ کے علاقہ میں ایک پادری کے پاس جانے کو کہا جو اپنی وسعت علمی کے سبب مشہور تھے۔ سلمان بے جھجھک حقیقت کبریٰ کی معرفت کے شوق میں موصل سے دوبارہ شام آگئے۔ پادریوں اور گرجا گھروں کے ساتھ یہ ان کا آخری پڑاؤ تھا۔

کچھ سالوں بعد پھر وہی ہوا۔ عموریہ کے پادری کی بھی موت کا وقت آیا۔ سلمان نے ان سے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے جواب دیا: میرے بیٹے! میں اب کسی پادری کو نہیں جانتا جس کی پیروی کرنے کی تمہیں نصیحت کروں۔ سب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ لیکن نبی کی آمد کا زمانہ قریب ہے۔ وہ دین ابراہیم لے کر مبعوث ہوں گے۔ وہ عرب کی سرزمین پر ظاہر ہوں گے اور دو ٹیلوں کے بیچ کی زمین کی طرف ہجرت کریں گے۔ ان کی بہت سی نشانیاں ہیں جو پوشیدہ نہیں ہیں۔ وہ ہدیہ قبول کریں گے۔ صدقہ نہیں کھائیں گے۔ ان کے دونوں کندھوں کے بیچ مہر نبوت ہوگی۔ اگر تم سے بن پڑے تو وہاں جانا۔

یہ سچ ہے کہ اگر اس پادری کو ان کتابوں کی جن میں نبی اکرم کی آمد کی بشارتیں ہیں، معرفت نہ ہوتی تو وہ نبی کا ان کے اوصاف کے ساتھ یہاں تک کہ ہجرت مدینہ کے ذکر کے ساتھ بیان نہ کر پاتے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سلمان اس روحانی جذبہ اور پختہ عزم کے ساتھ سفر کرتے رہے جہاں قسمت لے جاتی رہی۔ انہیں کبھی ان پادریوں کے ارشادات اور نصیحتوں کے معاملے میں تردد نہ ہوا جن کے پاس انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی، لیکن آخری پادری کی نصیحت ان کے لیے بہت خاص تھی۔

اس بار انہیں گرجا کی تعلیمات حاصل کرنے کے لیے کسی پادری یا راہب کو تلاش نہیں کرنا تھا، بلکہ آخری نبی و رسول کو تلاش کرنا تھا جن سے وہ آخری آسمانی تعلیمات سیکھ سکیں اور جو ان کے سامنے وہ حقیقت پیش کر سکیں جس کی تلاش میں انہوں نے اپنی آدھی عمر گزار دی۔ سلمان کچھ دن عموریہ میں رہے تاکہ وہ کسی ایسے شخص کو تلاش کر سکیں جو انہیں ان کی منزل تک پہنچا دے۔ آخر کار انہیں بنو کلب کے تاجروں کا ایک قافلہ ملا جس سے انہوں نے درخواست کی کہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس کے عوض وہ انہیں اپنے ساتھ لے چلیں۔ ان کے پاس دو گائیں اور کچھ بکریاں تھیں۔

سلمان ان کے ساتھ چل پڑے یہاں تک کہ وادی قری پہنچ گئے۔ وہاں ان لوگوں نے ان کے ساتھ دھوکہ کیا اور انہیں ایک یہودی کو بیچ دیا۔ سلمان کو اس برے انجام کی توقع نہ تھی۔ وہ تو ایسے شخص کی تلاش میں تھے جو انہیں تاریکیوں سے آزاد کرے اور روشنی کی راہ دکھادے، ایسے شخص کی نہیں جو انہیں غلام بنادے۔ بہر حال ان کا مالک انہیں یثرب کے قریب ایک علاقہ میں اپنے کھیت میں کام کرنے کے لیے لے گیا۔ ایک دن اس یہودی کے پاس یثرب کے قبیلہ بنو قریظہ سے اس کا چچازاد بھائی آیا تو اس نے انہیں اس کے ہاتھوں بیچ دیا۔ وہ انہیں یثرب لے آیا۔ جیسے ہی انہوں نے مدینہ دیکھا اور اس میں کھجور کے پیڑ دیکھے تو انہیں اس بات کا احساس ہو گیا کہ انہیں جس جگہ کی تلاش تھی وہاں پہنچ گئے ہیں۔ یہ اہم نہیں کہ وہ کیسے پہنچے، اہم یہ ہے کہ وہ وہاں پہنچ گئے جہاں اللہ انہیں پہنچانا چاہتا

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تھا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ وہی شہر ہے جس کے بارے میں پادری نے اپنی وفات سے پہلے بتایا تھا۔

ان کی تقدیر انہیں وہاں لے گئی جہاں انہیں حقیقت کو پانا تھا۔ جس حقیقت کی تلاش نے انہیں سالوں تک مشقت میں ڈالے رکھا۔ سلمان کہتے ہیں کہ ایک دن اس یہودی کے پاس اس کا ایک رشتہ دار آیا۔ وہ پریشان تھا۔ اس نے اپنے رشتہ دار سے کہا: اللہ تعالیٰ بنو قیلہ کو ہلاک کرے! (اوس کی کنیت بنو قیلہ ہے)۔ بخدا وہ لوگ قباء میں مکہ سے آئے ایک شخص کے پاس جمع ہیں جن کے بارے میں ان کا گمان ہے کہ وہ نبی ہیں۔ سلمان چونک گئے اور انہیں محسوس ہوا کہ یہ وہی خبر ہے جو سننے کے لیے وہ آئے ہیں اور ٹھیک یہی وہ ہستی ہیں جن کی خاطر وہ یہاں آئے ہیں۔

اب عموریہ کے پادری کی خوش خبری سچ ثابت ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ مقدر کیا تھا کہ جس وقت نبی یثرب پہنچیں، سلمان بھی اسی وقت پہنچیں۔ سلمان کہتے ہیں کہ شام کے وقت میں نے موقع نکال لیا اور قباء پہنچ گیا۔ میرے پاس کچھ کھجوریں تھیں۔ میں ان کے پاس پہنچا اور عرض گزار ہوا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نیک آدمی ہیں اور آپ کے ساتھ کچھ ضرورت مند ہیں۔ میرے پاس یہ کچھ چیز صدقہ کے لیے تھی۔ مجھے لگا کہ دوسروں کے مقابلے آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ یہ کہتے ہوئے میں نے ان کے قریب کیا۔ انہوں نے اسے لے لیا اور اپنے ساتھیوں کو کھانے کے لیے دے دیا اور خود اس میں سے نہیں کھایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ تو ایک نشانی ہے اور پھر وہاں سے لوٹ گیا۔

کچھ دنوں بعد میں پھر ان کے پاس آیا۔ اب وہ مدینہ پہنچ چکے تھے۔ رسول اللہ اپنے کسی ساتھی کو بقیع میں دفن کر رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں نے دیکھا تھا کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے۔ یہ ہدیہ ہے۔ انہوں نے ہدیہ قبول کر لیا۔ اس میں سے خود بھی کھایا

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اور ساتھیوں کو بھی کھلایا۔ اس وقت میں گھوم کر ان کی پیٹھ کی طرف دیکھنے لگا تاکہ تیسری علامت مہر نبوت دیکھ سکوں جس کے بارے میں پادری نے بتایا تھا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو سمجھ گئے کہ میں کسی چیز کی تحقیق کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی پیٹھ سے چادر ہٹادی اور میں نے مہر نبوت دیکھ لی۔ میں جھک کر اسے چومنے لگا اور رونے لگا۔ میں نے انہیں اپنا طویل قصہ سنایا۔ رسول اللہ نے اسے پسند فرمایا اور مجھ سے اپنے ساتھیوں کو سنانے کے لیے کہا۔[1]

سلمان فارسی آزاد تھے۔ اپنے شہر میں عزت سے رہ رہے تھے۔ انہیں تقدیر نے لمبے اور کج راستے پر سفر کے لیے ڈال دیا۔ وہ حق، اللہ اور اس کی راہ کی تلاش میں اپنی تمام تر کوششیں کرتے رہے۔ پھر اللہ نے ان کے لیے مقدر کیا کہ اس کے رسول کی بارگاہ میں غلام کی طرح قید ہو کر پہنچیں، ایک یہودی سے دوسرے کے ہاتھ بکتے ہوئے، تاکہ وہاں تک پہنچ جائیں جہاں تک پہنچنا ان کے حق میں مرضی الہی ہے۔ اللہ نے چاہا کہ وہ نبی اکرم کے پاس پہنچ جائیں جو اللہ کی طرف ان کی ہدایت کریں اور یہ ان کے ہاتھ پر اسلام لائیں۔

رسول اللہ نے انہیں مسلمانوں کے مالی تعاون کے ذریعہ یہودی کی غلامی سے آزاد کرایا اور اسلام نے اندرونی تاریکیوں کی غلامی سے آزادی عطا کی۔ سلمان کا دل انوار محمدی کو قبول کرنے کے لیے تیار تھا اور ایمان کا پیاسا تھا۔ جلد ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں علوم ربانی سے فیضیاب کیا۔ چنانچہ رسول اکرم نے ایک بار ان کے متعلق فرمایا: ”سلمان علم سے آسودہ ہو گئے“۔

یہ اسلام کی خوبصورتی ہے کہ فارسی الاصل اور مجوسیت کی تاریکی سے آنے والے سلمان افریقہ کے جنگلوں سے آنے والے اپنے بھائی حبشی غلام بلال بن رباح کی طرح، جو کہ اسلام قبول کرنے کے سبب کفار کی اذیت سے موت کے دہانے پر پہنچ گئے تھے، رسول اللہ

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دار المعارف، بیروت 2012، ص 209-214

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کے قریبی صحابی ہو گئے، جب کہ قریشی، ہاشمی اور رسول کا چچا ابو لہب جس کی عقل اور بصیرت کو تکبر اور جہالت نے اندھا کر دیا تھا وہ دنیا میں رسول اللہ سے دور رہ گیا اور آخرت میں اللہ اور اس کی جنت سے روک دیا گیا۔[1]

[1] واقعہ یہ ہے کہ بلال کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی اور ان کی ماں حمامہ، ابرہہ حبشی، جس نے خانہ کعبہ کو ڈھانے کی کوشش کی، کی بہن تھی۔ حمامہ ابابیل پرندے سے بچ گئی تھی۔ اسے قبیلہ خثعم کے ایک شخص نے امیہ بن خلف کے والد کے پاس پہنچا دیا جس نے اس کی شادی اپنے غلام رباح سے کرا دی۔ اس سے بلال رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پہلی فصل

مکہ مکرمہ: آغوش رسالت

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾

(محمد اللہ کے رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول ہوئے)

مکہ مکرمہ کو خدا کی جانب سے عظیم مرتبہ حاصل ہے۔ بیت المقدس کی طرح یہاں بھی مقدس اہل آسمان کا تعلق فانی اہل زمین سے ایسا مضبوط ہے جو قیام قیامت تک رہے گا۔ مکہ دو ربانی عہد سے گزرتا ہے۔ ایک عہد ابراہیمی جو مکہ مکرمہ کی تاسیس اور دین ابراہیمی کا عہد ہے اور دوسرا عہد محمدی جو نئی انسانیت کا عہد ہے۔ ہزاروں سال کے فاصلے کے باوجود دونوں عہد روحانی طور پر ایک دوسرے سے مربوط اور متاثر رہے۔ اس جگہ کا انتخاب اللہ کے نبی حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کیا جب وہ اپنی بیوی ہاجرہ کے ساتھ اپنی بت پرست قوم کی عداوت کے سبب عراق سے ہجرت کر کے فلسطین آئے۔ تب ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل شکم مادر میں تھے۔ جب حضرت اسماعیل کی ولادت شہر "خلیل" میں ہو گئی تب انہیں لیکر حضرت ابراہیم مکہ آگئے۔ وہاں ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے بیت الحرام[1] کی نیویں اٹھانے کا حکم دیا تاکہ وہ لوگوں کے لیے قبلہ اور حج کی جگہ ہو۔

---

[1] یہاں اس بات کی جانب اشارہ کرنا مناسب ہے کہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی، پھر شیث علیہ السلام نے اس کی تعمیر نو کی، اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو اس کی تعمیر کا حکم ہوا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دونوں اپنے رب سے یہ دعا کر رہے تھے کہ انہیں اپنا فرمان بردار بنائے اور اور ان کی اولاد میں سے ایک فرماں بردار امت بنائے۔

پھر حضرت ابراہیم خلیل نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ اس فرماں بردار امت کے لیے ان میں سے ہی ایک رسول مبعوث فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ میں فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (127) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (128) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (129)﴾

ترجمہ: اور جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی نیویں اٹھاتے، یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما! بے شک تو ہی سنتا جانتا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد سے ایک امت پیدا فرما جو تیری فرماں بردار ہو اور ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے بتا اور ہماری توبہ قبول فرما! بے شک تو بہت ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم والا ہے۔ اے ہمارے رب! تو ان میں ان میں سے ہی ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے، انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

جب نبی اکرم محمد ﷺ سے آپ کی اصل کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ "میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں، اپنے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں، اور اپنی ماں کا خواب ہوں"۔ رسول کریم کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے۔ وہ حضرت اسماعیل کی اولاد سے تھے۔ انہیں ان کے رب نے حکم دیا تھا کہ مسلمان رہیں اور ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کریں۔ ﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (آل عمران: 67) (اور ابراہیم نہ تو یہودی تھے، نہ نصرانی تھے۔ بلکہ ہر باطل سے جدا مسلمان تھے)۔

حضرت ابراہیم تمام صاحب کتاب پیغمبروں سے پہلے آئے، شریعتیں بدلتی رہیں، لیکن اسلام تو اللہ کے ایک ہی دین کا تسلسل ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۂ نساء میں فرماتا ہے:﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا (163)﴾

ترجمہ: ہم نے آپ کو وحی بھیجی، جیسا کہ ہم نے نوح اور ان کے بعد کے نبیوں کو وحی بھیجی۔ اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کو وحی بھیجی۔ اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔

اسلام نے داؤد کی زبور، موسیٰ کی توریت اور عیسیٰ کی انجیل کی روح کو جمع کر دیا۔ یہ مختلف، ایک دوسرے سے متصل اور مربوط مذاہب اور شریعتیں ہیں جو ایک دین اسلام میں جمع ہیں۔ فجر محمدی طلوع ہونے کے لیے تقدیر ساز گار ہوتی گئی اور مکہ میں اللہ کے آخری نبی اور رسول پیدا ہوئے۔ عام الفیل کے ماہ ربیع الاول میں پیر کا دن تھا۔ سنہ 570 یا 571 عیسوی اور ہجرت سے 53 سال پہلے کی بات ہے۔ مقصد ربانی یہ تھا کہ مکہ مکرمہ میں سارے جہاں کے لیے مقدس آسمانی پیغام نازل ہو۔

اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ قبیلہ بنوہاشم میں پیدا ہوئے۔ یہ قبیلہ عرب کے قبائل میں مال و دولت میں کم تر اور عظمت و شرافت میں برتر تھا۔ تقدیر الٰہی یہ تھی کہ آپ ماں باپ دونوں سے یتیم ہوں۔ اس بارے میں مالکی کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ ان کے والدین کی طرف سے ولادت میں کوئی بھائی یا بہن شریک نہیں، تاکہ وہ دونوں خالص ان کے

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لیے رہیں اور ان کی نسل ان پر ہی منحصر ہو اور تا کہ وہ ایسے نسب کے لیے خاص رہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نبوت کی آخری منزل بنایا ہے اور جس پر نسبی شرافت کی تکمیل ہوتی ہے۔[1]

آپ کی ولادت سے 7 ماہ قبل آپ کے والد عبد اللہ جوانی کے عالم میں انتقال کر گئے۔ وہ شام کے سفر سے واپس ہو رہے تھے۔ اپنی شادی کے بعد سفر پر نکلنے سے پہلے وہ اپنی زوجہ آمنہ بنت وہب کے ساتھ صرف تین دن ہی تھے۔ جب اللہ کے نبی 5 یا 6 سال کے تھے تب آپ کی والدہ آمنہ آپ کے سامنے فوت ہو گئیں۔ آپ ان کے ساتھ مدینہ میں اپنے والد کی قبر کی زیارت سے لوٹ رہے تھے۔ اس واقعے نے والد کی وفات کے گہرے صدمے کو دوبالا کر دیا۔

تقدیر اور حکمت الٰہی کا کرنا یہ ہوا کہ آپ کے دادا اور چچا کے علاوہ کوئی نہیں بچا۔ اپنی والدہ کی وفات سے قبل ساڑھے تین سال صحرا میں اپنی رضاعی ماں حلیمہ کے ساتھ گزارے تھے۔ بچوں کی جسمانی اور ذہنی طور پر بہتر نمائش کی خاطر اشراف عرب کے یہاں یہی رواج تھا۔

آپ نے اپنے والد کو نہیں دیکھا اور والدہ کے ساتھ بھی زیادہ نہیں رہ سکے۔ والدہ کی وفات کے بعد اپنے صاحب فضل و توقیر دادا عبد المطلب کے پاس چلے گئے جنہوں نے آپ سے خوب محبت کی اور آپ کی پرورش کی۔ انہوں نے آپ کا نام یہ کہہ کر محمد رکھا کہ وہ چاہتے ہیں کہ زمین و آسمان میں آپ کو سراہا جائے۔ ان کی دعا قبول ہوئی۔ پورے جزیرہ میں اس نام کا کوئی اور نہ تھا۔ لیکن آپ کے دادا جو آپ کے لیے بہت اہمیت رکھتے تھے اسّی سال کے ہو گئے تھے اور جلد ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کے بعد آپ اپنے چچا ابو طالب کی سرپرستی میں آ گئے۔

---

[1] المالکی، محمد الانسان الکامل، مرکز اہل السنۃ، گجرات، ہندوستان، 2001، ص 14

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یتیمی کاتب تقدیر کا ایک فیصلہ اور اس کے رسول کی پیہم خدائی تربیت کا ایک سبق تھی۔ اسی کے ساتھ یہ آپ کی ذہنی، اخلاقی اور علمی تشکیل کا ایک حصہ بھی تھی۔ جہاں ماں باپ سے محروم ہونے اور یتیمی کا آپ کی ذات پر ایک بچہ ہونے کی حیثیت سے بڑا اثر ہوا، وہیں بحیثیت انسان اور بحیثیت رسول محمد ﷺ کی زندگی پر اس کا بہت واضح اور مثبت اثر پڑا۔

آپ کے بچپن کے ان مشکل سالوں کی جھلک آپ کی قلبی شفافیت اور اعلیٰ درجہ کی انسانیت کی شکل میں ظاہر ہوئی اور آپ کا رتبہ دوبالا ہوا۔ آگے چل کر آپ نے فرمایا کہ یتیم کی پرورش کرنے والا میرے ساتھ جنت میں ہو گا۔

یہ ضروری ہے کہ انبیاء کی زندگی پر ان کی ولادت کے وقت سے ہی خوب توجہ دی گئی ہو اور پاکیزہ ہو تاکہ اپنی ذات میں موجود جوہر ربانی کی پاسبانی کر سکے۔ نوخیز محمد ایک متوازن، ایماندار اور سب کی پسندیدہ شخصیت کے طور پر پروان چڑھے۔ بت اور بت پرستانہ رسموں سے نفرت کی وجہ سے بچپن سے ہی ممتاز رہے۔ کبھی ان چیزوں کے قریب نہ پھٹکے۔ حدیث میں فرماتے ہیں: ”بخدا میں کبھی بتوں کے قریب نہیں گیا، پھر مجھے اللہ نے نبوت سے سرفراز کیا۔“

نفس کے صاف ستھرے اور دل کے پاک صاف پیدا ہوئے۔ جوانی کے لہو و لعب کو نہ جانا نہ کبھی اس کی طرف میلان رہا۔ نہ شراب پی جو کہ مکی سماج کی روایات کا حصہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خواہش نفس اور شیطان سے محفوظ رکھا۔ ولادت کے وقت سے ہی پوری طرح عصمت الٰہی حاصل رہی۔ آپ بشر ہیں لیکن آپ کے ابتدائی دور کا ہر قدم اس بات کا اشارہ دیتا ہے کہ آپ بعثت اور منصب نبوت و رسالت تفویض کیے جانے سے پہلے ہی تمام تر صفات نبوت سے متصف تھے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جوانی میں آپ قریش بلکہ عرب کی سطح پر ممتاز بنوہاشم کی دو اہم شخصیتوں کے ارد گرد پروان چڑھے۔ ایک حمزہ جنہوں نے آپ کو گھوڑ سواری اور اس کے آداب و فنون سکھائے۔ اور دوسرے عباس جنہوں نے آپ کو تجارت اور اس کے امور سے واقف کرایا۔ یہ دونوں آپ کے مایہ ناز چچا تھے۔ اللہ نے انہیں اسلام کی ہدایت دی، اس سے قبل بھی آپ ان کے لیے اہمیت رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ آپ کے صحابی ابو بکر صدیق بھی وفا اور عظمت انسانی کا پیکر بنے آپ کے ساتھ تھے۔

اسی طرح آپ کی رضاعی ماں حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس صحرا میں گزرے بچپن کا بھی آپ کی پختہ شخصیت کی تعمیر میں مثبت نفسیاتی اثر رہا، کیوں کہ صحرا خالص عربی اقدار و معرفت کا مخزن تھا۔ آپ نے اپنی فصیح عربی زبان کو اس کے اصلی چشموں سے پیا۔ آپ سب سے بہتر عربی بولتے تھے۔

آپ نے عملی زندگی کی شروعات بکری چرا کر کی۔ یہ بہت دشوار گزار کام ہے، خاص طور سے مکہ کے صحراؤں میں اور اس کے تپتے ہوئے سورج کے تلے۔ وہاں پر یہ کام وہی شخص کرتا ہے جس کے پاس کوئی اور چارہ نہ ہو۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ انبیا کا پیشہ رہا ہے کہ زندگی کی شروعات بھیڑ بکریوں کی دیکھ ریکھ سے کرتے اور خلائق کی دیکھ ریکھ پر ختم کرتے[1]۔ یہ بھی اخلاقی تربیت اور فضائل کا ایک پیشہ ہے۔

اس تجربے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ انسان کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرتا ہے، قوت برداشت اور صبر کو مضبوط کرتا ہے، اسی طرح غور و فکر کی صلاحیت، صفائے ذہن اور فطرت کی پاکیزگی میں اضافہ کرتا ہے۔ اپنی جوانی میں آپ تجارت کرنے لگے جو آپ نے اپنے چچا عباس سے سیکھی تھی اور آپ کا نام مکہ کے طبقۂ امرا و اشراف میں اوصاف

---

[1] دویدار، امین، صور من حیاۃ الرسول، ج1، دار المعارف، القاہرہ، 1987، ص119

حمیدہ اور مکارم اخلاق کے ساتھ ابھرا۔ صدق و امانت میں ہمیشہ بلند اقدار رہے اور "صادق و امین" کے طور پر مشہور ہوئے۔

بعثت سے قبل قریش کے بیچ آپ کی اخلاقی حیثیت پر قصہَ حجر اسود ایک اہم دلیل ہے۔ مذکور ہے کہ خانہَ کعبہ کے ستون پھٹنے لگے تو قریش نے اسے از سر نو تعمیر کیا۔ لیکن جب حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کی باری آئی تو لوگوں میں اس بات کو لے کر اختلاف ہو گیا کہ اسے رکھنے کا شرف کسے حاصل ہو، کیوں کہ مشرکین کے دلوں میں بھی حجر اسود کو بڑا مقدس مقام حاصل تھا۔

جب اختلاف بہت بڑھ گیا تو اخیر میں اس بات پر اتفاق ہوا کہ اس کا فیصلہ وہ شخص کرے گا جو ان لوگوں کی موجودگی میں سب سے پہلے مسجد کے دروازے سے داخل ہو گا۔ جب وہ انتظار کر رہے تھے تو محمد ﷺ تشریف لائے۔ انہیں دیکھ کر لوگ خوش ہو گئے اور بولے کہ یہ صادق و امین ہیں۔ ہم ان کے فیصل ہونے پر متفق ہیں۔

جب لوگوں نے اختلاف کی وجہ بتائی تو آپ نے اپنی چادر زمین پر پھیلا دی اور حجر اسود اس کے بیچ میں رکھ دیا اور ہر قبیلے سے کہا کہ وہ چادر کے ایک کنارے کو پکڑ لیں تاکہ سارے فریق کو اس کے اٹھانے کا شرف حاصل ہو جائے۔ جب پتھر اس کی جگہ تک اٹھا لیا گیا تو نبی اکرم نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا اور دیوار کعبہ پر اس کی جگہ میں نصب کر دیا۔ اس طرح آپ نے اہالیان مکہ کو ایک اجتماعی اختلاف اور کشیدگی سے بچا لیا۔

اس رمزیہ واقعہ سے دو باتوں کا پتہ لگتا ہے۔ ایک تو قریش کے بیچ رسول اکرم کا اعلیٰ اخلاقی مقام و مرتبہ اور دوسری بات پتھر کو اٹھانے میں سب کو شریک کر کے اختلاف حل کرنے میں آپ کی حاضر ذہنی۔

پھر اخلاق حمیدہ سے مزین آپ کی تقدیر آپ کو حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس کام کے لیے لے گئی۔ یہ وہ صاحب فضل خاتون ہیں جو قریش کے شرفاء اور اصحاب

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ثروت کی نسل سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کو حضرت محمد ﷺ کی صداقت و امانت کے بارے میں پتہ لگا تو آپ کو اپنے پاس کام کے لیے بلایا۔ شام کے پہلے سفر میں بصری کے علاقے میں آپ کی ملاقات "نسطوریوس" نامی ایک زاہد سے ہوئی جو تاریخ اسلامی میں مشہور زاہد بحیرا کا قائم مقام تھا۔

نسطوریوس نے آپ کو وہ بات بتائی جو اسے بحیرا نے بتائی تھی۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی عنایت اور نظر کرم کے لیے کسی خاص دین یا قوم کو منتخب نہیں کرتا اور یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کے سارے مذاہب میں سے منتخب فرما رکھا ہے محض دعویٰ اور تکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت دنیا کی ساری امتوں پر نازل فرماتا ہے، چاہے وہ یہودی ہوں یا غیر یہودی۔ آپ کو یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ اہل عرب میں سے ایک نبی بھیجے گا جو ان کے بہت سے معتقدات کو بدل دے گا۔[1]

اس پہلے تجارتی سفر سے لوٹنے کے بعد خدیجہ سے ان کے خادم نے جو سفر میں حضرت محمد ﷺ کے ساتھ تھا آپ کی شخصیت کے متعلق اپنا تاثر بیان کیا۔ وہ آپ کے امتیازی اخلاق، غیر معمولی تواضع اور دوسروں کے احترام سے بہت متاثر تھا۔ اس کی باتیں محض اس بات کی تائید تھی جو آپ کے بارے میں مشہور تھی۔ اس بات سے عظیم خاتون کے دل میں آپ کی محبت پیدا ہو گئی۔

دوسرے سفر سے واپسی پر اپنی پہلی ملاقات میں انہوں نے آپ کے سامنے شادی کی پیش کش رکھی اور اس بات کی جانب اشارہ کیا کہ اس فیصلے کے لیے محرک آپ کے اخلاق حمیدہ ہیں۔ یہ واضح رہے کہ اس سے پہلے حضرت خدیجہ نے مکہ کی کئی بڑی شخصیات کے پیغامات کو ٹھکرا دیا تھا۔

---

[1] جورجیو، مرجع سابق، ص43

دوسری طرف آپ حضرت خدیجہ کے سماجی مقام و مرتبے کو جانتے تھے۔ وہ شرافت اور پاکیزگی نفس کے لیے مشہور تھیں۔ چنانچہ آپ کو اس پیش کش کے قبول کرنے میں تردد نہیں ہوا، حالاں کہ وہ بیوہ تھیں اور آپ سے عمر میں 15 سال بڑی تھیں۔ لیکن ایمان والے کہتے ہیں کہ شادی کے فیصلے آسمان میں طے ہوتے ہیں۔ آپ کی شادی ہو گئی۔ آپ 25 سال کے تھے اور خدیجہ 40 سال کی تھیں۔

اپنی شادی کے 15 سال رسول اللہ ﷺ نے بہترین عائلی زندگی گزاری۔ حضرت خدیجہ نے آپ کو خاندانی گرم جوشی، سکون اور ہر وہ چیز جس سے آپ اپنے بچپن اور جوانی میں محروم رہے تھے فراہم کی۔ ان سے آپ کو 6 بچے ہوئے، 4 بیٹیاں اور 2 بیٹے۔ دونوں بیٹے دودھ پینے کی عمر میں ہی فوت ہو گئے۔ بیٹیاں رہ گئیں۔ رقیہ، ام کلثوم، زینب اور فاطمہ۔ فاطمہ کو اسلامی تاریخ میں بڑا مرتبہ حاصل ہوا۔

اس واقعے میں جو چیز قابل توجہ لگتی ہے وہ ہے عصر جاہلی میں عورت کی سماجی حیثیت۔ جہاں عورت کو عرب کے نزدیک بلند سماجی و اخلاقی مقام اور ضروری احترام حاصل تھا، وہیں عملی زندگی میں بھی قریب قریب آزاد تھی۔ تجارت کرتی تھی اور مرد تاجروں کے ساتھ تجارتی معاملات رکھتی تھی۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ عورت اپنے لیے خاوند پسند کرتی تھی، اسے پیغام دیتی تھی۔ ہو سکتا ہے عام خواتین کو یہ مرتبہ اور حقوق حاصل نہ رہے ہوں۔ خیر جو بھی ہو، ہم مدنی زندگی میں ملاحظہ کریں گے کہ اسلام عورتوں کو وہ حقوق عطا کرتا ہے جو انہیں پہلے کبھی حاصل نہ تھے، خاص کر وراثت کے حقوق۔ انہیں پورے طور سے مادی حقوق عطا کرتا ہے اور ان کے سماجی مقام کو بلند کرتا ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

رسول کا اپنے رب کے ساتھ وعدہ تھا۔ سیرت کریمہ میں غور و خوض کرنے والا شخص آپ کے خاندان، ولادت، بچپن، جوانی اور حضرت خدیجہ سے شادی، غرض آپ کی زندگی کے ہر مرحلے میں یہ پاتا ہے کہ آپ بالکل واضح طور پر ربانی زندگی گزار رہے تھے۔ اور آپ کی زندگی کے ہر ہر قدم پر خاص توجہ الہی تھی۔ سورہ والضحی آئندہ صفحات میں اس بات کی تاکید کرے گی۔

غار حرا میں آپ کی خلوت نشینی آسمان تک آپ کے دل کے معراج کی ابتدا تھی۔ آپ کی یہ خلوت مکہ سے کئی میل دور پہاڑ کی چوٹی پر واقع غار میں اعتکاف، ذکر الہی اور تقرب الہی کی غرض سے تھی۔ آپ نے ہر سال رمضان کا مہینہ خاص کر رکھا تھا جس میں وہاں اپنے رب کے ساتھ روحانی خلوت نشینی کی غرض سے جاتے۔ آپ کے ایمان ابراہیمی نے آپ کے خالق سے آپ کا رشتہ استوار کر دیا تھا۔ چنانچہ پورے ماہ مسلسل اللہ کا ذکر کرتے تو آپ کا دل انوار الہی کے ظہور کے لیے پاکیزہ ہو جاتا۔ کہا گیا ہے کہ خلوت کا مطلب ہی ہوتا ہے چنندہ لوگوں کی پاکیزگی کا موقع و محل۔[1]

غار تک پہنچنے میں پیادہ چلتے اور پہاڑ پر چڑھتے ہوئے ایک گھنٹہ یا اس سے بھی زیادہ لگتا تھا۔ جب روغن اور سوکھی روٹی یا کھجور پر مشتمل آپ کا مختصر توشہ ختم ہوتا تو پھر سے توشہ لینے کے لیے وہاں سے اترتے اور پھر واپس خلوت میں چلے جاتے۔ اس سے اس روحانی ریاضت کے تئیں آپ کے غایت اہتمام کا پتہ چلتا ہے۔ کبھی کبھی خود حضرت خدیجہ معمولی غذا اور پانی کے ساتھ وہاں پہنچ جاتیں تاکہ آپ کو اترنے کی زحمت نہ ہو اور خلوت چھوڑنے کی نوبت نہ آئے۔

---

[1] الحلبی، نور الدین علی ابن ابراہیم، السیرۃ الحلبیۃ، ج1، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2013، ص338-339

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دنیا اور اہل دنیا سے دور دو مربع میٹر کے اس چھوٹے سے وحشت ناک غار میں آپ کو اپنے خالق سے روحانی تعلق کے ساتھ ساتھ ایک روحانی کیفیت کا احساس ہوتا جو آپ کو ذکر و فکر جاری رکھنے کے لیے آمادہ کرتی۔

قریب پانچ سال آپ خلوت میں رہے۔ اس طرح خلوت آپ کی روحانی عبادت کا حصہ ہو گئی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کی اخلاقی بلندی، روحانی پاکیزگی، شرک سے نفرت، ایمان ابراہیمی اور علاحدگی پسندی نے آپ کے تعلق سے مکہ میں ایک خاص ماحول پیدا کر دیا اور اہل مکہ کہنے لگے کہ محمد کو اپنے رب سے عشق ہو گیا ہے۔

وہ اس بات میں سچے تھے، کیوں کہ اگر آپ کا یہ عمل حب الٰہی اور اندرونی الہامی آواز کی وجہ سے نہ ہوتا تو آپ لمبی خلوت نشینی، اس کی صعوبتیں اور اپنے اہل خانہ سے دوری قطعاً برداشت نہ کرتے۔ ممکن ہے آج کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں خلوت نشینی ڈال دی تھی تاکہ آپ کو منصب رسالت کی ذمہ داری کے لیے ذہنی اور قلبی طور پر تیار کرے۔ اگر یہ بات مان لی جائے تو ایسی صورت میں خلوت نشینی اس عظیم خدائی فیصلے کے لیے روحانی تیاری کا بنیادی جز تھی۔

امین دویدار اپنی کتاب "صور من حیاۃ الرسول" میں لکھتے ہیں کہ محمد ﷺ اپنے ہم عصر یا پیش رو عرب احناف (دین ابراہیمی کے پیروکار) کے مقلد نہ تھے، بلکہ یہ انہیں اللہ کی جانب سے الہام ہوا تھا۔[1] یہ ان کے پاکیزہ دل پر نور نبوت کے طلوع ہونے کی تیاری کے لیے تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کی خلوت نشینی کی عادت بعثت کے بعد بھی جاری رہی اور آپ کی مقدس زندگی کا ایک حصہ بن گئی۔ خلوت نشینی رسول کی سنت ہے جو آج مسلمانوں کے یہاں مفقود ہے۔

---

[1] دویدار، ج1، مرجع سابق، ص191

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

محمد ﷺ اللہ کی طرف دل سے رجوع ہوئے اور دل وجان سے اس کے ہو گئے۔ جب آپ کا دل پورے طور سے صاف ہو گیا تو اللہ کے ساتھ کامل تعلق استوار ہو گیا۔ اب آپ کو خواب آنے لگے۔ چنانچہ جو کچھ خواب میں دیکھتے، اگلے دن ویسا سچ مچ ہو جاتا۔ لگتا ہے کہ وہ خواب بھی وحی کے لیے آپ کی روحانی تیاری کا حصہ تھے۔ اور یہ ابتدائی کرامات میں سے ہیں۔ مذکور ہے کہ الہامات تسلسل کے ساتھ ہوتے تھے اور نزول رسالت سے قبل چھ ماہ مسلسل ہوتے رہے۔

طلوع محمدی

طلوع محمدی انسانیت کی صبح نو ہے۔ جب آپ چالیس سال کی عمر کو پہنچ گئے تو سنہ 610 عیسوی کے رمضان کی شب قدر میں جب پورے دن کی عبادت اور ذکر واذکار کے بعد حسب عادت سو گئے تو آپ کے پاس جبریئل آئے، آپ کو بیدار کیا اور عرض گزار ہوئے:

'اقرأ'، پڑھیے! آپ نے جواب دیا، میں پڑھا ہوا نہیں۔ جبریل نے پھر کہا، پڑھیے! آپ نے جواب دیا، میں پڑھا ہوا نہیں۔ پڑھیے، آپ نے جواب دیا میں پڑھا ہوا نہیں۔ اب جبریل بولے: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (1) خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ (2) اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (3) الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (4) عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (5)﴾ (پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون کی پھٹک سے بنایا۔ پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔ انسان کو سکھایا جو اسے معلوم نہ تھا)۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ پڑھا اور جبریل چلے گئے۔ ایسا لگا کہ آیتیں میرے دل پر نقش ہو گئیں۔ قرآن کریم کی یہی شان ہے۔

نزول وحی کے بعد محمد ﷺ پہاڑ سے اتر کر سیدھا اپنی زوجہ خدیجہ کے پاس گئے، آپ اس واقعہ سے گھبرائے اور ڈرے ہوئے تھے۔ کیوں کہ یہ عام واقعہ نہیں تھا۔ آپ نے

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہ واقعہ انہیں بتایا۔ انہوں نے آپ پر پریشانی اور خوف کے آثار دیکھے اور چونکہ وہ دین حنیف پر ایمان رکھتی تھیں اور اللہ پر ان کا گہرا یقین و ایمان تھا اور گویا انہیں اس طرح کے کسی واقعہ کی توقع تھی، اس لیے خوشی سے ان کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔

یہ کوئی عام خبر نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے شوہر کو نبی و رسول منتخب کیا تھا اور انسانیت کے لیے رحمت و مغفرت کا پیغام سونپا تھا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو اطمینان دلایا اور مومنانہ یقین کے ساتھ جواب دیا کہ اللہ کی پناہ، وہ کبھی آپ کو رسوا نہ کرے گا۔ بخدا آپ امانت داری کرتے ہیں، ضرورت مند کی مدد کرتے ہیں، مظلوم کا ساتھ دیتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں۔

حضرت خدیجہ کو یہ مومنانہ یقین تھا کہ نیک، امانت دار، راست گو شخص جو اللہ کی محبوب صفات سے متصف ہے، اسے اللہ کی جانب سے کوئی ناگوار چیز نہیں پہنچے گی۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ انہیں نیک عمل کے نتائج کا علم تھا۔

یہاں پر بھی حضرت خدیجہ سے نبی اکرم کے تعلق اور آپ کی زندگی میں قبل رسالت اور بعد رسالت آپ کے اہم کردار کا پتہ چلتا ہے۔ وہ آپ کی ہی طرح دین ابراہیم پر ایمان رکھتی تھیں۔ عقل و حکمت سے آراستہ تھیں اور سب سے پہلے ایمان لائیں۔[1]

---

[1] نبی اکرم ﷺ اپنی زوجہ سے بہت محبت کرتے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے۔ آپ نے ان کے بارے میں ایک بار فرمایا: "حضرت مریم بنت عمران اپنے زمانے کی سب سے بہتر خاتون تھیں اور خدیجہ بنت خویلد بھی اپنے عہد کی سب سے بہتر خاتون تھیں"۔ یعنی اللہ کے نزدیک مقام و مرتبہ کے معاملے میں آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں حضرت مریم اور حضرت خدیجہ کو یکساں قرار دیا۔ حضرت خدیجہ کو صرف نبی اکرم ﷺ کے دل میں ایک خاص مقام نہیں حاصل تھا، بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نزدیک بھی ایک بلند مقام حاصل تھا۔ چنانچہ ایک بار جبریل نبی اکرم ﷺ کے پاس پیغام لے کر آئے اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جب انہوں نے وہ سب سنا جو جبریل لے کر آئے تھے تو آپ سے کہا کہ خوش خبری ہے میرے چچا کے بیٹے! قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں خدیجہ کی جان ہے، مجھے امید ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔ اور اس بات کی تحقیق کے لیے وہ آپ کے ساتھ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ وہ دین ابراہیم پر عمل پیرا تھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ نصرانی تھے، لیکن علم و حکمت اور معرفت سے بہرہ ور تھے اور جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے، کتب مقدسہ توریت وانجیل کا علم رکھتے تھے۔ حضرت خدیجہ کو اس بات یقین تھا کہ ان کے پاس اس عظیم آسمانی واقعہ کی صحیح تفسیر ہوگی۔ انہوں نے ورقہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے چچا کے بیٹے! آپ کے بھتیجے کے ساتھ جو پیش آیا ہے وہ سنیں۔ آپ نے انہیں سب کچھ بتایا۔ ورقہ کو بلا تردد کے اس حقیقت کا ادراک ہو گیا جس سے اللہ نے محمد ﷺ کو نوازا تھا۔ انہوں نے آپ سے کہا کہ "قسم اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یقیناً آپ اس امت کے نبی ہیں اور آپ کے پاس اللہ کی شریعت آگئی ہے جو موسیٰ کے پاس آئی تھی۔ "پھر کہا" لیکن آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے گی، آپ کو تکلیف دے گی اور دربدر کر دے گی"۔ آگے یہ بھی کہا کہ "کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کو لوگ دربدر کریں گے۔" آپ نے پوچھا "کیا وہ لوگ مجھے دربدر کر دیں گے؟" ورقہ نے کہا، "ہاں! آپ جیسا پیغام لے کر جو بھی آیا اسے تکلیف دی گئی۔ اگر میری عمر دراز ہوئی اور اس دن تک زندہ رہا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔"[1] یہ ایک مومن کی شہادت تھی، چاہے وہ دین ابراہیم کے ماننے والے رہے ہوں یا نصرانی ہوں، لیکن انہیں آسمانی پیغامات اور انبیاء و رسل کے واقعات کی معرفت تھی۔

آپ پر سلامتی بھیجتا ہے اور حضرت خدیجہ پر سلامتی بھیجتا ہے اور ان کے لیے خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت میں ایک گھر بنایا ہے۔ حضرت خدیجہ نے جواب دیا کہ اللہ عزوجل سلام ہے، آپ کو سلام اور جبریل امین کو سلام!

[1] الندوی، مرجع سابق، ص 110

آیت 'اقرأ' علم و حکمت، خیر اور آسمانی انوار کے لیے کنجی تھی جن سے انسانیت کی صبح نو طلوع ہونی تھی۔ قرآن کے پہلے سبق کا آغاز علم و معرفت کے ذریعہ انسان کے قلوب و اذہان سے تاریکی اور جہالت دور کرنے کے حکم الٰہی سے ہوا۔ پڑھیں تا کہ علم حاصل کر سکیں اور ﴿وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا﴾ (الأحزاب: 46) اللہ کے حکم سے اس کے داعی اور جگمگاتے سورج بن سکیں۔ پڑھیں تا کہ انسانیت کے دلوں کو روشن کرنے والے چراغ بن سکیں۔

اللہ، اس کی تجلیات و مخلوقات اور ایمان و توحید کی معرفت علم اور معرفت روحانی کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی، کیوں کہ نور اور ظلمت برابر نہیں ہو سکتے۔ البتہ صرف علم سے معرفت الٰہی مکمل نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے لیے حکمت سے ستھرا کیا ہوا علم درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (269)﴾

ترجمہ: اللہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی اسے بہت بھلائی ملی۔

اور جب حکمت عقل کا اعلیٰ ترین درجہ ہے تو ہمیں غور کرنا چاہیے کہ اسلام میں عقل کا کتنا اہم مرتبہ ہے۔ حکمت علم سے بے بہرہ اور تاریک عقل کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

رسول کو نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے کو نہیں کہا گیا، بلکہ پڑھنے کو کہا گیا۔ 'اقرأ' کے ذریعہ اللہ نے سب سے پہلے جس کو مخاطب کیا وہ براہ راست عقل انسانی ہے، لیکن کچھ بھی پڑھنے کو نہیں کہا گیا، بلکہ آسمانی علوم پڑھنے کو کہا گیا۔ "پڑھیں اور آپ کا رب سب سے بڑا کریم ہے جس نے پیدا کیا اور علم سکھایا"۔ یہ آیت تخلیق، انسان اور علم کو جوڑتی ہے اور یہ کلمات معنیٰ وجود اور اس کی حقیقت کی بنیاد تشکیل دیتے ہیں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہاں! رسول کریم علوم اہل دنیا کے معاملے میں امی تھے، لیکن علوم آسمانی کے عالم تھے۔ اور علوم آسمانی زیادہ عظیم اور بلند رتبہ ہیں۔ حکمت الٰہی کا تقاضہ ہوا کہ آپ امی رہیں، تاکہ اپنی طرف سے کوئی بات نہ کریں۔ صرف ان علوم ربانی کی باتیں کریں جو آپ پر ایک طے شدہ منصوبے اور اندازے کے مطابق اللہ کی جانب سے وحی ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ سے فرماتا ہے: ﴿وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾ (النساء: 113) (اور اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور تمہیں سکھادیا جو کچھ نہیں جانتے تھے، اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھادیا جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر علوم، حکمت اور اخلاق ربانی کا فیضان کردیا۔ یہ علوم انبیاء کے ساتھ خاص ہوتے ہیں۔ غار حرا سے نبی اکرم کی تعلیم براہ راست اللہ تعالیٰ کے ذریعہ شروع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ خود آپ کا معلم و مربی تھا۔ آپ کی تربیت کا بھی ذمہ خود اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے لے رکھا تھا۔ پھر شیخ احمد کفتارو کے لفظوں میں وہ طالب علم کیسا ہوگا جس کا معلم خود خالق کون و مکاں ہو اور اس کی تربیت اور اخلاق کیسے ہوں گے جسے خود خالق ہستی نے تربیت بخشی ہو۔ اللہ کے نبی فرماتے ہیں "أدبني ربي فأحسن تأديبي"، یعنی میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور بہتر ڈھنگ سے ادب سکھایا۔

روح الامین جبریل علیہ السلام آسمانی اسباق لے کر آپ کے پاس آتے اور ان کی تطبیق کے سلسلے میں رہنمائی فرماتے۔ ہم یہاں نبی اکرم ﷺ کے متعلق ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث ذکر کرتے ہیں جو وہ حضرت جبریل سے روایت کرتی ہیں۔ جبریل فرماتے ہیں کہ میں نے پورے روئے زمین کو چھان مارا لیکن محمد ﷺ سے بہتر کسی کو نہ پایا اور نہ ہی بنوہاشم سے بہتر کوئی قبیلہ دیکھا[1]۔

---

[1] المالکی، محمد الانسان الکامل، مرجع سابق، ص 13

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اللہ کے تمام انبیاء کو خاص ان کی قوم کے لوگوں سے متعلق علم و حکمت عطا کی گئی۔ لیکن قرآن وہ واحد علم الٰہی ہے جو نبی اکرم پر نازل ہوا وہ صرف عرب کے لیے نہیں ہے، بلکہ سارے جہان کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بنی آدم کو اعزاز بخشا۔ اللہ کے رسول جو سورتیں اور قرآنی آیتیں پڑھتے ہیں وہ علم، شریعت اور احکام الٰہی کا جامہ پہن لیتے ہیں اور جو کچھ کرتے یا کہتے ہیں انہیں روشن سنتوں کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے، جن پر عمل کر کے کوئی گمراہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو انہیں سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (الأحزاب: 21) یعنی تمہارے لیے رسول کی زندگی بہترین نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو خوب یاد کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ نازل ہونے کے بعد سورتیں محمد ﷺ کے دل میں نقش ہوجاتیں، جیسے کسی کتاب محفوظ میں ہوں۔ انہیں وہ کبھی نہیں بھولتے اور اس طرح پورا قرآن ان کے دل میں نقش ہو گیا۔ رسول اکرم نے سارے علوم قرآن کریم سے سیکھے۔ کیوں کہ وہ آخری آسمانی پیغام ہونے کے ساتھ ساتھ روئے زمین پر پائی جانے والی سب سے اہم علمی کتاب بھی ہے۔ جیسے جیسے انسانی عقل اور علم ترقی کرتے جارہے ہیں، اس کے اسرار و رموز ظاہر ہوتے جارہے ہیں۔

علوم آسمانی کے طفیل اللہ کے رسول علوم و معارف اور انوار کے لبالب نہر کی مانند ہوجاتے ہیں۔ مسلمانوں کے معلم، مربی، عالم، حکیم، بے مثال قائد اور حاکم ہوجاتے ہیں اور اپنی امت کو بت پرستی اور جہالت کے غاروں سے نکال کر علم و ایمان کی کھلی فضاؤں میں لے جاتے ہیں اور عظیم الشان انسانی و اسلامی تہذیب کی مضبوط بنیاد رکھتے ہیں۔

رسول کی زندگی قول و عمل کے اعتبار سے جیتی جاگتی قرآنی آیات بن جاتی ہے۔ جو وحی الٰہی سے ہٹ کر کچھ بولتے نہیں، ان کی زندگی یقیناً ان کے رب کی کتاب کی عملی

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

صورت ہوگی۔ جب حضرت عائشہ سے آپ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس بات کی تاکید کی۔ فرمایا "کان خلقه القرآن"، یعنی آپ کا اخلاق قرآن تھا۔ ایک مشہور مثل ہے کہ کائنات ایک خاموش قرآن ہے، قرآن ایک بولتی ہوئی کائنات ہے اور رسول زمین پر چلتے ہوئے قرآن ہیں۔

جب وحی نازل ہوئی اور اپنے رب کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کا روحانی تعلق استوار ہو گیا تو آپ نے اس سے وہ اعلیٰ صفات حاصل کیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوی صفات کی تکمیل اور منصب رسالت کی ذمہ داری کے قابل بنانے کے لیے آپ کو عطا کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر بلند ترین فضائل اور ربانی صفات کا فیضان کیا تو آپ کا دامن علم، حکمت، رحمت، صبر، حلم، سخاوت، رواداری، عفو اور قوت ارادی سے بھر گیا اور آپ علم و حکمت کے گلستاں ہو گئے۔

اخلاق محمدی ان ضروری سنتوں میں سے ہو گئے جن کا لفظاً و معنیً التزام ہر ذی شعور مسلم ذہن کے لیے ضروری ہے، کیوں کہ اس کے بغیر روشن دل و دماغ والا مومن ہونا ممکن نہیں۔ اخلاق محمدیہ پر کاربند ہونے سے قلب مومن کو غذائیت ملتی ہے اور اس کا ایمان گہرا ہوتا ہے۔ اور اسی لیے یہ دین کا جوہر، یعنی عبادات کی روح ہے۔ اللہ کے نزدیک اخلاق محمدی کے بغیر عبادت کی کیا قدر و قیمت ہوگی؟

سورۃ اقرأ کے نزول کے بعد قریب چالیس دن، اور ایک روایت کے مطابق چھ ماہ تک وحی نہیں آئی۔ ہمیں پتہ ہے کہ یہ حکمت الٰہی کے سبب تھا، لیکن اس کا نبی اکرم پر بہت بڑا اثر پڑا۔ کیوں کہ اللہ کے ساتھ راست تعلق نہ ہو پانا عام بات نہیں تھی، خاص کر جب یہ آپ کو اللہ کا رسول ہونے کی بشارت کے معاً بعد ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے آپ کے دل میں خوف اور اپنے تئیں شک پیدا ہو گیا تھا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کبھی آپ سوچتے ہوئے مکہ کی پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں چلے جاتے اور اپنے آپ میں کسی ایسی چیز کی تلاش میں رہتے جو آپ کا خوف اور شک دور کر دے۔ سیرت کی کتابوں میں ذکر ہے کہ نزول رسالت سے پہلے بھی بعض چٹان اور درخت آپ کو "السلام علیک یا رسول اللہ" (اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو) کے کلمات کے ساتھ سلام کرتے۔ شروع میں اس سے آپ کے خدشات بڑھ جاتے۔

مگر حضرت خدیجہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہیں۔ وہ آپ کا ڈھارس بندھاتیں اور ڈر کم کرتیں۔ جلد ہی اللہ تعالیٰ آپ پر سورہ الضحیٰ نازل فرماتا ہے، تاکہ آپ کے شکوک دور ہوں اور اس بات کا یقین ہو جائے کہ توجہ الٰہی آپ سے پلک جھپکنے کی مدت کے لیے بھی دور نہیں۔ یہ سورہ آپ کو یاد دلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی کے ہر مرحلے میں آپ کے ساتھ ہے۔

﴿وَالضُّحَىٰ (1) وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ (2) مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ (3) وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ (4) وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (5) أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ (6) وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (7) وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ (8) فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ (9) وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (10) وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (11)﴾

ترجمہ: چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے! تمہارے رب نے تمہیں نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔ بے شک پچھلی گھڑی تمہارے لیے پہلی سے بہتر ہے۔ عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی۔ تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔ تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا۔ یتیم پر دباؤ نہ ڈالو، مانگنے والے کو نہ جھڑکو اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

ایک دن جب آپ مکہ کی پہاڑیوں میں ٹہل رہے تھے تو آپ نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ دیکھا کہ جو فرشتہ آپ کے پاس غار حرا میں آیا تھا وہ زمین و آسمان کے بیچ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بیٹھا ہوا ہے۔ محمد ﷺ آسمان میں جہاں کہیں بھی نظر دوڑاتے، فرشتے کو بیٹھا ہوا پاتے، جیسے اس نے آسمان کو ڈھانپ رکھا ہو۔ فرشتے نے آپ سے کہا کہ "میں جبریل ہوں اور آپ اللہ کے رسول ہیں"۔ اس سے محمد ﷺ کو کچھ خوف لاحق ہوا، گویا پہلے پہل آپ کو لگا ہی نہیں کہ وہ آپ کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ ہے۔

آپ کانپتے ہوئے جلدی سے گھر آئے اور بار بار کہہ رہے تھے کہ مجھے کپڑے اوڑھاؤ۔ حضرت خدیجہ نے آپ کو کپڑے اوڑھائے اور آپ کے ایک طرف بیٹھ گئیں۔ جب آپ اپنے بستر پر چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے تو جبریل اللہ کا دوسرا حکم لے کر آئے۔

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (1) قُمْ فَأَنذِرْ (2) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (3) وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (4) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (5) وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ (6) وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (7)﴾ (المدثر: 1-7)

ترجمہ: اے چادر اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ اور ڈرسناؤ۔ اپنے رب ہی کی بڑائی بولو۔ اپنے کپڑے پاک رکھو۔ بتوں سے دور رہو۔ زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو۔ اور اپنے رب کے لیے صبر کیے رہو۔

جب سورہ مدثر نازل ہو گئی اور اپنے رب کے نام سے پڑھنے کا حکم آ گیا اور آپ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے، آپ کو چھوڑا نہیں یا بھلایا نہیں ہے، تو اس کے علاوہ کچھ باقی نہ رہا کہ رسالت کی پہلی ذمہ داری پوری کریں اور اپنی قوم کو ڈرسنائیں۔ اس کے بعد آپ کے پاس پے درپے آسمانی پیغامات آنے لگے اور آپ کے دل میں محفوظ ہونے لگے۔ اب آپ کی ذمہ داری تھی کہ انسانیت کی خاطر جو کام آپ کے ذمہ سونپا گیا ہے اس کی بجا آوری کریں اور اللہ کے حکم کے مطابق رسالت کی ذمہ داری سنبھالیں۔ شروع میں آپ کے لیے اللہ کا حکم تھا کہ اپنی قوم کے قریبی لوگوں کو اللہ کی دعوت دیں اور اس کی راہ دکھائیں، انہیں نزول رسالت کی خوش خبری سنائیں، اللہ کی راہ دکھائیں، امر الٰہی کے معاملے

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

میں صبر کریں، کیوں کہ آسمانی امور کے اپنے اوقات اور پیمانے ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کی ہی ذات ہے جو وقت متعین کرتی ہے اور اپنی حکمت سے نبی کے قدم کو لغزش سے بچاتی ہے۔

اس طرح آپ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت دی۔ سب سے پہلے حضرت خدیجہ کا دل آیت اقرأ سے منور ہوا اور پہلی مسلمان اور اللہ کی اول مقرب بندی ہوئیں۔ ان کا پاکیزہ دل دعوت کے لیے تیار تھا اور شوق سے انتظار کر رہا تھا۔ ان کے بعد ایک ایک کر کے وہ لوگ آتے گئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے منتخب محمدی نورانی قافلے کی داغ بیل ڈالنے کے لیے چن لیا تھا۔ وہ قافلہ کہ رسول اللہ جس کی تعلیم و تربیت کرتے ہیں اور جس کی قیادت کرتے ہیں تاکہ انسانیت کے لیے خیر و رحمت کے پیغام کو آگے لے جاسکے۔ وہ قافلہ اپنے متعینہ خطوط پر جگمگاتے سورج کی روشنی میں چلتا جاتا ہے۔

جس طرح جبریل علیہ السلام نے آپ کو وضو، نماز اور دعا کا طریقہ سکھایا، رسول اللہ نے اپنی شریک حیات کو سکھایا اور دونوں ایک ساتھ صبح و شام دو دو رکعت نماز پڑھنے لگے۔ دس سال بعد اسراء کے سفر میں معراج سے پہلے تک جس میں نماز پنج گانہ فرض کی گئی، ایسا ہی چلتا رہا۔ چنانچہ آیات تحریم (شراب کی حرمت) کی طرح نمازیں بھی بتدریج فرض کی گئیں۔

ایک شام جب وہ دونوں نماز پڑھ رہے تھے، ان کے پاس علی آئے۔ تب ان کی عمر آٹھ یا دس سال تھی۔ رسول اللہ نے ان کو اپنے ساتھ رہنے کے لیے رکھ لیا تھا۔ جب یہ دونوں نماز سے فارغ ہوئے تو علی نے پوچھا کہ آپ لوگ کس کو سجدہ کرتے ہیں؟ رسول اللہ نے جواب دیا کہ ہم اپنے رب کو سجدہ کرتے ہیں جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا اور مجھے لوگوں کو اپنی طرف بلانے کا حکم دیا۔ علی ابن ابی طالب مسلمان ہو گئے جبکہ وہ ابھی نوخیز ہی تھے۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کو بے انتہا اعزاز سے نوازا۔ سب سے معزز گھرانے میں زندگی گزارنے کا شرف بخشا اور خود رسول نے ان کی

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سنبھالی۔ انہوں نے انوار الہی کے اصلی چشموں سے براہ راست فیض حاصل کیا اور صحابہ میں سب سے زیادہ علم، معرفت اور حکمت والے ہو گئے اور رسول کے ساتھ ان کا وہ مرتبہ ہو گیا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام کا تھا۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ زاہد، صوفی، صاحب حکمت اور بلیغ شاعر ہو گئے اور تاریخ اسلامی کے ایک بہادر ترین گھوڑ سوار ہوئے۔ اللہ کے نبی کے داماد اور حسنین کریمین علیہما الصلوٰۃ والسلام کے والد ہوئے۔

ان کے بعد رسول اللہ کے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ اسلام لائے۔ ان سب کے بعد نبیل اسلام، رسول کے سفر و حضر کے ساتھی اور پہلے خلیفہ راشد ابو بکر صدیق اسلام لائے۔ چوں کہ ابو بکر مکہ کے معزز افراد میں سے تھے، لہذا ان کی سماجی حیثیت کے سبب قریش کے کچھ چنندہ جوان اسلام لے آئے۔ ان میں تیسرے خلیفہ راشد عثمان بن عفان، سعد بن ابی وقاص، عبد الرحمن بن عوف، ابو حذیفہ بن عتبہ، مصعب بن عمیر وغیرہ عظیم اسلامی تاریخ ساز افراد تھے۔

سیرت ابن ہشام کے مطابق جو کہ سب سے اہم تاریخی سیرت ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، ابو بکر کی دو بیٹیاں اسماء اور عائشہ اسلام لائیں۔ اس وقت عائشہ، جیسا کہ ابن ہشام ذکر کرتے ہیں، چھوٹی تھیں۔[1] وہ چھوٹی ضرور تھیں لیکن ایسی عمر میں تھیں کہ ان کا اسلام قابل قبول ہو۔ کیوں کہ اگر بے سمجھ بچی ہوتیں تو کتب سیرت میں انہیں اولین مسلمانوں میں نہ شمار کیا جاتا۔ ان کی پیدائش بعثت سے کم از کم چار یا پانچ سال پہلے ہوئی۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بعثت کے چودہ سال بعد رسول اکرم سے ان کی شادی ہوئی تو ان کی عمر 19 یا 20 سال تھی۔ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس میں سچائی نہیں ہے۔

---

[1] ابن ہشام، مرجع سابق، ص243

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تزکیہ اور حکمت کی درس گاہ

اس چھوٹی جماعت کے ساتھ جلد ہی قریش کی ایک دوسری جماعت جڑ گئی۔ ان میں نبی کے چچازاد بھائی اور عزیز از جاں جعفر بن ابی طالب اور ارقم بن ابی ارقم تھے۔ یہ وہ جوان صحابی ہیں جن کے گھر کو نبی دعوت کا مرکز بنا لیتے ہیں جہاں ان کے پیرو کار مسلمان ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔

ارقم کا گھر دار السلام کے نام سے مشہور ہو گیا اور اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ ہو گیا جہاں قرآن کی تعلیم اور روحانی و اخلاقی تربیت ہوتی تھی۔ رسول اپنے پیرو کاروں کو قرآن کی آیتیں اور سورتیں پڑھ کر سناتے جو ان پر براہ راست نازل ہوتیں اور ان کی تفسیر فرماتے۔ ﴿يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الأعراف: 157)

ترجمہ: رسول انہیں نیکی کا حکم دیتے، برائی سے منع فرماتے، پاکیزہ چیزیں ان کے لیے حلال فرماتے، گندی چیزیں ان پر حرام کرتے اور وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے، انہیں اتارتے۔ جو ان پر ایمان لائے، ان کی تعظیم کی، ان کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو ان پر اترا، وہی بامراد ہوئے۔

جن کو اللہ تعالیٰ نے چمکتے سورج کی روشنی میں چلنے کے لیے منتخب کر لیا تھا، رسول اکرم نے ان قلوب تک کتاب الٰہی کے علوم اور حکمت کو پہنچانے کا قصد فرمایا۔ آپ ان کے لیے سورتوں کی شرح فرماتے اور ان کے ظاہری و باطنی معانی اور ہدایت کی باتیں بتاتے۔ نماز کے لیے اور نئے مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے انہیں یاد کراتے۔ رسول ان کے لیے وجود، زندگی، مخلوقات، کائنات اور انسان کے حقائق، حقائق خیر و شر اور نور و ظلمت سے اس کے تعلق کے بارے میں قرآن کا نظریہ بتاتے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تزکیہ محمدی نظام تعلیم و تربیت کا محور رہا۔ رسول اکرم نے شرک اور جاہلیت کی گندگی اور اس کے اثرات سے اپنے پیروکاروں کے اذہان و ارواح کو پاکیزہ کرنے کا کام کیا۔ انہیں آسمانی علوم و انوار سے آراستہ کیا اور بلند اسلامی اخلاق و اقدار کے ذریعہ ان کا تزکیہ کیا۔

آیت کریمہ کہتی ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (آل عمران:164)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

اللہ تعالیٰ مومنین کو کتاب و حکمت کی تعلیم اور ان کے تزکیہ کے سلسلے میں اپنے رسول کی ذمہ داری کو بیان کرتا ہے اور تزکیہ، علم اور حکمت کو ایک دوسرے سے جوہر ایمان، آسمانی روشنی کے دروازہ اور عروج عبادت کے راز کے لیے عناصر کے طور پر مربوط کرتا ہے۔ اس طرح مومن ذہنی اور قلبی سطح پر اس بات کے لیے تیار ہوجاتا ہے کہ اللہ اسے دنیا و آخرت کی کامیابی سے ہمکنار کرے۔ تزکیہ کے نتائج پر حق تعالیٰ کی واضح تاکید اس فرمان میں ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ (14) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ (15)﴾ (کامیاب ہوا وہ جو ستھرا ہوا اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی)۔ یعنی دنیا و آخرت میں کامیابی اسی کے لیے ہے جو پاکیزہ ہو اور اللہ کو خوب یاد کرے۔

جب صحابہ نے نبوت کے اقدار و اوصاف سے استفادہ کرلیا تو اخلاق، زہد و ورع اور صبر کے معاملے میں حقیقی مسلم کا اعلیٰ نمونہ بن گئے۔ جس قدر نور ایمان ان کے دلوں کو روشن اور ان کے وجدان کی تشکیل کرتا گیا، ان کے اندر اللہ اور اس کے رسول کی محبت

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بڑھتی گئی۔ رسول کی محبت اللہ کی ہی محبت ہے اور جس کے دل میں رسول کی محبت نہیں اس کے پاس ایمان نہیں۔ اس طرح ہمارے لیے یہ واضح ہوتا ہے کہ محبت ہی ایمان کی روح ہے، بلکہ ایمان اور اس کی تجلیات کے لیے شرط ہے۔

رسول کو اپنے رب کے حکم کا انتظار تھا۔ چنانچہ چوتھے سال کے شروع میں انہیں خدا کا حکم ہوا۔ ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾ (الحجر: 94) (تو اعلانیہ کہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو)۔ اب اسلام کے باضابطہ اعلان اور تبلیغ کا وقت آیا۔

اپنے گروہ کے لیے آسمانی پیغام کا اعلان کر دیں اور مشرکین کیا کریں گے، اس کی پروانہ کریں۔ خدا کا یہ حکم ایسے وقت میں آیا جسے اس نے حق و باطل کے مقابلے کے لیے طے کر رکھا تھا۔ جلد ہی ایمان اور شرک کے بیچ محاذ آرائی شروع ہو جاتی ہے جو اپنے حقیقی اور متوقع انجام تک پہنچتی ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دوسری فصل

خیر و شر کی جنگ

انبیاء کے راستے میں پھول نہیں بچھے ہوتے ہیں۔ بلکہ انجیل کے مطابق "اپنی قوم میں کسی نبی کی عزت نہیں ہوتی"۔ نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام تک کوئی بھی نبی اپنے وطن میں مزاحمت، تکذیب اور اذیت سے محفوظ نہیں رہے۔ قریش نے بھی گرچہ رسول اللہ کو عزت نہیں دی اور آپ کو ان کی جانب سے ہر قسم کی ذہنی و جسمانی اذیت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ کو جلد ہی پہلے مکہ، پھر مدینہ، اس کے بعد پورے جزیرۂ عرب اور بعد میں ہر اس جگہ جہاں اسلام پہنچا، اپنے متبعین کے دلوں میں قبولیت اور بے انتہا محبت حاصل ہو گئی۔

حق اور باطل کے بیچ ٹکراؤ ہونا تھا اور اس کو روکنے کی کوئی سبیل نہیں تھی۔ کیوں کہ دعوت حق انسان کو زمین کی تاریکیوں اور شر انگیزیوں سے آزاد کرنے اور ایسے انسان کی تعمیر کے لیے کوشاں رہتی ہے جس کا دل آسمان سے لگا ہوا ہو، روشن ہو، روحانیت رکھتا ہو اور آزاد ہو۔ لیکن باطل، یعنی شرک، انسان کو اندھا اور جہالت کا شکار بنائے رکھنے کے لیے مصر رہتا ہے۔ شرک تو دل کی تاریکی ہے۔ کیوں کہ شرک جب انسان کی زندگی سے نور الٰہی ختم کر دیتا ہے تو زندگی اپنی روحانیت اور روشنی سے خالی ہو جاتی ہے اور انسان کی فطرت اندھی ہو جاتی ہے۔

CamScanner المسوحة ضوئيا بـ

اپنی جہالت کے سبب مشرک اپنی تاریکی پر ایسے قائم رہتا ہے جیسے ساری بھلائی اسی میں ہے۔ یوں ہی بت پرست اپنے نفس کا پجاری ہوتا ہے اور اپنی احمقانہ خواہشات کے ماسوا نہیں دیکھ پاتا۔ خواہش نفس زمین پر پوجا جانے والا سب سے بڑا معبود ہے۔ چوں کہ مشرک اعلیٰ روحانی زندگی پر یقین نہیں رکھتا اور نہ ہی آخرت پر، نہ پیدا کرنے والے پر نہ مارنے والے پر، نہ قضا و قدر پر اور نہ ثواب و عقاب پر، اس لیے اس کے حساب سے موت ہی آخری انجام ہے۔

یہی وہ موروثی منفی سوچ ہے جسے ابراہیمی شریعت نے ختم کیا تھا اور انسان کے لیے باعظمت زندگی کی تعمیر نو کی خاطر رسول اکرم کو اسے مسمار اور نیست و نابود کرنا تھا۔ اصول ایک ہی ہے کہ ہر نئی تعمیر کے لیے کھنڈر کو مسمار کرنا ہوتا ہے۔

راستے میں ملبے پڑے تھے جنہیں ہٹانا ضروری تھا تاکہ انسانیت خیر و فلاح تک پہنچ سکے۔ اسی لیے اسلام نے قریش کے ان بتوں کو اکھاڑ پھینکنے پر اکتفا نہیں کیا جنہیں وہ اپنے ہاتھوں سے تراشتے اور پھر سجدہ کرتے تھے، بلکہ ان کے ساتھ بت پرستانہ ذہنیت و ثقافت سے جڑے تمام جاہلی معتقدات کا بھی خاتمہ کیا۔ رسول اکرم کے لیے یہ ضروری تھا کہ اسے ایسے دل و دماغ سے جوڑیں جن کا رشتہ جہالت و خرافات کی بجائے خدا سے ہو۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ قریش کی اس طاقت کو نابود کر دیں جو انہیں جاہلی سماج میں مکہ کے اندر ان بتوں کو باقی رکھنے کا موقع فراہم کرتی تھی۔

وہ حرم کے نگہبان، کعبہ کے پاسباں اور معبودان باطل کے خدام تھے۔ اسی سبب سے اہل عرب قریش کو سیادت کے قابل سمجھتے اور ان کے لیے برتر حیثیت کا اعتراف کرتے تھے۔ اسی امتیازی حیثیت کے سبب تجار اور زائرین ان کو مال و اسباب فراہم کرتے تھے۔ چنانچہ قریش کے تجارتی قافلے ڈاکوؤں سے محفوظ تھے اور کوئی بھی اہل حرم کے قافلوں کو، جو جاڑے کے موسم میں یمن اور گرمی کے موسم میں شام کو جاتے تھے، چھو نہیں

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سکتا تھا۔ اگر وہ بت ان کے پاس نہ رہیں تو پسماندہ قبائل پر ان کا اثر و رسوخ بھی باقی نہ رہے۔[1]

وہاں ایک اہم مسئلہ عقیدہ کا تھا۔ وہ اگرچہ اتنا گہرا نہ تھا، لیکن اس سے بھی گہرا مسئلہ تھا ان کے زبردست تجارتی و اقتصادی مفادات کا، پھر غیر معمولی سماجی حیثیت اور اس کے ضمن میں قریش کے سیاسی اور اخلاقی رسوخ کا۔ ہم بتادیں کہ قریش پورے جزیرہ میں سب سے اہم عرب قبیلہ تھا اور اسے یہ حیثیت کئی سو سال تک حاصل رہی۔ اس کے خلاف کھڑا ہونا اس وقت عرب کے وہم و گمان سے باہر تھا۔

لیکن رسول کا کام تو صرف کھلی تبلیغ کرنا ہے۔ چنانچہ آپ نے پختہ ارادہ کے ساتھ مناسب جگہ اور طرز کلام کا انتخاب کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسالت سماوی کے اعلان کو عزم اور پختگی کی زبان درکار ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ حرم شریف کے قریب جبل صفا پر تشریف لے گئے اور اہل مکہ کو آواز دی۔ وہ ہر طرف سے آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: ”اے گروہ قریش! اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے سے گھوڑ سواروں کی ایک جماعت تم پر حملہ آور ہونا چاہتی ہے تو کیا میری بات کو سچ مان لو گے؟“ لوگوں نے کہا، ہاں! آپ ہمیشہ سچ ہی بولتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ”میں تمہارے لیے اللہ کا رسول ہوں۔ میں تمہیں سخت عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے بنو عبد المطلب، بنو عبد مناف، بنو زہرہ، بنو تیم، بنو مخزوم۔۔۔، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرساؤں۔ میں تمہیں کوئی دنیاوی یا اخروی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، جب تک لا الہ الا اللہ نہ کہو۔۔۔۔“

رسول نے نزول رسالت کا باقاعدہ اعلان کر دیا اور قریش کو خبردار کیا جس کا ماحصل یہ تھا کہ تمہارا ایک خالق ہے، جسے ہر چیز کا علم ہے، جو ہر جگہ موجود ہے، جو زندگی اور

1 دودیدار، ج1، مرجع سابق، ص 205

موت دیتا ہے اور اسی کے پاس اقتدار ہے۔ایک دوسری زندگی بھی ہے۔ اور جہالت و شرک کا انجام بہت برا ہونا ہے۔ جیسا کہ متوقع تھا، سب کے سب حیرت واستعجاب کے ساتھ آپ کی باتیں سن رہے تھے۔ قریش انبیاء کی زبان سے واقف نہ تھے۔خاموشی کے سناٹے میں آپ کے چچا ابو عتبہ نے آپ کی بات کاٹی اور ایسے گویا ہوا جیسے کسی دوسرے قبیلہ کے دشمن کو مخاطب کر رہا ہو۔ بولا کہ تمہارا دن خراب ہو، کیا تم نے ہمیں اسی بات کے لیے بلایا ہے؟

اللہ کے رسول نے اپنا پیغام پہنچا دیا اور اپنی امت پر آسمانی رحمت کے نزول کا اعلان فرمادیا۔ رسالت محمدیہ کے اعلان کے پہلے دن سے ہی ابو عتبہ نے رسول اللہ کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کر لیا۔ اس کی جہالت نے اسے رسول رحمت کی دعوت کو سمجھنے سے اندھا کر دیا تھا۔ نبی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا، لیکن اللہ نے ساتویں آسمان سے اپنے نبی کے دفاع میں دیر نہ کی۔ اسی وقت سورہ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ نازل ہوئی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ وعدہ کیا کہ ابو لہب اور اس کی بیوی کو دہکتی آگ میں ڈالا جائے گا۔ جب اس کے حق میں سورہ نازل ہوئی اور ابو عتبہ کا نام ابو لہب ہو گیا جو خود اللہ تعالیٰ نے رکھا تو اسے معلوم ہو گیا کہ اس کے بارے میں آسمانی موقف بہت پختہ ہے اور اس طرح وہ اسلام میں بد بخت انسان کی مثال بن گیا۔

اس کے برعکس رسول ﷺ اطمینان و سکون کے ساتھ خاموش رہے۔ ابو لہب کی بدسلوکیوں کا جواب نہ دیتے جو پورے مکی دور میں جاری رہیں جس طرح آپ نے پوری زندگی دوسرے جاہلوں اور بدسلوکوں کا جواب نہیں دیا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ انبیاء کے اخلاق ان چیزوں سے بلند ہوتے ہیں اور دوسرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ برائی کا جواب بھلائی سے دو۔ اور نبی جو سارے جہاں کے لیے رحمت بن کر آئے وہ تو حکمت، شرافت اور بلند اخلاقی سے ہی پیش آئیں گے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لیکن ابو لہب نے سبق نہ سیکھا اور نصیحت حاصل نہ کی۔ جاہل کی خاصیت ہوتی ہے کہ وہ اپنی جہالت میں سرکش ہو جاتا ہے۔ وہ بد سلوکی میں بہت آگے چلا گیا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے خاندانی رشتہ ختم کر لیا۔ اسے یہ سمجھ نہ آئی کہ یہ اس کے لیے اور اس کے خاندان کے لیے بڑی عزت و شرف کا رشتہ تھا۔ ابو لہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کا شہزادی رسول رقیہ اور ام کلثوم کے ساتھ عقد نکاح ہو چکا تھا۔ ابھی ان کے ساتھ خلوت بھی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن نزول رسالت کے بعد عتبہ اور عتیبہ کی ماں نے جو ام جمیل کے نام سے مشہور تھی اور بد سلوکی و سرکشی میں اپنے شوہر سے کم نہ تھی، شہزادی رسول کو طلاق دینے کا مطالبہ کر ڈالا۔

اور ہوا بھی یہی کہ احترام اور جذبات کا خیال رکھے بغیر دونوں بیٹوں نے رسول اللہ ﷺ کی دونوں بیٹیوں کو طلاق دے دی۔ یہ عربی رسم و رواج اور اقدار کے مطابق بہت بڑی بات تھی۔ جب کہ ہم یہاں تو رسول اللہ کی بیٹیوں کی بات کر رہے ہیں اور اللہ کے رسول سے قربت اللہ اور جنت سے قربت ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس قبیح فعل سے دونوں صاجزادیوں کو کاری زخم لگا، ان کی والدہ کریمہ حضرت خدیجہ کو سخت صدمہ پہنچا اور خود رسول اللہ کو بہت دکھ ہوا۔

یہ سبھی جانتے ہیں کہ کسی بھی چیز کی بنیاد کے مراحل اکثر مشکل اور دشوار گزار ہوتے ہیں، لیکن مکہ میں اسلامی دعوت کا آغاز مسلمانوں کو پیش آنے والے مشکل ترین مراحل میں سے تھا، کیوں کہ سفر محمدی کے شروع ہوتے ہی قریش نے رسول اور ان کے پیروکاروں کے خلاف مختلف طریقوں سے اعلانیہ جنگ شروع کر دی اور انہیں ہر طرح کی اذیت و مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ سالہا سال تک آزمائش کا یہ سلسلہ رہا، لیکن اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے صبر نے ان کے دلوں میں موجزن ایمانی تجلیات کا بہترین نمونہ پیش کیا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قریش کی پریشانی

رسول آسمان سے ہر دن نہیں نازل ہوتے۔ قریش میں رسول کی آمد بہت عظیم واقعہ تھی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس سے قریش کو پریشانی تھی اور اس میں دراڑ آگئی تھی۔ شروع میں اس نے سوچا کہ کچھ چنندہ افراد کو رسول کے پاس بھیجیں اور جو کچھ دل چاہے رسول کو پیش کر کے انہیں دعوت دین سے روک دیں۔

چنانچہ شروع میں عتبہ بن ربیعہ، جو کہ قریش کے اصحاب سیادت و حکمت میں سے تھا، نبی اکرم ﷺ کے پاس اس مقصد سے حاضر ہوا کہ آپ کے سامنے قریش کی جاہلی ذہنیت کے مطابق گراں قدر پیش کش رکھ سکے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت حرم میں بیٹھے غور و فکر اور ذکر الٰہی میں مصروف تھے۔ آپ کے پاس دانائے قریش پہنچا اور عرض گزار ہوا: اے بھتیجے! تم ہم میں سے ہو، خاندان میں تمہیں شرف و مرتبہ حاصل ہے اور بہتر نسب کے ہو۔ تم نے اپنی قوم کے سامنے بڑا ہی اہم معاملہ پیش کیا ہے جس سے تم نے ان کا شیرازہ منتشر کر دیا ہے، ان کے معبودوں اور دین کی عیب جوئی کی ہے اور (اس امر عظیم کے ذریعہ) تم نے ان کے آباء و اجداد کی تکفیر کی ہے۔ تم میری بات سنو، میں تمہارے سامنے کچھ باتیں رکھتا ہوں جن پر غور کرنا۔ اس سے رسول نے فرمایا، اے ابوالولید کہو میں سنتا ہوں۔

اس نے کہا: اے بھتیجے! اگر تمہاری دعوت سے تمہارا مقصد مال ہے تو ہم تمہارے لیے اپنے مال جمع کر دیں جس سے تم ہم میں سب سے مالدار ہو جاؤ، اگر عزت و شرف چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنالیں اور تمہارے بغیر کوئی فیصلہ نہ کریں، اگر بادشاہت چاہتے ہو تو تمہیں اپنا بادشاہ بنالیں، اور اگر تمہیں جو خواب آتے ہیں ان سے تم چھٹکارا پانے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو ہم تمہارے لیے معالج بلائیں اور جب تک تم ٹھیک نہ ہو جاؤ ہم اپنا مال خرچ کریں۔ جب اس نے رسول ﷺ کے سامنے اپنی ساری پیش کش رکھ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دی تو آپ نے اس سے فرمایا: اے ابوالولید! کیا تمہاری بات پوری ہو گئی؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ فرمایا کہ اب میری سنو!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

﴿حم (1) تَنزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ (2) كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (3) بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ (4) وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ (5) قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ (6) الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ (7) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (8)﴾

ترجمہ: حم، یہ اتارا ہوا ہے بڑے رحم والے مہربان کا۔ ایک کتاب ہے جس کی آیات مفصل کی گئی ہیں، عربی قرآن عقل والوں کے لیے۔ خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا تو ان میں سے اکثر نے منہ پھیرا، وہ سنتے ہی نہیں۔ اور بولے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں اس بات سے جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو۔ ہمارے کانوں میں بہرہ پن ہے اور ہمارے تمہارے درمیان پردہ حائل ہے، تو تم اپنا کام کرو اور ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ تم فرماؤ کہ آدمی ہونے میں میں تمہیں جیسا ہوں۔ مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے تو اس کے حضور سیدھے رہو اور اس سے مغفرت طلب کرو اور خرابی ہے مشرکین کے لیے، وہ جو زکوۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں۔ بے شک جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے ان کے لیے بے انتہا ثواب ہے۔

نبی اکرم نے سورہ فصّلت پڑھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ فرمان الٰہی ﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ (13)﴾ پر پہنچے تو عتبہ نے اپنا ہاتھ نبی اکرم ﷺ کے منہ پر رکھا اور کہا کہ میں نے آپ کو اللہ کی قسم دی اور نسبی قرابت کا حوالہ دیا

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لیکن آپ نے تلاوت نہ روکی۔ اس نے وعید کے ڈر سے آپ سے تلاوت روکنے کی درخواست کی۔

سورہ کی تلاوت کے دوران عتبہ چپ چاپ رہااور حیرت کے ساتھ قرآن کریم کی زبان سنتا رہا۔ قرآن کریم کی بلاغت میں سچ مچ کشش ہے۔ چونکہ قریش کی زبان انتہائی معیاری عربی تھی اور شعری و ادبی طور پر ان کا مقام بلند تھا، اس لیے جب وہ قرآن سنتے تو اس کی فصاحت وبلاغت سے حیرت میں پڑ جاتے۔

ان میں جو اصحاب معرفت تھے وہ شعری یا غیر شعری انسانی کلام اور کلام الٰہی میں فرق کر سکتے تھے، لیکن قرآن نے جن کے دل کھول دیے اور وہ آسمانی روشنی کے لیے ساز گار ہو گئے وہ فوراً ایمان لے آئے جیسا کہ عمر بن خطاب کے ساتھ ہوا جب انہوں نے سورۂ طٰہٰ کی ایک آیت پڑھی۔ لیکن جو گمراہی پر ڈٹے رہے وہ قیامت تک کھلی گمرہی میں رہیں گے اور ان کے دل بند رہیں گے۔ وہ آیات قرآنیہ کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے۔

جب اللہ کے رسول تلاوت سے فارغ ہوئے تو عتبہ سے فرمایا کہ اے ابوالولید تم نے سن لیا جو سنا، اب تمہاری مرضی۔ ابوالولید جہاں سے آیا تھا ادھر ہی لوٹ گیا۔ جو کچھ سنا تھا اس سے حیرت میں تھا۔ جب وہ دارالندوہ میں اپنی جماعت کے پاس پہنچا تو وہ بولے کہ اللہ کی قسم ابوالولید جس کام سے گئے تھے وہ کیسے بنا ہی لوٹ آئے۔ انہوں نے پوچھا کیا ہوا اے ابولولید؟ اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے آج ایسا کچھ سنا ہے جیسا کبھی نہ سنا تھا۔ بخدا وہ شعر بھی نہیں، جادو بھی نہیں اور کہانت بھی نہیں ہے۔ اے گروہ قریش! میری بات مانو اور اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور اس سے الگ ہو جاؤ۔ بخدا میں نے ان سے جو بات سنی ہے اس میں بہت بڑی خبر ہے۔ اگر عرب ان سے برسرپیکار ہوتے ہیں تو تمہاری ضرورت نہیں پڑے گی اور اگر وہ عرب پر غالب آگئے تو ان کی سلطنت تمہاری سلطنت ہوگی اور ان کی

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عزت تمہاری عزت ہوگی اور ان کی بدولت تم سعادت مند ہوجاؤ گے۔ وہ بولے اے ابو الولید اس نے تم پر اپنی زبان سے جادو کر دیا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ اس کے بارے میں میری رائے ہے۔ آپ لوگوں کو جو ٹھیک لگے کریں۔[1]

اپنی زبان سے اہل عرب کا لگاؤ مشہور ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عربی زبان بعثت نبوی سے پہلے بھی پختگی اور کمال کو پہنچ چکی تھی، لیکن قرآن کریم کے نزول نے اسے مقدس بنا دیا۔ چنانچہ بہت سے لوگ سورتوں اور آیتوں کی بلاغت کے سبب قرآن سنتے ہی سجدے میں گر جاتے اور مسلمان ہوجاتے۔

عرب میں آخری نبی کی آمد اہل عرب اور ان کی زبان کے لیے خدائے تعالیٰ کی جانب سے ایک بے مثال اعزاز تھی۔ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ "جس نے عرب سے محبت کی، اس نے میری محبت کے سبب ان سے محبت کی اور جس نے عرب سے نفرت کی اس نے مجھ سے نفرت کے سبب ان سے نفرت کی"۔

عتبہ بن ربیعہ کی رائے مبنی بر حکمت تھی۔ وہ بصیرت اور ذہانت میں مشہور تھا۔ لیکن قریش کے سرداروں نے اس کی بات نہ مانی۔ ان کے تکبر نے انہیں حقیقت کو دیکھنے اور عقل سے لگتی ہوئی بات کو سمجھنے سے اندھا کر دیا۔ لیکن جو سچ مچ حیران کن بات ہے وہ یہ کہ قریش کا یہ دانا و بینا شخص جسے قرآن کی آیات اور معانی نے حیرت میں ڈال دیا وہ معرکۂ بدر میں مشرک ہی مرا۔

معلوم ہو کہ اس کے بیٹے ابو حذیفہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اور رسول کے ان اولین صحابہ میں شامل ہو گیا تھا جن کی تربیت خود رسول اللہ نے دار ارقم میں فرمائی۔ وہ معرکۂ بدر میں رسول اللہ کی طرف سے لڑ رہے تھے اور ان کا باپ عتبہ مشرکین کی صفوں میں لڑ رہا تھا۔ دونوں جنگ میں ایک دوسرے سے برسرپیکار ہونے کے قریب تھے لیکن رسول

1۔ ابن ہشام، مرجع سابق، ص 277

اللہ نے انہیں اس سے روکا اور عتبہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ جب اس کا قتل ہوا تو ابو حذیفہ کو اس بات سے بہت دکھ ہوا کہ وہ حالت شرک میں مرا۔

یہ بات صاف ہے کہ اہل قریش اپنے معاملے میں پریشان تھے۔ وہ آپ کی رسالت قبول نہیں کر رہے تھے۔ اور اگر وہ اس توقع میں رہے ہوں کہ رسول آسمانی پیغام کی تبلیغ سے باز آجائیں گے تو ایسا رسولوں سے نہیں ہوا ہے۔ ان کی پریشانی نے انہیں اس بات پر متفق کر دیا کہ رسول سے معجزات کا مطالبہ کریں یہ کہتے ہوئے کہ اگر آپ معجزہ پیش کر دیں تو شاید وہ ایمان لے آئیں گے۔

چنانچہ انہوں نے آپ سے کہا کہ اپنے رب سے کہیے کہ ہمارے لیے ان چٹیل پہاڑوں کو چلادے اور ان میں شام اور عراق کی طرح نہریں جاری کردے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنے رب سے کہیے کہ ہمارے آباء واجداد کو زندہ کردے تاکہ آپ جو کچھ کہتے ہیں اس کے متعلق ہم ان سے دریافت کریں، یا اپنے رب سے کہیے کہ آپ کے لیے ایک فرشتہ بھیج دے جو آپ کی باتوں کی تصدیق کرے۔ اپنے رب سے کہیے کہ آپ کے لیے سونے چاندی کے خزانے، محل اور باغات بنادے جن سے آپ کی مدد ہو۔[1]

اللہ تعالیٰ سورہ الاسراء میں فرماتا ہے ﴿وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا (90) أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا (91) أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا (92) أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا (93)﴾

---

1 مرجع سابق، ص 292-281

ترجمہ: اور بولے کہ ہم ہر گز تم پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ بہادو، یا تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر تم اس کے اندر بہتی نہریں رواں کرو، یا تم ہم پر آسمان گرادو جیسا تم نے کہا ہے ٹکڑے ٹکڑے یا اللہ اور فرشتوں کو ضامن لے آؤ، یا تمہارے لیے طلائی گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے چڑھ جانے پر بھی ہر گز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم پر ایک کتاب نہ اتارو جو ہم پڑھیں۔ تم فرماؤ پاکی ہے میرے رب کو، میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا۔

یہ جاہلانہ مطالبات بتاتے ہیں کہ مشرکین کبر و نخوت میں کس قدر بڑھے ہوئے تھے۔ رسول ﷺ ان کا جواب واضح لفظوں میں دیتے: "جو پیغام میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں، اس کا مقصد تم سے مال کی طلب، تمہارے بیچ عزت و شرف کی چاہ یا تمہارے اوپر اقتدار حاصل کرنا نہیں ہے۔ لیکن اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر کتاب نازل کی ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تمہارے لیے خوش خبری اور ڈر سنانے والا بنوں۔ میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہیں خیر کا مشورہ دیا۔ اگر تم اس پیغام کو قبول کر لو جو میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں تو تمہارے لیے دنیا و آخرت میں بھلائی ہے اور اگر اسے مسترد کر دو تو میں اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا یہاں تک کہ وہ میرا اور تمہارا فیصلہ فرمادے۔"[1]

سچ مچ اللہ ان کا فیصلہ فرماتا ہے اور مسلمانوں کا لشکر ایک خاص دن مکہ میں داخل ہوتا ہے۔ آیت کریمہ ہے: ﴿قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۚ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (الأعراف:188)

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ میں اپنے کسی نفع، نقصان کا مالک نہیں، مگر جو اللہ چاہے۔ اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو بہت سی بھلائی حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ

[1] مرجع سابق، ص279

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پہنچتا۔ میں تو بس ڈر سنانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

یہ فطری بات ہے کہ اللہ کو ان واقعات کا علم ہو جو آگے رونما ہونے والے ہیں، کیوں کہ وہ جاوید اور سر گرم عمل ہے۔ لیکن جو چیز آپ کو اللہ کے وجود اور اس کی انوکھی تخلیق کاری کا احساس دلاتی ہے اور جس کا مشاہدہ ہم سیرت رسول میں واضح طور پر کرتے ہیں وہ یہ کہ نبی اکرم پر ہر واقعہ سے پہلے یا اس کے معاً بعد آیات قرآنیہ اور سورتیں پے درپے نازل ہوتی تھیں۔ یہ وہ بات ہے جو قرآن کا مطالعہ کرنے والے کو اللہ کے وجود اور زندگی میں اس کی کار فرمائی کا احساس دلاتی ہے۔

آیات قرآنیہ اس لیے نازل ہوتی ہیں کہ ان سے مومنوں کے دل روشن ہوں اور ان کا ایمان پختہ ہو تا جائے اور اس لیے کہ مشرکین کی جہالت کو بیان کرے، ان کی نیتوں سے آگاہ کرے اور ایک کے بعد ایک بے بنیاد ثابت کرے اور اس لیے بھی کہ جاہلی دلیلوں کو مسترد کرے اور واضح قرآنی دلیلوں اور ثبوتوں سے ان کا رد کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (18) فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (19) ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (20) ثُمَّ نَظَرَ (21) ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (22) ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ (23) فَقَالَ إِنْ هَـٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ (24) إِنْ هَـٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (25)﴾ (المدثر: 25-18)

ترجمہ: بے شک اس نے سوچا اور دل میں کچھ بات ٹھہرائی، تو اس پر لعنت ہو کیسی ٹھہرائی، پھر اس پر لعنت ہو کیسی ٹھہرائی، پھر نظر اٹھا کر دیکھا، پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا، پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا، پھر بولا یہ تو وہی جادو ہے اگلوں سے سیکھا، یہ تو آدمی کا ہی کلام ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دوسری طرف قریش کی چند شخصیات نے نبی اکرم کی شکایت کی غرض سے بنی ہاشم کے سردار اور اخلاقی مرشد آپ کے چچا ابو طالب کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر وہ انہیں مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پورے قریش میں یہی وہ شخص ہیں جو انہیں راحت دلا سکیں گے۔ ابو طالب کو صرف قریش میں نہیں، بلکہ پورے جزیرۂ عرب کے باشندوں کے درمیان ایک خاص مقام حاصل تھا۔ لیکن محمد ﷺ کی غایت سنجیدگی سے واقفیت کے بعد وہ ان کی آرزوؤں پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایمان نہیں لاتے ہیں لیکن آخری سانس تک اپنی عظیم اخلاقی حیثیت کے سبب قریش کے مقابلے نبی اکرم کا دفاع کرتے ہیں۔

وہ ان کے پاس حاضر ہوئے اور یوں عرض گزار ہوئے: "ہمارے بیچ آپ کا مرتبہ و مقام ہے۔ لیکن آپ کے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو گالی دی ہے، ہمارے دین میں عیب جوئی کی ہے، ہمارے عقل مندوں کو بیوقوف کہا ہے اور ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ کہا ہے۔ آپ یا تو اسے روک لیں یا ہمیں اس سے نپٹ لینے دیں۔ کیوں کہ آپ بھی اسی دین و مذہب کو مانتے ہیں جس پر ہم ہیں"۔

وہ یہ امید کر رہے تھے کہ ابو طالب اپنے بھتیجے کو تنہا چھوڑ دیں گے، لیکن چچا جن کے ساتھ پورا قبیلہ بنی ہاشم تھا، کا موقف ان کے لیے چونکا دینے والا مگر صحیح اور درست تھا۔

ابو طالب نے نبی اکرم ﷺ کو بلایا اور کہا کہ اے بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آکر تمہارے خلاف شکایت اور احتجاج کر رہے تھے۔ انہوں نے سب کچھ بتا دیا جو ان لوگوں نے کہا تھا اور بولے کہ میرے اور اپنے حال پر رحم کرو۔ میرے اوپر اتنا بار نہ ڈالو جسے میں اٹھا نہ سکوں۔ ظاہر ہے کہ ابو طالب اس دباؤ کو محسوس کر رہے تھے جو قریش ان پر ڈال سکتے تھے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر اپنے چچا کی بات کا اثر ہوا یہاں تک کہ ان کے احترام اور محبت میں ان کے آنسو بہہ پڑے۔ لیکن آپ نے ان کی بات کا جواب اپنے مشہور فرمان کے ذریعے دیا۔ فرمایا "اے میرے چچا! اگر وہ سورج میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند میرے بائیں ہاتھ میں رکھ دیں اور کہیں کہ میں دعوت دین سے باز آجاؤں تو بھی میں باز نہیں آؤں گا یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کردے یا اس کی خاطر میں ہلاک کردیا جاؤں۔"

یہی اللہ کا حکم تھا اور یہی ہونا تھا۔ چچا سمجھ گئے کہ بھتیجا دین کی دعوت کے لیے پرعزم ہے اور اسے تبلیغ رسالت سے نہ تو قریش روک پائیں گے اور نہ کوئی اور، چنانچہ فرمایا "جاؤ میرے بھتیجے اور جو چاہو کہو، بخدا میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑوں گا"۔ اس صاحب فضل و کمال بزرگ کا یہ بہت ہی خوبصورت اور بہترین موقف تھا۔

اس وقت ابوطالب کو یہ احساس ہوا کہ نبی اکرم اور قریش کا اختلاف بہت سنجیدہ ہو گیا ہے اور یہ ناک کا مسئلہ بن گیا ہے جس کی حفاظت ضروری ہے۔ چنانچہ انہوں نے بنو ہاشم کو جمع کیا اور انہیں اس بات سے آگاہ کیا جو ان کے اور قریش کے وفد کے بیچ ہوئی۔ انہیں محمد ﷺ کے تئیں ان کی نسبی اور اخلاقی ذمہ داری یاد دلائی اور رسول کی مدد اور حمایت کرنے کو کہا۔ لوگوں نے اس کا وعدہ کیا۔ وہ اگرچہ رسول اللہ کے دین پر نہ تھے لیکن چونکہ وہ بنی ہاشم سے تھے اس لیے انہیں ان کی خاندانی عظمت رسول اللہ کو تنہا چھوڑنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔[1]

مکی سماج میں خاندانی عصبیت کی روح نمودار ہوئی۔ لیکن تمام عصبیتیں منفی نہیں ہوتیں۔ کچھ تو حق کی خاطر ہوتی ہیں اور کچھ باطل اور شرک کی خاطر ہوتی ہیں۔ خاندانی عصبیت کی فطرت یہ ہے کہ وہ امن و سلامتی کی صورت میں مخفی ہوتی ہے اور صرف اختلاف

---

[1] دویدار، ج1، مرجع سابق، ص 247

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اور بحران کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس وقت قریش اور اس کے حلیف ایک طرف تھے اور بنو ہاشم اور مسلمان دوسری طرف تھے۔

بنی ہاشم سے ابو لہب بد بخت کے سوا کوئی الگ نہ ہوا، اس کے باوجود اللہ کے رسول قریش کے نادانوں کے ہاتھوں مزاحمت اور ذہنی و جسمانی اذیت سے محفوظ نہ رہے۔ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ وہ آپ کا یہ کہہ کر استہزا کرتے پھرتے تھے کہ دیکھو بنی عبد المطلب کے لونڈے کو، یہ آسمان سے بات کرتا ہے۔ پھر ان کے شعرا آپ کی شان میں ہجویہ اشعار کہنے لگے۔ اس زمانے میں خطابت کے بعد شعر دشمن کی تشہیر کا سب سے اہم ذریعۂ ابلاغ تھا۔

قریش میں دراڑ آگئی تھی اور اپنی ہزار سالہ تاریخ میں وہ پہلی بار حقیقی بحران سے گزر رہے تھے۔ کیوں کہ ذہنوں سے شرک کی عبادت گاہوں کی مسماری فرسودہ قبائلی تہذیت کی خود سپردگی تھی جو ان کے تاریخی تہذیبی ڈھانچے کی مکمل تباہی تھی۔ اس تاریخی پریشانی کے لیے اسلام کے جن تین بنیادی اصولوں نے راہ ہموار کی وہ ہیں عدل، مساوات اور توحید۔

ایک ایسے سماج میں جس کی بنیاد نسلی اور طبقاتی امتیاز پر قائم تھی، عدل و مساوات کے اصول کے نفاذ کا تقاضہ یہ تھا کہ قبائلی ڈھانچے کی مادی اور اخلاقی بنیاد کو زد پہنچائے، تہذیبی عمارت کو ہلا کر رکھ دے اور جاہلی اعتقادات کی بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے، بلکہ پورے جزیرۂ عرب میں قریش کے اجتماعی مرکز کو کمزور کر دے۔

روشنی کی مانند مسلمانوں کے دلوں سے تاریکی دور کرتی اور انہیں منور کرتی ہوئی اسلام کی بعض تعلیمات اور اصول کے عام ہونے کے ساتھ مسلمان، خاص کر غلاموں اور محتاجوں کو یہ احساس ہو گیا کہ اسلام انہیں صرف جہالت اور شرک کی غلامی سے آزاد کرنے نہیں آیا ہے، بلکہ ہر قسم کے ظلم اور انسان کو انسان کی غلامی سے بچانے آیا ہے۔ یعنی

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اندرونی تاریکی کے ساتھ ساتھ خارجی ظلم سے بھی آزاد کرانے آیا ہے۔ تاریکی میں ڈوبے ہوئے اس عہد میں ان اعلیٰ انسانی تعلیمات اور اصولوں کا مسلمانوں کے دلوں پر جادوئی اثر ہوا۔

اس سے بڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ابتدا سے ہی پھونکی ہوئی بھائی چارہ کی روح کا مسلمانوں کی اخلاقیات کی تعمیر و استحکام پر بہت اہم اثر ہوا۔ مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا کہ ان کی عزت کا رشتہ اللہ اور اس کے رسول کی عزت سے استوار ہے۔ ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (المنافقون:8) یعنی عزت تو اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے، لیکن منافقوں کو خبر نہیں۔

مشرک کی عقل کیوں کر اس کی رہنمائی کر سکتی ہے اور وہ کیوں کر اس بات کا ادراک کر سکتا ہے کہ ایک سچے مومن کی عزت اس کے رب کی عزت سے ہے۔ مومن کی عزت، خالق عزت کی وجہ سے ہے اور بندگی صرف اللہ کے لیے ہے۔ اور اللہ کے نزدیک تم میں سے وہ زیادہ عزیز ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہے، وہ نہیں جو سب سے زیادہ مالدار یا اعلی سماجی حیثیت کا مالک ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے بیچ اخوت کی مضبوط بنیاد جس مشہور اسلامی اصول پر رکھی وہ یہ ہے کہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اسلام میں نسل پرستی یا امتیاز کی گنجائش نہیں، نہ کالے گورے کا فرق ہے، نہ ہی عجمی عربی میں کوئی فرق ہے، مگر تقوی کی بنیاد پر اور تقوی انسان کے دل میں اللہ کے مقام کا نام ہے۔ تقوی اس بات کے دائمی داخلی شعور کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور انسان کی زندگی کا کارساز ہے۔ اسی طرح اسلام آقا اور غلام کے بیچ بھی تفریق نہیں کرتا۔[1]

[1] مرجع سابق، ص239

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اسلام، حبشی غلام بلال بن رباح اور صحابی رسول ابو بکر صدیق جنہوں نے انہیں خرید کر آزاد کیا اور جو پہلے خلیفہَ راشد ہوئے کے بیچ مساوات کا برتاؤ کرتا ہے۔ اسی طرح عمار بن یاسر جو پہلے غلام تھے اور حضرت حمزہ، جو قریش کے ہیرو اور رسول اللہ کے چچا تھے،

یہاں ابوذر غفاری کے ساتھ بلال بن رباح کے واقعہ کی طرف اشارہ ناگزیر ہے۔ یہ واقعہ ایک انسانی قدر اور ایمانی و اخلاقی موقف کی حیثیت سے مساوات اور ایک مکروہ جاہلی فعل کے بطور امتیاز کے بارے میں اسلام کے موقف کی ترجمانی کرتا ہے۔ چند صحابہ کرام ایک مجلس میں لشکر کے موضوع پر تبادلہَ خیال کر رہے تھے۔ ان میں خالد بن ولید، بلال اور ابوذر بھی تھے۔ ابوذر نے خالد بن ولید کے سامنے ایک تجویز پیش کی۔ لیکن بلال نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ تجویز صحیح نہیں ہے۔ اس سے ابوذر کی قبائلی عصبیت جاگ گئی۔ وہ اولین صحابہ میں سے تھے اور ان کے ہاتھ پر بہت سے مشرکین اسلام قبول کر چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بلال سے کہا، اے سوداء کے بیٹے! اب تم بھی مجھے غلط ٹھہرانے لگے؟

بلال پر اس بات کا گہرا اثر ہوا۔ انہوں نے سارا ماجرا نبی اکرم سے جا کر سنایا۔ آپ غضبناک ہو گئے اور جب ابوذر آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے فرمایا، اے ابوذر! کیا تم نے انہیں ماں کا عار دلایا؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں! رسول اللہ نے فرمایا، تمہارے اندر جاہلیت ہے۔ نسلی سلوک کو رسول اللہ نے جاہلیت بتایا۔ ابوذر نے معافی کی درخواست کی۔ واپسی میں ان کی ملاقات بلال سے ہوئی۔ انہیں دیکھتے ہی بلال زمین پر لیٹ گئے اور سر مٹی پر ڈال دیا، پھر بلال سے کہا، مجھے خدا کی قسم ہے اے بلال! میں مٹی سے اس وقت تک اپنا رخسار نہ اٹھاؤں گا جب تک تم اسے اپنے پیروں سے نہ روندو۔ تم صاحب عزت ہو، میں ذلیل ہوں۔ بلال رونے لگے اور پاس آ کر ان کے رخسار کو چوم لیا اور کہا، خدا کی قسم میں اپنے پاؤں کسی بھی ایسے چہرے پر نہیں رکھ سکتا جس نے اللہ سبحانہ کے لیے ایک بار بھی سجدہ کیا ہو۔

بلال کے تئیں ابوذر سے سرزد ہوئی اس خطا میں ایک سبق ہے۔ ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کے حق میں غلطی کی اور اس کے خلاف جارحانہ نسلی باتیں کہیں جو کہ اسلام میں ناقابل قبول ہیں۔ بلال کے جواب میں بھی ایک اہم سبق ہے۔ لیکن سب سے اہم سبق رسول اللہ کا ابوذر کے اس عمل کو جاہلیت بتانا ہے۔ رسول اللہ کے نزدیک انسانوں کے بیچ رنگ، نسل، گروہ، ہر قسم کا امتیاز جاہلی صفت ہے اور اسلام جاہلیت کے خاتمہ کے لیے آیا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کے بیچ مساوات کا برتاؤ کرتا ہے۔ سب کے سب اسلام میں بھائی بھائی اور ایک دوسرے کے عزیز ہیں۔ جس عدل و مساوات کا نعرہ رسول اللہ نے بلند کیا تھا، یہ اس کا نمونہ ہے۔

پھر عقیدۂ توحید ہے جس کو اسلام نے پہلی بنیاد بنایا۔ یہ مشرکین کے لیے سب سے خطرناک اور شدید ترین جھٹکا ثابت ہوا۔ کیوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی حق ہے، باقی سب باطل ہے۔ ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ﴾ (سبا: 22)

ترجمہ: تم فرماؤ کہ بلاؤ انہیں جنہیں تم اللہ کے علاوہ (معبود) سمجھ بیٹھے ہو، وہ زمین و آسمان میں ذرہ بھر کے مالک نہیں، نہ زمین و آسمان میں ان کا کوئی حصہ ہے اور نہ اللہ کا ان میں سے کوئی مددگار ہے۔

اس عقیدہ نے جاہلی اعتقادات کو پورے طور سے منہدم کر دیا اور جن بتوں کو وہ پوجتے تھے ان کی حقیقت واضح کر دی۔ اب اگر یہ دعوت کامیاب ہو جائے تو ان کے پاس سرداری اور برتری کے اسباب کیوں کر باقی رہیں؟[1] یہ دو ویدار کا کہنا ہے، لیکن اس کے مقابلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر وہ ایمان لے آتے اور اس دعوت کو اپنا لیتے تو پورے عرب میں ان کا مقام بلند ہو جاتا اور ان کے عظمت و شرافت میں گراں قدر اضافہ ہو جاتا۔

فقراء کا ایمان

"میں اسے ہرگز نہ چھوڑوں گی جس نے میرا دل روشن کیا"

شروع میں بقائے باہمی کے لیے ضروری قبائلی عرف و عادت کا لحاظ کرتے ہوئے مشرکین مشہور قبائل کے مسلمانوں سے تعرض نہیں کرتے تھے، لیکن سرداران

---

[1] مرجع سابق، ص218

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قریش نے اپنے کینے کے اظہار میں دیر نہ کی اور ان کا غصہ مسلم فقراء اور غلاموں پر پھوٹ پڑا۔ وہ مسلمان کہ جن کے دلوں میں ایمان جاں گزیں ہو گیا اور انہیں منور کر دیا تھا۔ غلاموں کے آقاؤں نے انہیں ذلیل کیا اور جسمانی ایذائیں پہنچائیں۔ امیہ بن خلف نے حبشی الاصل بلال بن رباح کو ایسی تکلیفیں دیں جن کی مثال نہیں ملتی۔

امیہ ان سے کہتا تھا کہ تمہیں اس وقت تک تکلیف دی جائے گی جب تک تم محمد کا انکار نہ کرو اور لات و عزیٰ پر ایمان نہ لے آؤ یا یہ کہ تمہیں موت آجائے۔ بلال اس کے جواب میں آسمان کی طرف اپنی انگلی بلند کرتے ہوئے کہتے "احد... احد" یعنی اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔ اس طرح وہ اپنے ایمان و استقامت کا مظاہرہ کر کے اپنے جلاد کو سب سے بڑا چیلنج دیتے۔ سوال یہ تھا کہ آخر کب تک یہ تکلیف برداشت کریں۔

ایک دن ورقہ بن نوفل بلال کے پاس سے گزر رہے تھے، انہیں اذیت پہنچائی جا رہی تھی۔ ورقہ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا، ہاں اے بلال! اللہ ایک ہے۔ پھر وہ امیہ بن خلف سے مخاطب ہو کر بولے، قسم خدا کی اگر تم نے انہیں قتل کر دیا تو میں ان کا مزار بناؤں گا۔[1]

لیکن بلال مرے نہیں۔ ابو بکر نے انہیں ان کے آقا سے خرید کر مرنے سے بچا لیا اور ذلت بھری غلامی سے آزاد کر دیا۔ بلال جو قریش کے غلام تھے، بعد میں رسول اللہ کے مقرب صحابی اور اسلام کے پہلے موذن ہوئے۔ اس حبشی محتاج غلام کے لیے اس سے بڑھ کر اعزاز کیا ہو سکتا ہے۔

یہ اسلامی عدالت کے صرف ایک پہلو کی مثال ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بلال اور ان کے سابق آقا امیہ کو معرکۂ بدر میں ایک دوسرے کے برسرپیکار

---

[1] ابن ہشام، مرجع سابق، ص 297

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کر دیا اور تاریخ نے دیکھا کہ بلال ایک طرف اس کے منہ پر چیخ کر اسے دشمن اسلام کہہ رہے تھے اور دوسری طرف اس کے سینے میں اپنی تلوار اتار رہے تھے۔

ابو بکر نے ان کے علاوہ مزید چھ لوگوں کی جان بچائی۔ ان میں چار خواتین تھیں جنہیں ستایا جاتا تھا۔ ابو بکر نے انہیں ان کے آقاؤں سے مال کے عوض خرید کر جسمانی اذیت سے آزادی دلائی اور اسلام نے روح کی غلامی اور ذلت سے آزادی عطا کی۔ لیکن حضرت سمیہ ام عمار، جن کو اور جن کے شوہر یاسر اور بیٹے عمار بن یاسر کو ایذائیں پہنچائی جارہی تھیں، ایذارسانی کی وجہ سے شہید ہو گئیں۔ ان کی وفات سے پہلے رسول اللہ ان کے پاس سے گزرے تو ان سے فرمایا تھا کہ "صبر کرو اے یاسر کے اہل خانہ، تمہارا ٹھکانہ جنت ہے"۔

ابو بکر نے ان کو کسی بھی قیمت کے عوض خریدنے کی اپنی پوری کوشش کی تھی، لیکن ان کے مالک ابو جہل نے ان کی ہر پیش کش ٹھکرادی۔ اس نے قریش کی ان خواتین کے وسیلے کا بھی پاس نہ رکھا جن کی زچگی کے مراحل میں حضرت سمیہ نے مدد کی تھی۔ ابو جہل نے انہیں اس حد تک سزادی کہ وہ حرکت کے قابل نہ رہیں، لیکن پھر بھی اپنے دین پر حیرت انگیز طور پر ڈٹی رہیں۔

جب وہ ان کا ارادہ بدلنے سے مایوس ہو گیا تو انہیں قتل کر دینے کا فیصلہ کیا۔ انہیں زمین پر گھسیٹتے ہوئے صحن کعبہ میں لے گیا اور لوگوں کے سامنے پوچھا کہ کیا تم محمد کو نہیں چھوڑو گی؟ انہوں نے جواب دیا کہ "جس نے میرے دل کو منور کیا اسے میں ہرگز نہیں چھوڑوں گی"۔ یہ ایمان کی وہ صدا تھی جس کی بازگشت مسلمانوں کے دلوں میں باقی رہے گی۔ اب اس نے ان کے سینے پر ایسا نیزہ مارا کہ ان کی پاکیزہ سانسیں رک گئیں۔ لیکن انہوں نے اپنی جان، جاں آفریں کو سپرد کرنے سے پہلے بتادیا کہ جس چیز نے انہیں اور اوروں کو تمام تر اذیتیں برداشت کرنے کی قوت فراہم کی وہ وہ نور ہے جو محمد ﷺ لے کر آئے اور جس سے ان کے دلوں کو منور کیا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جور جیو لکھتے ہیں کہ جب قریش نے دیکھا کہ اسلام غلاموں میں پھیل رہا ہے اور ہر غلام کو ابو بکر خرید کر آزاد کر رہے ہیں تو انہوں نے ان کے ہاتھوں غلام بیچنے سے منع کر دیا تاکہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ نہ ہوسکے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابو بکر نے اپنی زیادہ تر دولت اسلام کی نشر و اشاعت میں صرف کر دی۔[1]

بلال کی طرح شہیدہ سمیہ کے بیٹے عمار بن یاسر بیس سال کی جواں عمری میں نبی اکرم کے مقرب اور عظیم صحابی ہو گئے، زندگی بھر نبی اکرم کے معاون رہے اور تمام جنگوں میں شرکت کی۔ حضرات ابو بکر، عمر اور عثمان کے زمانۂ خلافت میں زندہ رہے اور حضرت علی کے عہد خلافت میں حضرت معاویہ کے خلاف جنگ میں شہید ہوئے۔[2]

قابل ذکر ہے کہ رسول اکرم کے پیرو کاروں کے پہلے اور دوسرے گروہ میں زیادہ تر لوگ جوان تھے۔ سعد ابن ابی وقاص، علی ابن طالب، زین بن حارث، عمار بن یاسر، بلال بن رباح ابھی جوان ہی تھے اور شاید بلال ان میں سب سے بڑے تھے۔ عمر بن خطاب 26 سال کی عمر میں ایمان لاتے ہیں، عثمان بن عفان 34 سال کی عمر میں اور ابو بکر صدیق

---

[1] جور جیو، مرجع سابق، ص 94

[2] عمار بن یاسر 37 ہجری میں معرکۂ صفین میں شہید ہوئے۔ حضرت معاویہ کے خلاف حضرت علی ابن ابی طالب کی طرف سے لڑ رہے تھے جب کہ عمر 70 سال سے زیادہ ہو چکی تھی۔ نبی اکرم ﷺ کے نزدیک عمار بن یاسر کو خاص مقام حاصل تھا۔ ایک حدیث میں رسول اللہ فرماتے ہیں "جس نے عمار سے دشمنی رکھی اس نے اللہ سے دشمنی رکھی، جس نے عمار سے نفرت کی اس نے اللہ سے نفرت کی۔ عمار نے ایمان کو اپنے گوشت اور خون میں شامل کر لیا۔ عمار کے سامنے جب بھی دو چیزیں پیش کی گئیں اس نے بہتر کو پسند کیا"۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا: "عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا"۔ جب معاویہ کو عمار بن یاسر کے قتل کی خبر دی گئی تو کہا کہ ہم اس کے قتل کے ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ ذمہ دار علی ہیں کیوں کہ وہی اسے معرکہ میں لائے۔ علی نے اس کا جواب دیا کہ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے حمزہ کو قتل کیا وہ نبی اکرم تھے، کیوں کہ وہی انہیں معرکہ میں لے گئے تھے؟ دیکھیں السیرۃ الحلبیہ، مرجع سابق، ج 3، ص 101

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

38سال کی عمر میں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان چنندہ افراد نے بے مثال خوش اسلوبی اور پوری تندہی سے ذمہ داری سنبھالی اور رسول اکرم کی تربیت کے طفیل ہر پہلو سے مثالی جہادی زندگی گزاری۔

ان کے ایمان کی گہرائی اور محبت رسول کو بتانے کے لیے ہم یہاں سعد ابن ابی وقاص کی ماں اور قریش کی ایک معزز خاتون حمنہ بنت سفیان بن امیہ کے ساتھ سعد بن ابی وقاص کا قصہ ذکر کریں گے۔ یہ قصہ انتہائی دلچسپ ہے۔ حمنہ اپنے بیٹے سعد کے پاس پہنچی جب وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ ان کے منہ پر چلائی، ہائے بربادی! سعد تو نے شراب پی ہے ؟ سعد نے جواب دیا، نہیں ماں! مجھے ہدایت مل گئی ہے۔ مجھے دین حنیف کی ہدایت مل گئی ہے جو خیر اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کی دعوت دیتا ہے۔ سعد اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کے لیے مشہور تھے۔

ماں نے ان سے دین محمد ترک کر کے آباء واجداد کے دین کی طرف لوٹ جانے کو کہا لیکن انہوں نے منع کر دیا۔ انہیں اپنا موقف بدلنے کے لیے مجبور کرنے کی اپنی آخری کوشش میں اس نے سعد کے دین محمدی سے پھرنے تک کھانے پینے سے منع کر دیا اور کہا، قسم ہے لات و عزیٰ کی، تمہارے دین محمد پر ہوتے ہوئے مجھے اس گھر میں ٹھہرنا بھی گوارا نہیں۔ انہوں نے جواب دیا میں خدا کے دین کو ہر گز نہ چھوڑوں گا، مجھے گمرہی کے بعد ہدایت اور کفر کے بعد ایمان کی دولت ملی ہے۔

سعد کو دین اسلام ترک کرنے کے لیے مجبور کرنے کی اپنی کوشش میں وہ تین دن تک کھانے پینے سے باز رہی، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ سعد نے اپنی ماں کو ہر طریقے سے مطمئن کرنے کی کوشش کی، لیکن مشرک کا دل اندھا ہوتا ہے جو حقیقت کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتا۔ جب وہ مایوس ہو گئے تو بولے، تم پیو یا نہ پیو، کھاؤ یا مت کھاؤ، بخدا اگر تمہاری سو جانیں ہوں اور ایک کے بعد ایک نکل جائیں تب بھی میں دین محمد کو نہیں چھوڑوں

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

گا۔ جب اس نے ان کے چہرے سے روشن ہوتا ہوا اس قدر ایمان اور یقین دیکھا تو سرکشی سے باز آگئی۔

جو چیز سچ مچ دلچسپ ہے وہ ہے اسلام میں خواتین کا موثر کردار، وہ ہر اعتبار سے مثالی کردار تھا۔ سب سے پہلے جو خاتون اسلام لائیں، وہ حضرت خدیجہ ہیں۔ سب سے پہلے جو خاتون شہید ہوئیں، وہ حضرت سمیہ زوجہ یاسر ہیں۔ سیرت کی کتابوں میں ابتدائی اسلامی تاریخ میں خواتین کے موثر کردار کا تذکرہ ہے۔ بہت سی مسلم خواتین نے مردوں کے شانہ بشانہ امن اور جنگ دونوں قسم کے حالات میں دعوت اسلام کے فروغ اور دفاع میں تعاون پیش کیا۔

اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جو رسول کریم سے مسلم خواتین کی محبت اور ان کی خاطر ہر قسم کی قربانی کو بیان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر مثالی خاتون اور عظیم صحابیہ نسیبہ بنت کعب، جو انصار سے تھیں، نبی کریم کے ساتھ اکثر معرکوں میں شریک ہوئیں۔ وہ عام طور پر زخمی مسلمانوں کی مرہم پٹی کرتیں اور انہیں پانی پلاتیں۔ لیکن معرکۂ احد میں جب انہوں نے دیکھا کہ نبی اکرم دشمنوں کے نشانے پر ہیں تو اپنے جسم سے نبی اکرم کو تحفظ فراہم کیا اور بے مثال حوصلہ کا مظاہرہ کرکے آپ کی جان کا دفاع کیا۔

قسم قسم کی اذیتوں پر ابتدائی مسلمانوں کی قوت برداشت اور غیر معمولی قربانی، وہ بھی پورے طور پر ان کے دلوں میں اسلام جم جانے سے قبل، چاہنے والوں کے لیے باعث رشک اور مشرکین کے لیے باعث حیرت تھی کہ آخر محمد ﷺ نے چند ہی سالوں میں ان کے ساتھ ایسا کیا کیا ہے کہ ان کی اور ان کے دین کی وجہ سے وہ اس قدر اذیتوں پر صبر کرتے اور تمام تر رنج والم برداشت کرتے ہیں۔ وہ ان کے دلوں پر کیسے قابض ہو گئے ہیں۔

ہمیں اس کا جواب صرف اس نور میں ملتا ہے جس کا ذکر اپنی شہادت سے پہلے سمیہ نے کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اذیتوں پر ان کا صبر، جسمانی صبر نہیں تھا، بلکہ وہ روحانی

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

صبر تھا جو تصور سے پرے ہے۔ اگر وہ محمدی روشنی نہ ہوتی جس نے ان کے مردہ دلوں کو زندہ کیا اور ان کا رشتہ زمین کی بجائے آسمان سے استوار کیا تو وہ سب کچھ برداشت نہ کرپاتے جو انہوں نے کرلیا۔

المسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تیسری فصل

نقطہ تبدیلی اور اشاعت اسلام

اللہ کے رسول نے شرک کی مضبوط دیوار میں دراڑ ڈالنے کے لیے زبردست کوشش کی۔ ابتدائی سالوں میں اسلام کی اشاعت سست رفتار رہی۔ پہلے تین سالوں کے دوران دعوت کا کام خفیہ طور پر ہوتا رہا۔ اس کے بعد کے تین سالوں میں نیم اعلانیہ سلسلہ رہا اور چھٹے سال تک رسول کے پیروکاروں کی تعداد چالیس تک بھی نہیں پہنچی۔ لیکن اسی سال اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دو تاریخی ہستیوں سے تقویت بخشی، ایک تو قریش کے ہیرو اور رسول ﷺ کے چچا حمزہ اور ان کے تین دنوں کے بعد عمر بن خطاب اسلام لائے جنہوں نے سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کے معاً بعد اسلام قبول کیا۔

سورۂ طٰہٰ میں ہے: ﴿مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ (2) إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ (3) تَنزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلَى (4) الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ (5) لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَىٰ (6) وَإِن تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى (7)﴾

ترجمہ: اے محبوب ہم نے تم پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ تم مشقت میں پڑو، ہاں ڈرنے والوں کی نصیحت کے واسطے، اس کا اتارا ہوا جس نے زمین اور اونچے آسمان بنائے ، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور جو کچھ ان کے بیچ میں اور جو کچھ اس گیلی مٹی کے نیچے ہے، اور تم بلند آواز سے کہو تو وہ بھید کو جانتا ہے اور اسے جو اس سے بھی زیادہ چھپا ہے۔

سورۂ طٰہ نے عمر کے بند دل کو کھول دیا اور وہ بولے، "یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے"۔ سچ مچ یہ انسان کے بس کا کہاں ہے کہ اس قسم کی آیات لا سکے۔ عمر رسول اللہ کے پاس اپنے اسلام کا اعلان کرنے کی غرض سے پہنچ گئے۔ معلوم ہو کہ اپنی بہن کے گھر میں آیات قرآنیہ پڑھنے سے کچھ ہی دیر پہلے وہ اپنی تلوار لیے دار ارقم میں نبی کو قتل کرنے جا رہے تھے، لیکن اس آیت کے سبب وہ پل بھر میں محمد ﷺ کے قریبی پیروکاروں میں شامل ہو گئے۔

بعد میں حدیث شریف میں آیا کہ "اللہ تعالیٰ نے چار مشیروں کے ذریعے میری مدد فرمائی، جبریل اور میکائیل یہ دو تو اہل آسمان سے اور ابو بکر و عمر، دو اہل زمین سے"۔[1]

وہ بھاری بھرکم اور سخت دل انسان ایک حساس، محبت کرنے والا، عبادت گزار، خدا ترس اور عظیم زاہد بن گیا، لیکن عدل و مساوات کے اصول کے تئیں اپنی شدت اور رجحان کو باقی رکھا اور اپنا فولادی ارادہ نہ کھویا۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں قریش کے طاقتور شخص کے طور پر مشہور تھے اور اسلام لانے کے بعد اس کی عظیم ہستی کے طور پر مشہور ہوئے۔ عمر دوسرے خلیفہ ہوئے اور ان کا نام عدل کا کنایہ اور محمد ﷺ کی روحانی تربیت کا نمونہ ہو گیا اور اسی لیے رسول اکرم نے انہیں فاروق، یعنی عدل و ظلم کے بیچ فرق کرنے والا، کہا۔[2]

---

[1] الحلبی، السیرۃ الحلبیۃ، ج1، مرجع سابق، ص391

[2] یہاں اس بات کی جانب اشارہ مناسب ہے کہ دوسرے خلفاء کی طرح حضرت عمر بن خطاب اور ان کی کامیابیوں کے ذکر کے لیے بھی کتابیں درکار ہیں۔ ان کے ہی عہد میں شام کو بیزنطینی مملکت کے تسلط سے آزادی ملی، ان کے ہی عہد میں عراق کو فارسی استعمار سے آزادی ملی، بلکہ انہوں نے ہی ساسانی سلطنت کو صفحۂ ہستی سے مٹایا۔ چند ہی سالوں میں انہوں نے اس عہد کی عظیم سلطنتوں کا خاتمہ کیا۔ انہوں نے ہی بیت المقدس فتح کیا اور اس کی کنجیاں حاصل کیں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مسلمانوں کی جماعت میں عمر اور حمزہ کے شامل ہونے سے رسول اکرم اور ان کے پیرو کاروں کے ارد گرد علاحدگی کا دائرہ ٹوٹ گیا اور دعوت اعلانیہ ہو گئی۔ شرک کی دیوار میں ایک بڑی دراڑ آگئی جس سے اقرأ کی روشنی دوسری طرف پہنچ سکے۔ عمر پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو کھل کر آنے کو کہا۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم حق پر ہیں تو کیوں نہ اپنے دین کی پیروی کھل کر کریں؟

سچ مچ ان دونوں کے سبب مسلمانوں نے راحت کی سانس لی اور ان کے عزم کو بہت تقویت پہنچی، چنانچہ وہ اپنے اسلام کا اعلانیہ مظاہرہ کرنے لگے، کعبہ کے گرد تکبیر و تہلیل کہتے ہوئے طواف کرتے اور مسجد حرام میں نماز پڑھتے۔ اس کے بعد پھر سے ان پر شدید بحران کا دور آیا۔

عمر کے مسلمان ہونے کے ساتھ مسلمان مردوں کی تعداد 40 ہو گئی، چند خواتین بھی اسلام لا چکی تھیں۔ بنی ہاشم کے علاوہ قریش کی دیگر شاخوں کی بعض شخصیات مثلاً بنی تیم سے ابوبکر، بنی امیہ سے عثمان کے اسلام میں داخل ہو جانے سے قریش کو بڑا اندیشہ ہوا۔

یہ لوگ ان اہم قبیلوں کے نمائندے تھے جن سے قبیلۂ قریش کی تشکیل ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی صف میں ان کے داخل ہو جانے سے قریش کی وحدت پر ضرب پڑنا اور ان کی بنیاد کا ہل جانا واضح تھا۔ لیکن جس چیز نے قریش کے اندیشہ کو بہت گہرا اور ان کی پریشانی میں اضافہ کر دیا وہ عمر بن خطاب کا مسلمان ہونا ہے، جو کہ قریش کے تیسرے قبیلہ بنی عدی سے تھے۔

عمر بڑی بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ ابلیس بھی راستے میں انہیں دیکھ لے تو کنارہ کشی اختیار کرتا تھا، جیسا کہ ان کے بارے میں رسول اکرم نے فرمایا۔ قابل توجہ ہے کہ اسلام سے پہلے وہ اپنے ماموں ابو جہل کی طرح محمد ﷺ اور آپ کے ماننے والوں

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھے۔ قریش کے لیے یہ سوال بڑا پریشان کن سوال رہا کہ محمد کے اتنے سخت دشمن کیسے ان کے تابع فرمان اور چاہنے والے ہو گئے؟

واقعہ یہ ہے کہ قریش کو کل پریشان کرنے والا سوال مشرکین کے لیے ہر عہد میں پریشان کن رہا اور وہ یہ کہ وہ کون سی چیز ہے جو روے زمین کی کسی بھی نسل، زبان اور تہذیب سے تعلق رکھنے والوں کو اپنے نبی سے اس قدر محبت کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ مشرکوں کو اس کا جواب نہیں مل سکتا۔ روحانی اور وجدانی رشتوں کو مشرک کیسے سمجھ سکتا ہے۔ یہ تو حد درجہ خاص رشتے ہوتے ہیں جو دوسرے تمام تر انسانی رشتوں سے بلند تر ہوتے ہیں۔

اس روشن چراغ کے لیے یہ ضروری تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں اپنی فطری جگہ لے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کی محبت کو ایمان کی شرط قرار دیا۔ محبت رسول ایمان کا اتنا اہم حصہ ہو گئی کہ اس کے بغیر کوئی مومن نہیں ہو سکتا۔ جس قدر رسول سے محبت ہو گی، اسی قدر اللہ سے محبت ہو گی اور ایمان میں پختگی آئے گی اور مظہر کمال سے مومن کی محبت اس کے دل کو ہمیشہ کے لیے کمال سے وابستہ کر دے گی۔

بعد میں جب عمر بن خطاب نے نبی اکرم کو فرماتے ہوئے سنا، "تم میں سے کوئی شخص تب تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان، مال، اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"، تو عمر عرض گزار ہوئے، "یا رسول اللہ! آپ مجھے ہر شے سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری جان کے جو میرے دونوں پہلوؤں کے بیچ ہے"۔ اللہ کے رسول نے فرمایا، "تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔ عمر نے جواب دیا، "قسم خدا کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی، آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں"۔ نبی اکرم نے فرمایا، "اب مومن کامل ہوئے اے عمر!"

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

انصار کی دعوت: قرآن کے ذریعہ مدینہ کی فتح

دعوت و تبلیغ کی مسلسل کوششوں کے ضمن میں رسول ﷺ الگ الگ موسم میں مکہ آنے والے قبائل سے ملاقات کرتے اور انہیں اسلام سے متعارف کرنے کی کوشش کرتے۔ یقیناً آپ کی تمام کی تمام کوششیں کامیاب نہیں ہوئیں۔ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے یہ کہہ کر آپ کی بات ٹھکرائی کہ آپ کے گھر اور خاندان کے لوگ آپ کو زیادہ جانتے ہیں جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار نہیں کی ہے۔ لیکن کچھ کوششیں کامیاب بھی ہوئیں۔ یثرب کے لوگوں سے آپ کی پہلی ملاقات میں ایسا ہی ہوا۔

جب رسول اکرم کو یہ پتہ چلا کہ وہ قبیلۂ خزرج سے ہیں تو آپ نے ان سے فرمایا، کیا آپ لوگ یہود کے ساتھ دوستی رکھنے والوں میں سے ہو؟ انہوں نے کہاہاں۔ آپ نے فرمایا، کیا ہم بیٹھ کر باتیں کریں؟ وہ آپ کے ساتھ بیٹھ گئے، آپ نے ان پر اسلام پیش کیا اور انہیں اللہ کی طرف بلایا، پھر قرآن کی کچھ سورتیں پڑھیں۔ آیات قرآنیہ سن کر ان کے دل کھل گئے اور ایک دوسرے سے گویا ہوئے، "یہ وہی نبی ہیں جن کی یہود تمہیں دھمکی دیتے ہیں، دیکھوان کے معاملے میں یہود تم پر سبقت نہ لے جائیں"۔

انصار جانتے تھے کہ یہودی آپس میں بات کرتے ہیں کہ انہیں اپنی قوم سے نبی کی آمد کاانتظار ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں عرب میں پیدا کیا۔ چنانچہ انہیں ذرا بھی تردد نہ ہوا اور فوراً رسول کی تصدیق کی اور مسلمان ہو گئے۔ پھر آپ سے عرض گزار ہوئے، "ہم اپنی قوم کو ایسی حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ وہ آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے، شاید اللہ آپ کے طفیل انہیں متحد کر دے۔ ہم ان کے پاس جائیں گے اور آپ کے دین کی دعوت دیں گے

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جو ہم نے آپ کے ہاتھوں پر قبول کیا ہے۔ اللہ اگر انہیں اس دین پر جمع کر دے تو آپ سے زیادہ عزیز کوئی نہ ہو گا"۔[1]

آخر کار اہل یثرب کو وہ نبی مل گئے جن کی انہیں بشارت دی گئی تھی۔ انہیں وہ نبی مل گئے جن کی یہود انہیں دھمکی دیتے تھے۔ لیکن وہ یہود کے حلیف کبھی نہ ہوں گے، بلکہ وہ ایسے نبی ہوں گے جو ایک دوسرے سے برسرپیکار اوس و خزرج کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر دیں گے، اور جو ان کے آپسی اختلافات اور جھگڑوں کو میل جول اور قبائلی جنگوں کو اخوت اسلامی اور دائمی امن سے بدل دیں گے۔

ان لوگوں کے یثرب لوٹنے کے ساتھ ہی اہل یثرب اسلام سے متعارف ہونے لگے۔ جلد ہی اسلام ان کے بیچ عام ہو گیا اور ان کے دل پیغام محمدی کو گلے لگانے اور اس کا دفاع کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس کے بعد ان کے اور رسول اکرم کے بیچ تعلقات بڑھے جس کے نتیجے میں نبوت کے تیرہویں سال عقبہ کی مشہور بیعت ہوئی اور جس کے سبب مدینہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت ہوئی۔

دوسری طرف جب مکہ میں مسلمانوں کی آزمائش مزید بڑھی تو رسول اکرم کے سامنے اپنے ساتھیوں کی حفاظت کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ بچا کہ انہیں ہجرت حبشہ کی اجازت دے دیں۔ آپ نے فرمایا: "اگر آپ حبشہ چلے جائیں تو اللہ آپ کے لیے آسانی فرمائے گا۔ وہاں ایک بادشاہ ہے جس کے یہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ وہ سچائی کی جگہ ہے"۔

اپنے پیروکاروں کو مشرکین سے بچانے کے لیے اللہ کے رسول نے صاحب فضل مسیحی بادشاہ اصحمہ، جس کا لقب نجاشی تھا، کی مدد لی۔ آپ نے اس کے عدل کی تعریف کی اور اس کی سرزمین کو سچائی کی سرزمین کہا۔ آپ نے کفر یا شرک سے اسے موصوف

---

[1] طبارہ، عفیف بن عبد الفتاح، مع الأنبیاء فی القرآن الکریم، دار العلم للملایین، بیروت، 1989، ص 362

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نہیں کیا، بلکہ عادل بادشاہ کہا اور اس میں خیر کی علامت پائی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اسے اپنا حلیف سمجھا جو آپ کے مسلم پیروکاروں کو مشرکین مکہ کے ظلم سے بچائے۔ پیغمبر اسلام کے نزدیک مسیحی بادشاہ اصحمہ کا یہ مقام تھا۔ بعد میں نبی اکرم کے اس اعلی اخلاقی برتاؤ کے بہترین نتائج نکلے۔

مردوں اور عورتوں کے دو جتھے نکلے۔ پہلے جتھے میں نبی کے چچازاد بھائی اور مشیر جعفر ابن ابی طالب کی جماعت تھی۔[1] یہ وہ یگانہ اور بہادر جوان ہیں جو ہجرت کے آٹھویں سال مسلمانوں اور اہل روم کے بیچ ہوئی جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ دوسرے جتھے میں ابو موسیٰ اشعری کی جماعت تھی۔ تقریباً اسّی مہاجرین تھے، جن میں تیسرے خلیفہ عثمان بن عفان اور ان کی اہلیہ صاحبزادی رسول رقیہ تھیں۔ نبی اکرم کی دو صاحبزادیوں سے شادی کرنے کے سبب ان کی کنیت ذوالنورین پڑی۔ پہلے تو انہوں نے رقیہ سے شادی کی جنہوں نے ان کے ساتھ ہجرت کی اور ان کی وفات کے بعد ان کی بہن ام کلثوم سے شادی کی۔

جب نجاشی بلیغ جوان جعفر بن ابی طالب کے ذریعے رسالت محمدی اور اس کے ساتھ پوری انسانیت کے لیے آنے والی رحمت و برکت سے واقف ہوا، خاص کر جب اسے اسلام میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ مریم بنت عمران علیہم السلام کے مقام کا پتہ چلا تو اپنے مسلم مہمانوں کا بہت ہی شاندار استقبال کیا اور انہیں اپنے ملک میں امن اور باعزت قیام کی ضمانت دی۔ سورۂ مریم کی آیات سننے کے بعد نجاشی نے کہا کہ بے شک یہ اور جو حضرت عیسیٰ لے کر آئے وہ ایک ہی طاق سے نکلتے ہیں۔

---

[1] ایک حدیث شریف میں آیا ہے: "مجھ سے پہلے جو بھی نبی ہوئے انہیں 7 اچھے ساتھی اور مشیر دیے گئے، جب کہ مجھے 14 دیے گئے: حمزہ، جعفر، علی، حسن، حسین، ابوبکر، عمر، عبد اللہ بن مسعود، ابوذر، مقداد، حذیفہ، سلمان، عمار اور بلال"۔

بعد میں جب قریش بھاگے ہوئے مسلمانوں کی سپردگی کی غرض سے عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ پر مشتمل وفد نجاشی کے پاس بھیجتے ہیں تو وہ اپنے پناہ گزینوں کو سپرد کرنے سے منع کر دیتا ہے اور ان کے نمائندے تحفے و تحائف لے کر جنہیں نجاشی نے رشوت کہ کر ٹھکرا دیا ناکام و نامراد واپس لوٹ جاتے ہیں۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہجرت حبشہ سب کے لیے مفید ایک دینی اور تہذیبی تجربہ ثابت ہوئی، کیوں کہ اس سے عرب مسلمانوں اور افریقی عیسائیوں کے بیچ تہذیبی رشتہ استوار ہوا اور صاحب حکمت رسول کا فیصلہ آج بھی افریقہ میں اسلامی مسیحی اخوت کے جذبات کو غذا فراہم کر رہا ہے۔

بوطی رحمۃ اللہ علیہ نجاشی کی بات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بات بدیہی الثبوت ہے کہ سارے کے سارے انبیاء ایک ہی دین لے کر آئے اور اس کے متعلق ان کے بیچ ذرا بھی اختلاف نہ تھا۔ اسی طرح اہل کتاب کا آپسی اختلاف بھی ان کے پاس یقینی علم آجانے کے بعد نفس کی پیروی کے نتیجے میں ہوا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انجیل اور توریت پر حقیقی ایمان کا تقاضہ ہے کہ انسان قرآن اور محمد ﷺ پر ایمان لائے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ اہل کتاب کو صرف اس بات کی دعوت دیں کہ وہ اسلام کے متعلق توریت و انجیل کی تعلیمات کو مان لیں، کیوں کہ یہ تعلیمات خود ہی اپنے پیروکاروں کو اللہ کے نبی اور ان کی رسالت پر ایمان کی دعوت دیتی ہیں[1]۔ اللہ عزو جل نے ارشاد فرمایا ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ﴾ (المائدہ:68)

ترجمہ: آپ فرما دیں کہ اے کتابیو! تم کچھ بھی نہیں ہو جب تک تم توریت و انجیل اور جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے اترا اسے قائم نہ کرو۔

---

[1] البوطی، محمد سعید رمضان، فقہ السیرۃ النبویۃ، دار السلام، دمشق، 2015، ص 94

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مسلمان قریب پندرہ سال تک حبشہ میں رہے، جہاں انہیں اس کے عادل بادشاہ کی حمایت حاصل رہی۔ ام سلمہ جو مہاجرین میں شامل تھیں، اس بات پر اپنی گواہی پیش کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ "جب ہم سرزمین حبشہ پہنچے تو ہمیں نجاشی جیسا بہتر پڑوسی ملا، ہمیں اپنے دین کے معاملے میں امان ملی، ہم آزادی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، نہ تو ہمیں کوئی اذیت پہنچتی اور نہ ہم کوئی ناگوار بات سنتے"۔ نبی اکرم ﷺ اور شاہ حبشہ کے بیچ ہوئے خط و کتابت سے دونوں کے بیچ محبت و احترام کے رشتہ کا پتہ چلتا ہے۔

جیسا آپ کے رب نے آپ کا نام رکھا آپ ویسے ہی 'رؤوف رحیم' ہیں

دوسری طرف مکہ میں تمام تر مشکلات کا سامنا کرنے کے باوجود اللہ کے رسول نے اپنی دعوت کا سلسلہ جاری رکھا جو اب پورے جزیرۂ عرب میں مشہور ہو گئی تھی۔ اپنی کوششوں کے ضمن میں اللہ کے رسول مقام طائف کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے وہاں پیادہ پاؤں تشریف لے گئے جو مکہ سے دسیوں میل دور ہے۔

آپ وہاں قبیلہ ثقیف کے سرداروں سے ملے۔ وہ تین بھائی تھے۔ ان سے ملنے کا مقصد یہ تھا کہ شاید وہ ایمان لے آئیں اور ان کی اتباع میں ان کا قبیلہ مسلمان ہو جائے اور اس طرح قریش کے مقابلے میں رسول اکرم کو ضروری سہارا مل جائے۔ آپ نے ان کے سامنے اسلام کی وضاحت کی اور انہیں اس کی دعوت دی۔ ان کا موقف غیر متوقع طور پر حد درجہ برا اور دشمنی پر مبنی تھا اور ان کا رد عمل اس سے بھی زیادہ برا رہا۔ چنانچہ ایک نے کہا: "کیا اللہ کو تمہارے علاوہ کوئی نہیں ملا جسے رسول بنا کر بھیجے؟"

ناامید ہو کر اللہ کے رسول نے طائف اور اس کے باشندوں کو چھوڑ دیا، لیکن ان لوگوں نے آپ کو سلامت نہ چھوڑا۔ ان کے ناہنجاروں اور بچوں نے آپ کو اذیتیں پہنچائیں اور آپ پر پتھر برسائے جن سے آپ کے پاؤں مبارک لہولہان ہو گئے۔ گاؤں سے نکل کر ا

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ایک باغ کے کنارے پیڑ کے سائے میں بیٹھ کر آپ اپنے پاؤں سے خون پونچھنے اور زخموں پر پٹی باندھنے لگے اور اپنے رب سے دعا کرنے لگے: "اے اللہ! میں تجھ سے اپنی کمزوری، وسائل کی کمی اور لوگوں کے ہاتھوں اپنی بے سروسامانی کی شکایت کرتا ہوں۔ تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے، تو کمزوروں کا رب ہے، تو میرا راب ہے، تو مجھے کس کے بھروسے چھوڑ رہا ہے؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی چیز کی پروا نہیں۔"

اس وقت جب آپ کے پاس فرشتہ آیا کہ طائف والوں کو ان کے کرتوت کی سزا دینے کے لیے آپ کا حکم نافذ کرے تو آپ نے فرشتے سے فرمایا: "میں ان سے ناامید ہوں، لیکن شاید اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے جو اس کی عبادت کریں اور شرک نہ کریں"۔ اس وقت فرشتے نے آپ سے کہا: "جیسا آپ کے رب نے آپ کا نام رکھا ہے، آپ ویسے ہی 'رؤوف رحیم' (انتہائی مہربان اور رحم والے) ہیں"۔[1]

جن لوگوں نے اس برے طریقے سے اذیت پہنچائی، اللہ کے رسول نے ان کے لیے بھی بد دعا نہیں کی، بلکہ اپنے رب سے یہ دعا کی کہ انہیں معاف کردے کیوں کہ وہ جانتے نہیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے بعد میں ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کیے جو اللہ کی عبادت کرنے والے اور اس کے دین کی مدد کرنے والے تھے۔ یہاں رسول اکرم نے عفوو درگذر اور حلم و بردباری کا ایک اور سبق دیا کہ آپ نے انہیں نہیں دیکھا جنہوں نے آپ کو تکلیف پہنچائی، بلکہ ان کی اولاد و احفاد کو دیکھا اور یہ امید رکھی کہ وہ مسلمان ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی امید کو صحیح ثابت کیا۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ جب آپ درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے تو باغ کے مالک نے آپ کو دیکھ کر عداس نامی ایک خادم کو انگور کا گچھا لے کر بھیجا۔ عداس نے اسے برتن میں رکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اللہ کے رسول نے انگور لیا اور بسم اللہ

[1] السیرۃ الحلبیۃ، ج1، ص504

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پڑھی۔ عداس نے نبی اکرم کو دیکھا اور کہا، اس طرح کا جملہ اس شہر کے لوگ تو استعمال نہیں کرتے۔ رسول اکرم نے اس سے پوچھا: عداس تم کس ملک کے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا، اچھا مرد صالح یونس بن متی کے گاؤں کے ہو۔ اس نے حیرت سے پوچھا، آپ کو کیسے پتہ کہ یونس بن متی کون ہے؟ بخدا جب میں نینوا سے نکلا تھا تو وہاں دس لوگ بھی ابن متی کو جاننے والے نہ تھے۔ اللہ کے رسول نے فرمایا، وہ میرے بھائی ہیں، وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ یہ سن کر عداس آپ کے سر اور دست مبارک کو بوسہ دینے لگا اور مسلمان ہو گیا۔

قریش کی عداوت بڑھتی رہی۔ جب وہ تمام تر کوششوں کے باوجود مسلمانوں کی سرگرمیوں کو روک نہیں سکے تو بعثت کے ساتویں سال انہیں ان کے غرور نے ایک عجیب و غریب اور اہل عرب کی مشہور خصلت مروت کے منافی ظالمانہ فیصلہ لینے پر آمادہ کیا۔ ایسا فیصلہ جس کے تحت محمد ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کی حفاظت کی سزا کے طور پر قبیلہ بنی ہاشم اور ان کے ہم نواؤں کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔

قریش کے سبھی نو قبائل نے آپس میں ایک معاہدے پر دستخط کیا جس کے بموجب رسول، ان کے متبعین اور ان کا دفاع کرنے والوں، یعنی بشمول مسلم و غیر مسلم پورے قبیلہ بنی ہاشم کا اجتماعی بائیکاٹ کر دیا گیا۔ بلاشبہ یہ ایک بہت ہی بڑا اور خطرناک مسئلہ تھا۔ معاہدے میں یہ بھی ذکر تھا کہ ان کے ساتھ تجارتی لین دین نہیں ہوگا، نہ ان سے کچھ خریدا جائے گا نہ انہیں بیچا جائے گا، بلکہ ان کے ساتھ شادی بیاہ بھی نہیں کی جائے گی۔ مکمل بائیکاٹ، اقتصادی بھی اور سماجی بھی۔ قبائل قریش کے دستخط شدہ اس عہد نامے کو خانۂ کعبہ کی اندرونی دیوار پر لٹکا دیا گیا۔

یہ بائیکاٹ تین سال کی لمبی مدت تک رہا۔ اس بیچ اقتصادی اور سماجی بدحالی کے سبب بنوہاشم اور مسلمان مکہ کی گھاٹیوں کی طرف نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ انہوں نے طرح طرح

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کی اذیتیں اور مشقتیں برداشت کیں اور ایسی سختیاں جھیلیں جو ان کے بس میں نہیں تھیں۔ بعض اوقات یہ سختی بھوک مری کی حد تک پہنچ گئی۔ سیرت کی بعض کتابوں میں ہے کہ بعض لوگ زندہ رہنے کے لیے گھاس پھوس کھانے پر مجبور ہوگئے۔ حضرت خدیجہ نے بنوہاشم کو غذا اور رسد فراہم کرنے کے لیے اپنی ساری دولت خرچ کردی۔ ایسا ہی بنو تیم کے مالداروں نے کیا جن میں سے ایک ابوبکر صدیق بھی تھے۔

سب نے حیرت انگیز طور پر صبر کا مظاہرہ کیا اور بے مثال بہادری سے ہر قسم کی سختی برداشت کی۔ حالاں کہ ان کی غالب اکثریت مسلمان نہیں تھی، لیکن وہ محمد ﷺ کے دفاع کے موقف پر ڈٹے رہے اور ایک ایسے رسول کے دفاع کے سبب جس پر وہ اب تک ایمان بھی نہیں لائے تھے، بنوہاشم کو مادی نقصانات کے ساتھ ساتھ معنوی نقصانات بھی اٹھانے پڑے۔

اس طرح تین دشوار گزار سالوں کے بعد ہشام بن عمرو بن ربیعہ اور ایک قول کے مطابق زہیر بن ابی امیہ نے پہل کی۔ دونوں مشرک تھے۔ وہ اس ظالمانہ معاہدہ سے ناراض تھا۔ اس نے سرداران قریش کو مخاطب کرکے سخت لہجے میں کہا: ”اے اہل مکہ! کیا ہم کھائیں اور کپڑے پہنیں اور خرید و فروخت پر پابندی کے سبب بنوہاشم ہلاک ہوجائیں؟ بخدا میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک یہ ظالمانہ دستاویز پھاڑ نہ دی جائے“۔[1]

بعض لوگوں کی مخالفت کے باوجود آخر کار پابندی ختم ہوئی۔ ایسا لگتا ہے کہ خود قریش میں اس غیر فطری صورت حال کے سبب ہونے والے مادی نقصانات کو برداشت کرنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ قریش کے اس غیر انسانی اور غیر اخلاقی رویے سے عرب قبائل کی ناپسندیدگی کے سبب جو معنوی نقصانات ہوئے وہ الگ۔

---

[1] الندوی، مرجع سابق، ص139؛ الجزائری، مرجع سابق، ص85

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

آخر کار بائیکاٹ ختم ہوا۔ لیکن رسول اکرم اور آپ کے ماننے والوں کے حق میں قریش کا دشمنانہ برتاؤ جاری رہا، بلکہ اس میں اور اضافہ ہو گیا۔ اور سچائی یہ ہے کہ آنے والے تین سال جو رسول نے ترک وطن اور یثرب کی ہجرت پر مجبور ہونے سے پہلے گزارے وہ مکہ کے دشوار ترین دن ثابت ہوئے۔

لیکن جس بات نے اللہ کے رسول کو سب سے زیادہ دکھ پہنچایا وہ آپ کے دل کے سب سے قریب انسان چچا ابو طالب کی موت ہے۔ یہ وہ عظیم الشان بزرگ تھے جنہوں نے آپ کے بچپن میں آپ کی پرورش کی، جوانی میں آپ کی سرپرستی کی اور بعثت کے بعد سے اپنی زندگی کی آخری سانس تک آپ کا دفاع کیا۔ ان کے بارے میں رسول اکرم نے فرمایا: ابو طالب کے مرنے تک قریش میرے ساتھ ایسا کچھ بھی نہیں کر سکے جو مجھے ناگوار ہو۔ اس کے صرف تین دن کے بعد آپ کی بیوی خدیجہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہو گیا جو آپ کی شریک حیات تھیں اور آپ پر سب سے پہلے ایمان لائی تھیں۔ اللہ کے رسول نے اس سال کا نام "عام الحزن" یعنی غم کا سال رکھا۔

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا

بعثت کے گیارہویں سال معراج کا سب سے بڑا خدائی واقعہ پیش آیا۔ یہ اللہ کے حبیب کے لیے ایک منفرد خدائی اعزاز تھا، جس میں جبریل اللہ کے رسول کو رات کے وقت مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ لے گئے جہاں آپ نے دیگر انبیاء و رسل کو نماز پڑھائی۔ پھر وہ آسمانی دنیا میں اپنی اپنی جگہ لوٹ گئے تاکہ ہر کوئی اپنی اپنی جگہ سے آپ کا استقبال کر سکیں۔

اللہ کے رسول نے معراج کا سفر جاری رکھا اور جبریل کی معیت میں بلند آسمانوں تک اس ملاقات کی غرض سے گئے جسے آخری پیغمبر اور اپنا حبیب ہونے کے ناطے خدا نے آپ کے لیے خاص فرمایا تھا۔ اس سلسلے میں سورۃ الإسراء نازل ہوئی۔ ﴿سُبْحَانَ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (1)﴾

ترجمہ: پاکی ہے اسے جو راتوں رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔

مسجد اقصیٰ میں رسول اکرم کے ذریعہ دیگر انبیاء ورسل کی امامت خاتم الانبیاء کے طور پر محمد ﷺ کے مرتبے کی تاکید کے لیے تھی۔ قرآن اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام انبیاء ورسل سے قرآنی احکامات کی پیروی کا عہد لیا تھا، کیوں کہ قرآنی احکامات اور ان پیغامات میں جو دوسرے انبیاء پہلے لے کر آئے کوئی تعارض نہیں ہے، بلکہ وہ تو ان کا ہی تسلسل ہے۔

آیت کریمہ ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ﴾ (آل عمران: 81)

ترجمہ: اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جو کتاب و حکمت تمہیں عطا کروں، پھر تمہارے پاس تمہاری کتابوں کی تصدیق کرنے والا رسول آئے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا، کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا کہ ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ اللہ عز و جل نے پہلے ہی انبیاء کو ظہور محمدی کے بارے میں بتا دیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ اگر وہ محمد ﷺ کا زمانہ پائیں اور انہیں یقین ہو جائے کہ وہ ان کی لائی ہوئی تعلیمات کی تصدیق کرتے ہیں تو ان کی نبوت پر

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ایمان لائیں، ان کی پیروی کریں اور ان کی مدد کریں۔ جب انبیاء نے اس کا اقرار کر لیا تو اللہ نے انہیں اس بات پر گواہ بنا دیا اور خود بھی ان کے ساتھ گواہ ہو گیا۔

پھر نبی اکرم بلند آسمانوں پر تشریف لے گئے تاکہ اللہ انہیں اپنی عظیم نشانیاں دکھائے، اس کے بعد ساتویں آسمان پر لے جائے گئے۔ سدرۃ المنتہی کے بعد جبریل کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس سے اس بات کی تاکید ہوتی ہے کہ آپ نے سچ مچ اپنے رب کو دیکھا۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے نماز پنجگانہ فرض کی۔ پھر آپ اسی رات مکہ لوٹ گئے۔

واپسی پر اللہ کے رسول نے بلند آسمانوں کے اپنے سفر کی تفصیلات کے بارے میں بات نہیں کی۔ لیکن آپ نے یہ ذکر فرمایا کہ آپ کو رات کے وقت بیت المقدس لے جایا گیا۔ قریش نے آپ کو جھٹلایا اور ابو لہب اور ابو جہل نے آپ کا مذاق اڑانے کی کوشش کی۔ جب کہ ابو بکر نے سب سے پہلے آپ کی تصدیق کی اور کہا کہ میں آپ کی تصدیق کیوں کر نہ کروں جب میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ ہر روز آپ پر آسمان سے وحی آتی ہے۔

ایک بار جب عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے آپ کے سفر آسمان کے بارے میں پوچھا کہ کیا آپ نے سچ مچ اللہ کو دیکھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ "وہ نور ہے، میں اسے کیسے دیکھتا"۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ "میں نے ایک نور دیکھا"۔ آپ نے اقرار یا انکار میں دلچسپی نہیں لی اور بس اس جملے پر اکتفا فرمایا۔ اس مختصر جملے میں منفی سے زیادہ مثبت پہلو کی گنجائش ہے۔ کیا اللہ آسمانوں اور زمین کا نور نہیں ہے؟

جہاں سورۃ اسراء محمد ﷺ کے سفر بیت المقدس اور وہاں سے بلند آسمانوں کے سفر کی خبر پر اکتفا کرتی ہے، وہیں سورۃ نجم جلال و جمال سے بھرپور خدائی زبان میں معراج کی تفصیلات بتاتی ہے۔ ہمیں ان باتوں میں غور کرنا چاہیے جو سورۃ نجم کہتی ہے: ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

هَوَىٰ (1) مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (2) وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ (3) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (4)
عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ (5) ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ (6) وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ (7) ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ (8) فَكَانَ
قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ (9) فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ (10) مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ (11)
أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ (12) وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ (13) عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ (14) عِندَهَا جَنَّةُ
الْمَأْوَىٰ (15) إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ (16) مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ (17) لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ
رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ (18)﴾

ترجمہ: قسم ہے چمکتے تارے کی جب وہ اترے۔ تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔ وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو اللہ کی وحی ہے جو انہیں کی جاتی ہے۔ انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔ پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارہ پر تھا۔ پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا، پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ یا اس سے بھی کم فاصلہ رہا۔ اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔ تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو؟ اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اس کے پاس جنۃ الماویٰ ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ بے شک انہوں نے اپنے رب کی عظیم نشانیاں دیکھیں۔

علماء و مفسرین کے بیچ اس مسئلے میں اختلاف ہے، اول تو آسمان پر جانے کی کیفیت سے متعلق کہ کیا وہ جسمانی اور روحانی دونوں تھا یا صرف روحانی تھا اور دوسرے اس بات میں کہ آپ نے سچ مچ اپنے رب کو دیکھا یا نہیں دیکھا۔ پہلے ہم دیکھنے والے موضوع کو لیتے ہیں۔

اپنی خوبصورت اور اصحاب خرد کے لیے واضح زبان کے باوصف سورۃ نجم کی آیات میں کسی قسم کی شرح یا تاویل کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ "نجم" کی قسم

کھا رہا ہے۔یہ بہت بڑی قسم ہے اگر تمہیں یہ معلوم ہو کہ اللہ کے رسول صرف سچ بولتے ہیں اور اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے۔

اللہ سبحانہ تاکید فرماتا ہے کہ تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور یہ کہ آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی اور دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا، ان آیات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کا دفاع فرما رہا ہے۔ اور یہ اس بات پر کہ اللہ کی ملاقات اپنے نبی سے سچ مچ ہوئی ایسی تاکید ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں۔

اللہ تعالیٰ خود شک کرنے والوں سے پوچھ رہا ہے: "تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے پر جھگڑتے ہو؟" یعنی کیا تم ان سے جھگڑتے ہو اور اس بابت شک کرتے ہو جو انہوں نے دیکھا یا اس چیز کے متعلق شک کرتے ہو جو وہ کہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ خود اپنے رسول کا ایسے واضح جوابات کے ذریعے دفاع فرماتا ہے جن میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ صرف مشرکین سے خطاب نہیں فرماتا، بلکہ مومنین سے بھی خطاب فرماتا ہے۔ پھر آیت کریمہ کہتی ہے: "اور اس نے اسے دوبارہ دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، جس کے نزدیک جنۃ الماویٰ ہے"۔ یعنی اس نے جنۃ الماویٰ کے پاس وہ جلوہ دوبارہ دیکھا۔ جس چیز سے اس کی تاکید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام تک کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دی گئی، کیوں کہ ہر کسی کی ایک متعین حیثیت ہوتی ہے اور نبی ﷺ جبریل علیہ السلام سے بہت بلند رتبہ ہیں۔

رہ گیا یہ سوال کہ کیا آپ نے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا یا بصیرت کی نگاہوں سے؟ اور کیا روح کی اپنی آنکھیں (بصارتیں) نہیں ہوتی ہیں؟ آیت تو اس بات کی تاکید کر رہی ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا۔ رہ گئی یہ بات کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے رسول کے لیے کس طرح رونما ہوا، تو یہ اس بات پر منحصر ہے کہ آپ کا آسمان بریں کا سفر جسمانی تھا یا

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

روحانی، اور یہ علوم غیب سے ہے۔ ہمارے لیے تو اتنا کافی ہے کہ نبی کے فرمان اور آیات قرآنیہ کی تاکیدات پر ایمان رکھیں اور اصل معنی پر توجہ کریں۔

جب ہم انسان یہ تصور نہیں کر سکتے کہ یہ سب کیسے ہوا، تو ہمارے لیے اس میں شک کرنا بھی مشکل ہے۔ پھر ہم سورۂ نجم میں خود اللہ سبحانہ تعالیٰ کی تاکیدات کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔ یہ عقلی طور پر بھی ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر کے پاس انہیں آسمان بریں کی سیر کرانے کی غرض سے بلاوا بھیجے اور ملاقات نہ کرے۔

پھر خداوند تعالیٰ کی جانب سے تعریفات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ سورۂ نجم میں اللہ تعالیٰ مصطفی ﷺ کی بار بار تعریف بیان کرتا ہے۔ آپ کے صدق کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تمہارے صاحب بے راہ نہ چلے، آپ کے علم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ آپ کو زبردست قوتوں والے طاقتور نے علم عطا کیا ہے، آنکھ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ آپ کی آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی، آپ کے علوم کی جو پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ بے شک آپ نے اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں اور اللہ نے وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔

جب مومن اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو رات کے وقت آسمان بریں پر لے جایا گیا اور آپ اسی رات واپس لوٹ گئے، پھر وہ اس بات کی کیوں کر تصدیق نہیں کرے گا کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا جو آپ کو ساتویں آسمان پر لے گیا۔

یہ خداوند تعالیٰ کی جانب سے ایسا منفرد اور خاص اعزاز تھا جو آپ سے پہلے کسی رسول کو نہیں بخشا گیا۔ رہ گئی بات معراج کی نوعیت کی تو وہ انسان کے محدود تصور سے پرے ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اپنے نبی کو

جس طریقے سے اور جیسے چاہے معراج کرائے۔ کیوں کہ جیسے اس کے علم کی کوئی حد نہیں اسی طرح اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں۔

لیکن لگتا ہے کہ معراج جسمانی نہیں، بلکہ روحانی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمان و مکان کی طرح جسم کا بھی تعلق مادی دنیا سے ہے اور مٹی سے بنا جسم کیسے روشنی سے زیادہ تیز رفتار سے اوپر جاسکتا ہے! رہی بات عالم ارواح کی تو اس کا تعلق آسمانی دنیا سے ہے اور اس لیے روح ضروری رفتار سے اوپر جاسکتی ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے روح کو جسم سے کہیں زیادہ قوت سے نوازا ہے۔ چنانچہ روح سنتی دیکھتی ہے اور اس کی بھی اپنی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

یہاں ایک دوسری تفسیر بھی ہے جو کہ قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ معراج میں آپ کی قلبی بصیرت وا کر دی گئی جس سے آپ دوسری دنیا کے انوار کا مشاہدہ کر سکیں، چنانچہ آپ کا دل دوسری دنیا کا سفر کرتا رہا جب کہ جسم بستر سے ہلا بھی نہیں۔ آپ کی روح آسمان بریں پر گئی، رب سے ملاقات ہوئی اور اس کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ عارفین باللہ اسی کو کشف یا قلب کشائی سے تعبیر کرتے ہیں۔

رسول اللہ نماز پنجگانہ کا فریضہ لے کر معراج سے لوٹے۔ یہ واحد فریضہ ہے جو رب کی جانب سے رسول اللہ پر براہ راست عائد کیا گیا۔ باقی فرائض لے کر، جیسا ہم جانتے ہیں، جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے۔ اسی لیے نماز کو دین کا ستون اور اللہ تعالیٰ سے دائمی تعلق سمجھا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق نماز کی ادائیگی کرنے لگے۔ رسول اللہ نے پیغمبری کے 13 سال مکہ مکرمہ میں گزارے جسے قرآن کریم کے نصف حصہ سے زیادہ کے استقبال کی سعادت حاصل ہے۔ اس عرصہ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ماننے والوں کی تعلیم و تربیت جاری رکھی، ان کے دلوں کو انوار قرآنی سے سیراب کیا اور ان کے ایمان کو پختہ کیا تا کہ اس کے ربانی نتائج سامنے آنے لگیں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مسلمانوں نے ایک کے بعد ایک قرآنی سورتوں سے استفادہ کیا۔ جلد ہی ان کے ذہن و شعور ساز گار ہو گئے اور ان کا ایمان گہرا اور پختہ ہو گیا۔ جب ان کا ایمان اس قدر پختہ ہو گیا کہ اللہ سے ان کا قلبی رشتہ استوار ہو گیا تو وہ انسانیت کی فلاح کے لیے پیغام الٰہی کی تبلیغ کے قابل اور اللہ کے نیک بندے ہو گئے۔

رہ گئے مدنی احکامات تو اس کے لیے نبی اکرم کی زندگی کے آخری دس سالوں میں قرآن کریم کا نصف ثانی نازل ہوا۔ اس بیچ قرآن کریم کا وہ حصہ نازل ہوا جو سِول لایا شہری قوانین قرار پایا جس میں عبادات کے احکام، حلال و حرام کے احکام، عائلی احکام، میراث کے احکام، مسلم اور غیر مسلم کے تعلقات سے متعلق احکام وغیرہ شامل ہیں۔ ہم آگے میراث کے احکام اور مسلم خاتون کی عزت افزائی میں اس کے کردار پر روشنی ڈالیں گے۔

پھلنے پھولنے کا مرحلہ

بعثت کے سب سے مشکل مرحلے میں اپنے رسول کی مدد کے لیے اللہ نے انصار کو بھیجا۔ اس طرح انصار کو اسلام کے مدنی مرحلے کے لیے ماحول ساز گار کرنے اور اپنا تعاون پیش کرنے کا اعزاز حاصل ہونا تھا۔ دعوت اسلام جو 13 سالوں تک مکہ میں محدود سی تھی، اسے دوسرے دور یعنی تجلی واشراق اور پھلنے پھولنے کے مرحلے میں داخل ہونے کا وقت آ گیا تھا۔

اہل یثرب میں سے قبیلہَ اوس و خزرج کے کچھ لوگ پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے اور رسول اللہ دونوں قبیلوں کے کچھ افراد سے مل چکے تھے۔ پھر دوسری بار ان سے تب رابطہ ہوا جب دونوں قبیلوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک چھوٹا وفد رسول اللہ سے ملا۔ اس وفد میں مصعب بن عمیر بھی تھے جو مکہ میں درسگاہ محمدی میں تعلیم حاصل کر چکے تھے اور

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

رسول اللہ نے انہیں اہل یثرب کو اسلام کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری سونپی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں میں برکت دی۔ وہ دعوت اسلام میں کامیاب ہوئے اور سچ مچ بڑی مہم سر کی۔

جب نبی اکرم ﷺ سے ان کا تعارف ہوا اور آپ نے انہیں اسلام وایمان کی تفصیل بتائی تو بغیر تردد کے مسلمان ہو گئے۔ وہ اس بات سے خوش تھے کہ اب دعوت اسلام یثرب میں ان کے ماتحتوں تک پہنچے گی۔ وہ پر امید تھے کہ ان کے دل ودماغ نبی اکرم کے بارے میں ایک ہو جائیں تاکہ آپ انہیں متحد کر دیں اور ان کی مدد سے مشرک دشمنوں پر غلبہ حاصل کریں۔ نبی اکرم سے ملاقات اور آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے بعد وہ نیک توقعات کے ساتھ لوٹ گئے اور جلد ہی اسلام تمام عرب قبائل میں پھیلنے لگا۔

البتہ رسول اللہ کے ساتھ سب سے اہم ملاقات دوسرے سال موسم حج میں ہوئی جب 70 مرد اور 3 عورتوں پر مشتمل یثرب کا ایک بڑا وفد رسول اللہ سے رازدارانہ ملاقات کی غرض سے آیا۔ وفد میں زیادہ تر لوگ قبیلۂ خزرج سے تھے جسے معرکۂ بعاث سے قبل اوس کے خلاف جنگ میں کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ وفد کی قیادت شاعر کعب بن مالک کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ مصعب بن عمیر اور ابوایوب انصاری بھی تھے۔ وہ رسول اللہ سے ملے اور مصعب نے آپ کو اہل یثرب کے بیچ اسلام پھیلنے کی تفصیلات بتائیں۔ ان کے ساتھ اوس کے سردار اور مشہور جنگجو سعد بن معاذ بن نعمان بن امرؤ القیس بھی تھے۔ وہ جوان تھے اور ابھی عمر کی چوتھی دہائی میں تھے۔ اللہ کے کرم اور ان کی کوشش سے پورا قبیلۂ اوس داخل اسلام ہو گیا۔ آگے چل کر سعد یثرب میں رسول اللہ کے انتہائی قریبی دوست اور عظیم صحابی ہو گئے۔

سعد رسول اکرم کے ساتھ پہلے تو معرکۂ بدر میں تاریخی کردار ادا کرتے ہیں اور پھر معرکۂ احد میں رسول اکرم کے دفاع میں جی جان لگا دیتے ہیں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سعد نے رسول اللہ کو بتایا تھا کہ یثرب میں کوئی ایسا گھر نہیں بچا ہے جس میں کوئی مسلم نہ ہو۔ رسول اکرم یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور انہیں محسوس ہوا کہ قریش کا ساتھ نہ ملنے کے بعد اپنے دین کی حمایت کے لیے اللہ نے یثرب کو ان کے لیے ایک پر امن اور مستقل ٹھکانہ کے طور پر تیار کیا ہے۔

رسول اکرم سے ملاقات کی خوشی کے آثار انصار کے چہروں پر نمایاں تھے۔ اس کا اظہار انہوں نے یہ کہہ کر کیا۔ "آج ہم سعادت مند ہیں کہ حسب توقع نبی ہماری قوم میں مبعوث کیے گئے، قوم یہود میں نہیں۔ ہم یہود و نصاریٰ کے مقابلے ذلت اور ہلکا پن محسوس کرتے تھے کہ وہ اہل کتاب ہیں اور ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں۔ ہم چاہتے تھے کہ ان کی طرح ہمارے پاس بھی کوئی کتاب ہو۔ آج ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ ہمارے بیچ نبی مبعوث ہوئے جو قرآن لے کر آئے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جسے کوئی سن لیتا ہے تو اسے کپکپی طاری ہو جاتی ہے اور اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"[1]

اس ملاقات کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ نبی اکرم کے ساتھ آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے، حالاں کہ وہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ لیکن خاندانی اور قبائلی حمیت کا بھی اپنا مثبت پہلو ہوتا ہے۔ عباس یثرب کے وفد سے تنبیہ کے لہجے میں مخاطب ہوئے اور کہا کہ اگر تمہیں یہ لگ رہا ہے کہ تم ان پر ایمان لے آؤ گے اور جب وہ تمہارے یہاں چلے جائیں گے تو ان کا ساتھ چھوڑ دو گے تو بہتر ہے کہ ابھی سے انہیں چھوڑ دو، کیوں کہ وہ اپنے وطن اور اپنی قوم میں عزت واحترام اور امان کے ساتھ ہیں۔

جواب میں وفد کے ایک رکن براء بن معرور نے کہا کہ خدا کی قسم اگر ہمارے دل میں کوئی اور بات ہوتی تو ہم ضرور کہہ دیتے، لیکن ہم سچائی اور وفاشعاری سے کام لیں

---

[1] جورجیو، مرجع سابق، ص 154

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

گے اور رسول کریم کی خاطر اپنی جان قربان کردیں گے۔ پھر بولے، یارسول اللہ! آپ اپنی خاطر اور اپنے رب کی خاطر جو چاہیں کریں، ہم آپ کے ہاتھوں پر بیعت کر رہے ہیں۔

رسول اللہ کو ان کے ارادوں کی سچائی کا یقین تھا۔ آپ نے قرآن کریم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی پھر بیعت کی شرائط کی وضاحت فرمائی اور فرمایا، تم اس بات پر میری بیعت کر رہے ہو کہ میری باتوں کو سختی وآسانی ہر حال میں سنو گے اور مانو گے، نیکی کا حکم دو گے اور برائیوں سے روکو گے، اللہ کے معاملے میں کسی کی ملامت کی پروانہ کرو گے اور جب میں تمہارے پاس آؤں تو میری مدد کرو گے۔

ان لوگوں نے کہاہاں یارسول اللہ! ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں اور آپ کے ساتھ ہیں۔ ان لوگوں نے یہودیوں سے قطع تعلق اور اس کے نتیجے میں ممکنہ جنگ کی صورت میں رسول اللہ کا موقف جاننا چاہا تو رسول اللہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میری عزت تمہاری عزت ہے اور میرا خون تمہارا خون ہے۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو، جن سے تم جنگ کرو گے، میں بھی ان سے جنگ کروں گا اور جن سے تم صلح کرو گے میں بھی ان سے صلح کروں گا"۔ [1] پھر رسول اللہ نے ان سے کہا کہ اپنے 12 نمائندے چن لو۔ چنانچہ 9 نمائندے قبیلہ خزرج سے اور 3 قبیلہ اوس سے چنے گئے۔ رسول اللہ نے ان سے فرمایا تم اپنی قوم کے ذمہ دار ہو جیسے عیسیٰ بن مریم کے حواری تھے اور میں اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں۔ ان لوگوں نے عرض کی ہاں! رسول اللہ نے ان سے وعدہ کیا کہ اس عہد کو پورا کرنے کی جزا اللہ کے نزدیک جنت ہے۔ اس طرح بیعت کبریٰ پوری ہوئی۔

اس مبارک بیعت کے ذریعہ اسلامی دعوت اپنے مدنی مرحلے میں داخل ہوئی اور اللہ نے اسے وہاں تمام تر انوار و برکات کے ساتھ سربلند کیا۔ اس طرح رسول اللہ نے اپنے ماننے والوں کو ہجرت مدینہ کی اجازت دی اور فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے بھائی اور ایسا

---

[1] ابن ہشام، مرجع سابق، ص402

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

گھر بنایا ہے جہاں تم امان کے ساتھ رہو گے۔ مسلمانوں نے خفیہ طور پر ہجرت کی تیاری شروع کر دی اور رسول اللہ مکہ میں رہ کر مدینہ کی ہجرت کے لیے حکم الٰہی کا انتظار کرنے لگے۔

ہجرت الی اللہ

انصار کی بیعت تاریخ نبوی میں ایک اہم موڑ ثابت ہوتی ہے۔ جیسے ہی قریش کو بیعت کی خبر ہوئی تو انہیں محسوس ہوا کہ خطرہ آن پڑا ہے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد جب قریش نے دیکھا کہ مہاجرین یثرب کی طرف نکلنے لگے ہیں تو انہیں احساس ہو گیا کہ اب معاملہ پورے طور سے ان کی دسترس سے نکلنے والا ہے۔ چنانچہ انہوں نے پہلے تو یثرب کے انصار کا پیچھا کیا اور انہیں ڈرایا، پھر مکہ سے مسلمانوں کی ہجرت پر شکنجہ کسنے کی کوشش کی۔

بہت سے مسلمان خفیہ طور پر نکلنے پر مجبور ہوئے اور بہت سے اہل و عیال اور مال و دولت چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔ صحابی رسول صہیب بن سنان[1] کا قصہ ایمان کی گہرائی اور قربانی کی بہترین مثال ہے۔ جب قریش کو ان کے ہجرت کے ارادہ کا پتہ لگا تو انہیں یہ کہہ کر روکا کہ تم تو ہمارے پاس حقیر فقیر آئے تھے اور جب خوب مال و دولت اکٹھا ہو گئی ہے تو جان و مال کے ساتھ جانا چاہ رہے ہو؟ قسم خدا کی، یہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن صہیب کے عزم میں کوئی تزلزل نہیں آیا اور انہوں نے یثرب کو ہجرت کرنے کے عوض ساری دولت ان کے لیے چھوڑ دی اور اللہ و رسول کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

---

[1] صہیب بن سنان مکہ میں رومی کے نام سے مشہور تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی کنیت ابو یحییٰ رکھی تھی۔ وہ اولین مسلمانوں میں سے تھے۔ موصل کے رہنے والے تھے۔ جب چھوٹے تھے تو روم والوں نے انہیں قید کر لیا لیکن جب بڑے ہوئے تو روم سے بھاگ کر مکہ میں قیام پذیر ہو گئے، پھر وہیں مسلمان ہوئے اور مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ قریش کو اس بڑی قربانی پر بڑی حیرت ہوئی، وہ بھی ایسے شخص سے جو کہ ان کے پاس فقیری اور محتاجی کے عالم میں آیا تھا اور آج اپنے دین اور اپنے رسول کی خاطر پوری زندگی کی کمائی چھوڑ کر پھر سے فقیری کے عالم میں جا رہا ہے۔ لیکن صہیب اس بار بے گھر نہیں لوٹ رہے تھے بلکہ ایمان کی دولت سے مالا مال اللہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے اور یہ قربانی کی اعلی درجہ کی مثال ہے جس میں مال، عیال اور جان سب شامل تھے۔

جن کا ایمان یقین کامل کو پہنچ گیا اور جن کے دل آسمان سے مربوط ہو گئے، ان کی ایمانی روشنی کی یہ ایک مثال تھی۔ جب ان کی آنکھوں میں دنیا کی حقیقت اور کم مائیگی واضح ہو گئی تو وہ دنیا اور اس کی نعمتوں کی فکر میں نہیں رہے۔ کیوں کہ سچا مومن یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس دنیا میں کسی چیز کا مالک نہیں اور نہ کوئی چیز اس کی مالک ہے۔

جب نبی اکرم کو اس واقعہ کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا "کیا ہی نفع بخش تجارت ہے اے ابو یحیٰ! کیا ہی نفع بخش تجارت ہے!" ہاں انہوں نے آخرت کے بدلے دنیاوی زندگی کو فروخت کر دیا۔ ان کے اعزاز میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشۡرِي نَفۡسَهُ ٱبۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ ٱللَّهِۗ وَٱللَّهُ رَءُوفُۢ بِٱلۡعِبَادِ﴾ (البقرة: 207) (کچھ لوگ وہ ہیں جو رب کی رضا حاصل کرنے کی خاطر اپنی جان بیچ دیتے ہیں اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے)۔ مالدار صہیب صفہ کے ایک مسکین ہو گئے جو مخیرین کی طرف سے کھانے کے انتظار میں رہتے، مگر ان کا چہرہ ایمان سے روشن رہتا۔

انتقامی کارروائی کے طور پر قریش نے دوسرے مہاجرین کی بھی تمام تر جائدادیں اور ان کے گھر ضبط کر لیے اور مکہ کے بازاروں میں فروخت کر دیا۔ صہیب بن سنان کی طرح کچھ دوسرے افراد بھی اس حال میں اپنے شہر سے ہجرت کر گئے کہ ان کے ساتھ زیب تن کپڑوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ صحابی رسول صہیب، بلال اور عمار بن یاسر وغیرہ کا

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قصہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ جب ایمان ان کے دلوں میں گھر کر گیا تو کس طرح ان نادار مسلمانوں نے اپنے دین کی خاطر ہر قیمتی اور مہنگی چیز قربان کر دی۔ یاد رہے کہ اس مبارک قافلہ کے کسی فرد کو اسلام لانے کے لیے مجبور نہیں کیا گیا۔

پھر رسول اکرم کس طرح چند سالوں میں قریش کے نزدیک بے وقعت اور دنیاوی نقطہ َنظر سے بے حیثیت مشرک غلاموں پر مشتمل معمولی لوگوں کو اللہ کے برگزیدہ بندوں اور زمین وآسمان کی معزز شخصیات میں بدل سکے؟ اس کا جواب اخلاق محمدی، تربیت نبوی، تزکیہ اور بکثرت ذکر الٰہی میں پوشیدہ ہے۔

جب ایمان ان کے دل ودماغ میں فکری و منطقی انداز میں داخل ہو گیا تو انہوں نے صبر، بہادری اور قربانی کا بلند ترین نمونہ پیش کیا اور ترک دنیا کر کے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر گئے۔ یقیناً رسول کی پیروی اللہ کی جانب مسلسل ہجرت کا دوسرا نام ہے۔ آیت کریمہ ہے: ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (آل عمران:31) (آپ فرمادیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)۔ لیکن بغیر اتباع کے محبت نہیں ہو سکتی۔

جب مسلمانوں نے مکہ چھوڑ دیا تو وہاں رسول اللہ کے ساتھ آپ کے ساتھی ابوبکر و علی کے سوا کوئی نہ رہا۔ جب قریش کو اس بات کا ادراک ہوا کہ سارے مسلمان ہجرت کر چکے ہیں اور ان کی دسترس سے دور ہو چکے ہیں اور اب ان کا ایک مخصوص ٹھکانہ بن چکا ہے تو انہوں نے طے کیا کہ رسول اللہ کو کسی بھی صورت سے ان کے ساتھیوں کے پاس جانے سے روکنا ہے اور اس کے لیے ہر ناروا چیز روا رکھی۔ انہیں اندیشہ تھا کہ ان کے وہاں پہنچنے سے پورا یثرب قوت اسلامی سے لیس ایک ایسے شہر میں تبدیل ہو جائے گا جو پورے جزیرۂ عرب میں قریش اور مشرکین کی بنیادیں ہلا دے گیا۔ اور واقعۃً ایسا ہی ہوا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قریش کی پریشانی نے ان کا سکون غارت کر دیا اور وہ معاملے کو تمام کرنے کی سوچنے لگے۔ چنانچہ کسی نے تجویز رکھی کہ رسول کو قید کر دیا جائے، کسی نے کہا کہ جلاوطن کر دیا جائے، اور بالآخر خود ابو جہل کی تجویز پر یہ طے پایا کہ آپ کو قتل کر دیا جائے۔ یہ ایسا فیصلہ تھا جسے وہ بنوہاشم کے رد عمل کے ڈر سے پچھلی دہائی میں نہیں لے پائے تھے۔

اس مہم کو انجام دینے کے لیے انہوں نے 9 نوجوانوں کو اکٹھا کیا، جن میں قریش کے ہر قبیلے سے ایک جوان شامل تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے خون کی ذمہ داری قریش کے ماتحت ہر قبیلے میں تقسیم ہو جائے۔ انہیں گمان تھا کہ اس طرح وہ محمد ﷺ سے بھی چھٹکارا پا جائیں گے اور ان کے قتل کے جرم کی راست ذمہ داری سے بھی۔ انہیں امید تھی کہ اس طرح وہ بنوہاشم کے ساتھ راست ٹکراؤ سے بھی بچ جائیں گے کیوں کہ بنو ہاشم کے لیے تمام تر قوت اور مضبوطی کے باوجود محمد ﷺ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے سارے قبائل سے جنگ کرنا ممکن نہ ہو گا۔

قریش نے اس بڑے جرم کی منصوبہ بندی کر لی لیکن اللہ نے کچھ اور ہی طے کر رکھا تھا۔ وہ زمین پر اپنے پیغمبر رحمت کو کبھی اس حال میں نہیں چھوڑ سکتا کہ مشرکین کے ہاتھ انہیں نقصان پہنچائیں۔ چنانچہ اس رات جبریل علیہ السلام آئے اور آپ کو قریش کی سازش کے بارے میں بتا دیا اور ہجرت کا حکم دیا۔ رسول اللہ تو حکم الٰہی کا انتظار ہی کر رہے تھے۔

معاملہ کو پوشیدہ رکھنے کے لیے رسول اللہ نے علی کو اپنے بستر پر سو جانے کو کہا تا کہ دشمنوں کو یہ مغالطہ رہے کہ آپ گھر سے نہیں نکلے ہیں، کیوں کہ دشمن گھر کے روشن دان سے سونے والے کو دیکھ سکتے تھے۔ آپ نے علی کو اپنے پاس رکھی امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ اس شام آپ کے قتل پر مامور جوان اس واردات کو انجام دینے کے لیے آپ کے گھر کے باہر جمع ہو کر آپ کے نکلنے کا انتظار کرنے

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لگے۔ لیکن اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ سب اپنی اپنی جگہ گہری نیند میں ڈوب گئے جس سے انہیں سورج کی تپش کے علاوہ کوئی چیز بیدار نہ کر سکی۔ اس بیچ نبی اکرم ان کے درمیان سے سلامتی کے ساتھ نکل گئے۔

آپ اپنے ساتھی ابو بکر کے پاس گئے اور انہیں ہجرت کے فیصلے کے بارے میں بتایا۔ ابو بکر مارے خوشی کے رونے لگے۔ انہوں نے تیاری کر رکھی تھی اور مکہ سے ہجرت کے لیے حکم الٰہی کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اپنے والد کو اس دن کی طرح روتے ہوئے کبھی نہ دیکھا۔

دونوں پہلے غار ثور گئے جو مکہ سے چند میل سے زیادہ دور نہیں ہے۔ تین دن اسی غار میں ٹھہرے۔ جب قریش کو علم ہوا کہ محمد ﷺ صحیح سلامت نکل گئے ہیں تو پریشانی کے عالم میں اپنی فوج پیچھے چھوڑی اور اعلان کیا کہ جو کوئی بھی انہیں زندہ یا مردہ لائے گا اسے سو اونٹ بطور انعام دیے جائیں گے۔

جب وہ دونوں غار میں تھے تو قریش کی فوج غار کے دروازے تک پہنچ گئی۔ ابو بکر نے غار کے سوراخ سے جھانکا تو غار کے قریب ان کے پیر دیکھے اور رسول اللہ سے عرض کی کہ اگر کسی نے جھک کر غار کے سوراخ سے جھانکا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ رسول اللہ نے فرمایا، آپ نہ ڈریں، ان دو کے بارے میں آپ کا کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے؟

رسول اللہ کے یقین دلانے سے کہ اللہ ان کے ساتھ موجود ہے اور انہیں غار کے اندر اور باہر دیکھ رہا ہے، ابو بکر کو اطمینان ہوا اور دل کو سکون ملا اور یہ فرمان ایک ایسی حقیقت بن گیا جو شعور اور ذوق کے اعتبار سے بندۂ مومن اور اس کے خالق کے بیچ روحانی رشتہ کو مضبوط کرنے والے ایک ایمانی حالت کے درجے میں ہوتا ہے۔

مومن کو اطمینان و تسلیم کی زندگی گزارنے اور ہر حال میں اللہ کے ساتھ ہونے کے لیے بس اس بات کا یقین رکھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ اس کے ساتھ ہے، کیوں کہ اگر تم

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اور یہی اللہ کی یاد میں گم ہو جانے کا مطلب ہے اور جو اللہ کی یاد میں گم ہو جائے، اللہ عز و جل سے اس کا رشتہ مضبوط ہو جاتا ہے۔

پھر دونوں اپنی سواری پر مدینہ کی جانب نکل پڑے۔ دوسری طرف انعام کے لالچ میں قبیلہ کنانہ کا گھوڑسوار اور شاعر سراقہ بن مالک ان کا پیچھا کرتے ہوئے اپنے گھوڑے پر نکلا۔ وہ ان تک پہنچ بھی گیا، لیکن جب اس نے ان کے زیادہ قریب پہنچنے کی کوشش کی تو اس کا گھوڑا پھسل گیا اور وہ دوبار اس کی پیٹھ سے نیچے گر گیا جبکہ ایسا اس جیسے گھوڑسوار کے ساتھ کم ہی ہوتا ہے۔

پھر وہ اٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اچانک گھوڑے کے دونوں پیر زمین میں دھنس گئے۔ اب وہ آگے بڑھنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ اس وقت سراقہ کو یہ یقین ہو گیا کہ نبی اکرم خداوند تعالیٰ کی حفاظت میں ہیں اور ان کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہو سکتا۔ پھر اس نے آپ دونوں کو رکنے کے لیے آواز دی تاکہ انہیں قریش اور ان کے ذریعہ آپ دونوں کے قتل پر رکھے گئے انعام کے بارے میں بتائے۔ یہاں قابل توجہ بات یہ ہے کہ نبی اکرم جب سراقہ سے ملے تو آپ نے اس کے ہاتھ کی جانب دیکھا اور فرمایا کہ یہ ہاتھ کسی نبی کے قتل کے لیے نہیں بنا ہے۔ پھر فرمایا کیا بات ہوگی سراقہ جب تم کسریٰ کے کنگن پہنوگے! سراقہ نے حیرت واستعجاب سے پوچھا کہ آپ فارس کے بادشاہ کسریٰ بن ہرمز کے کنگن کی بات کر رہے ہیں؟ رسول اللہ نے جواب دیا ہاں! سراقہ نے اپنا سر ہلایا اور مکہ کی راہ لی۔

مکہ سے خفیہ طور پر ہجرت کر کے اپنے ساتھی ابو بکر کے ساتھ اونٹنی پر سوار ہو کر جا رہے رسول جن کا مکہ کے دشمن پیچھا کر رہے ہیں، ابھی مدینہ پہنچے بھی نہیں ہیں، نہ ابھی تک اپنی ریاست قائم کی ہے، نہ آپ کے پاس کوئی فوج یا لشکر ہے، ایسے میں کس طرح سراقہ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سے فارس کے شہنشاہ کسریٰ کے کنگن کا وعدہ کر رہے ہیں؟ کیا آپ نور الٰہی سے دیکھ رہے تھے؟

یہ فارس اور روم پر مسلمانوں کی فتح کی سچی پیشین گوئی تھی جو پوری ہوئی۔ عمر بن خطاب کے زمانے میں جب مسلمانوں نے کسریٰ کے لشکر کو شکست دی اور مال غنیمت لے کر آئے، اس میں کسریٰ کے دو کنگن بھی تھے۔ عمر بن خطاب نے دونوں کنگن لیے اور فرمایا کہ آج کا دن وعدہ پورا کرنے کا دن ہے اور دونوں کنگن سراقہ کے ہاتھ میں رکھ دیے[1]۔

ہجرت نے نئی اور پرانی دنیاؤں کے درمیان اور جاہلیت و اسلام کے درمیان ایک دیوار اٹھادی[2]۔ ہجرت نے عہد محمدی کے طلوع اور زمین پر عظیم تجلیات الٰہی کے ظہور کے لیے ایک بنیادی تبدیلی کا کام کیا۔ مدینہ کی ہجرت زمان و مکان کی ہجرت تھی، لیکن اپنے ایمانی مفہوم میں اس نے آسمان کے دریچے کھول دیے اور اللہ کی جانب دلوں کی ہجرت میں بدل گئی۔

حدیث شریف میں ہے "المهاجر من هجر مانهى الله عنه" مہاجر وہ ہے جو اس چیز کو ترک کردے جس سے اللہ نے منع کیا ہے۔ اس معنی میں تزکیہ کا ہر کام اللہ کی جانب ہجرت ہے اور دل کی بیماریوں سے پاکیزگی بھی اللہ کی جانب ہجرت ہے، گناہوں اور نافرمانیوں سے بچنا بھی اللہ کی جانب ہجرت ہے۔ جب ہجرت کا توبہ سے امتزاج ہوتا ہے تو ایک ایسی دائمی، پاکیزہ اور ایمانی راہ پیدا ہو جاتی ہے جو اللہ کی بارگاہ میں مستقل دلیل بن جاتی ہے۔

---

[1] دیکھیں: السیرۃ الحلبیۃ، ج1، مرجع سابق، ص: 62-61

[2] جور جیو، مرجع سابق، ص: 174

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

توبہ انسان کی نئی روحانی پیدائش کا نام ہے جو توبہ کرنے والے پر آسمان کے وسیع دروازے کھول دیتی ہے اور مومن بارگاہ ربانی کا مسافر ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب تک توبہ ختم نہیں ہوتی تب تک ہجرت ختم نہ ہوگی اور جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے تب تک توبہ کا سلسلہ ختم نہ ہوگا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

چوتھی فصل

شہر رسول

یثرب: تاریخی پس منظر

ہجرت سے قبل یثرب جزیرۂ عرب کے کسی دوسرے بڑے گاؤں جیسا ہی تھا، جو بت پرستی کا گھوارہ تھا اور اپنی تاریکیوں اور پستیوں میں جی رہا تھا۔ اس کی کچھ سماجی خصوصیات تھیں جن سے عصر جاہلی میں اس کی سماجی و ثقافتی شناخت کا خاکہ تیار ہوتا تھا۔ جہاں مکہ جسے قرآن کریم نے "ام القری" کہا ہے تقریباً قریشیوں پر مشتمل تھا، وہیں یثرب کی سماجی ترکیب مخلوط تھی جو تین بنیادی گروہوں سے بنتی تھی، اوس و خزرج کے قبائل جو کہ بت پرست تھے اور جن کی مشترکہ عائلی جڑیں یمنی قحطانی ازد قبائل تک پہنچتی تھیں۔ قابل توجہ ہے کہ یہ دونوں قبائل بنیادی طور پر ازد کے دو بھائیوں کی اولاد سے تھے۔

مدینہ اور اس کے اطراف میں یہودی قبائل آباد تھے جو مختلف ادوار میں رومیوں کے ظلم سے تنگ آکر شام سے بھاگے اور جزیرہ میں پناہ گزیں ہوگئے تھے۔ ان کے تین قبائل تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع، ان کی اکثریت یا تو اصلاً عرب تھی یا عرب ہو گئی تھی۔

وہاں خیبر کے علاقہ کے یہودی بھی تھے جو کہ یثرب سے قریب سو کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔ کاشت کی زمینوں کا مالک ہونے کے علاوہ چمڑے کی تجارت اور سونے

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

چاندی کے کاروبار کے سبب وہ یثرب کی بنیادی طاقت تھے۔ ان کی اقتصادی مضبوطی کے سبب دوسرے قبائل میں ان کا زبردست اثرورسوخ تھا اور مدینہ کی معیشت میں ان کی منمانی چلتی تھی۔

عرب کے دونوں قبیلے جو کہ اکثریت میں تھے وہ مدینہ کے کمزور لوگ تھے۔ مدینہ کے وسائل وامکانات پر یہود کے کنٹرول کے سبب اوس وخزرج کے لیے عدم اطمینان کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی جس نے عرصہ قبل ان کے ایک سردار مالک بن عجلان کو ملک شام میں اپنے چچازاد مسیحی غسانیوں سے فریاد طلب کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ غسانیوں نے یہودیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیئے گئے ظلم کا مزہ چکھانے کے لیے موقع غنیمت جانا۔ چنانچہ ایک بڑا لشکر بھیجا جس نے انہیں سختی سے روند ڈالا اور انہیں بلا کر رکھ دیا اور خطہ پر ان کا کنٹرول کمزور ہو گیا۔ اسکے نتیجے میں یثرب میں اوس وخزرج کی پوزیشن مستحکم ہوئی اور دھیرے دھیرے انہوں نے اپنا فطری مقام دوبارہ حاصل کر لیا، لیکن یہود کے کنٹرول اور اقتصادی منمانی سے آزاد ہونے کے باوجود ان کی خباثت سے انہیں چھٹکارا نہیں تھا۔

جب یہودیوں نے دیکھا کہ عرب قبائل مضبوط ہو گئے ہیں اور مدینہ میں ان کا اثرورسوخ قائم ہو گیا ہے تو ان کی سادگی اور بھولا پن کا فائدہ اٹھا کر مکروفریب اور دسیسہ کاری کے ذریعہ ان سے جنگ کرنے کا منصوبہ بنایا اور ان کے بیچ اس بات پر اتفاق ہوا کہ کچھ یہودی قبیلۂ خزرج کا ساتھ دیں گے اور کچھ اوس کا۔

صحیح معنوں میں وہ دونوں قبیلوں کے بیچ مشہور قبائلی جنگ بھڑکانے میں کامیاب ہو گئے جو کہ ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک چلتی رہی۔ اس مسلسل جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودی پھر سے پورے خطہ اور اس کے باشندوں پر اپنا اثرورسوخ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تاریخ میں مذکور ہے کہ خزرج کے قبائل زیادہ تر جنگوں میں فتحیاب ہوئے۔ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ خانہ جنگی جزیرۂ عرب کی ابتدائی تاریخ کا سیاہ باب ثابت ہوئی۔ لیکن اپنی آخری جنگوں میں اور رسول اللہ کی ہجرت سے پانچ سال قبل معاملہ الٹ گیا اور اوس کو خزرج پر زبردست کامیابی ملی اور قریب تھا کہ یثرب کے قریب بعاث کے علاقے سے خزرج کا صفایا ہو جائے۔

لیکن اللہ نے طرفین کے سمجھداروں کو توفیق دی کہ اس انسانی المیہ کو وقت رہتے ہوئے روک دیں۔ انہوں نے سچ مچ اس بے کار کی جنگ اور سستی موت کا وہ سلسلہ روک دیا جس سے صرف ان کے دشمنوں کا مسئلہ حل ہوا جس کا وہ خود بھی اقرار کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے اوس سے کہا کہ خزرج کے لوگ تمہارے بھائی ہیں اور ان کا پڑوس تمہارے لیے ان بھیڑیوں، یعنی یہودیوں کے پڑوس سے بہتر ہے۔[1]

جنگی سرگرمیوں اور سرکشی کا سلسلہ رک گیا، لیکن حقیقی صلح نہیں ہوئی اور دلوں میں کینہ باقی رہا۔ جیسا کہ مشہور ہے صلح اور امن وسلامتی قبائلی اور غیر قبائلی کینہ اور بغض وعداوت سے پاک ذہنوں میں ہی ہو سکتی ہے، خون ریزی رک گئی لیکن امن وسلامتی اور پائیداری تب تک قائم نہیں ہو سکی جب تک امن وسلامتی کے پیغامبر نہ پہنچ گئے۔ آپ نے خود ایسی مبارک صلح کرائی جس سے طرفین کے بیچ دائمی امن وامان قائم ہوا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے المیہ کی تہ سے حکمت ربانی ظاہر فرمائی، اپنی مشیت کے مطابق ایک مخصوص وقت میں دو جنگ کرنے والے گروہوں کو ان کی غفلت سے بیدار کیا۔ ان کے اذہان و قلوب کو اپنے نبی کے استقبال اور ان کے پیغام کو قبول کرنے کے لیے تیار کیا۔ دونوں فریق کو رسول کریم کی ذات گرامی میں آپ کے انوار و حکمت کے سبب ایک ایسا قائد اور رہنما مل گیا جس نے آگے چل کر اہل عرب کے بیچ امن وسلامتی اور

---

[1] دیکھیں: دویدار، صور من حیاۃ الرسول، ج2، مرجع سابق، ص: 64-63

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بھائی چارہ قائم کیا اور انہیں اس طرح متحد کر دیا جس کی مثال جزیرۂ عرب نے نہیں دیکھی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ بعاث کا دن وہ دن تھا جسے اللہ نے اپنے رسول کو پیش کیا تھا۔

قباء: صلح اور بھائی چارہ

سنہ 622 عیسوی میں جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تب آپ کی عمر 53 سال تھی۔ مدینہ کے راستے میں آپ قباء کے علاقہ سے گزرے جو قبیلۂ اوس کا علاقہ ہے اور مدینہ سے محض تین کلو میٹر کی دوری پر ہے۔ قبیلۂ اوس آپ کی آمد کا منتظر تھا اور کسی بھی روز آپ کے پہنچنے کی امید میں تھا۔

قبیلہ نے ایک شخص کو قباء کے باہر بھیجا تا کہ انہیں رسول اللہ کے قریب پہنچنے کی اطلاع دے۔ جب اس شخص نے دور سے اونٹنی کو آتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ رسول اللہ اور آپ کے ساتھی ابوبکر ہیں اور آواز بلند کی مبارک ہو اے قیلہ کے بیٹو! قبیلۂ اوس کو ان کی دادی کی نسبت سے قیلہ کہا جاتا ہے جو کہ امرؤالقیس کی اولاد سے تھی۔ یہ وہ مبارک گھڑی ہے جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔

اپنے ساتھی ابوبکر کے ساتھ رسول اللہ کے پہنچتے ہی اوس کی دو اہم شخصیتوں نے آپ کا استقبال کیا، ایک ابن عامر بن عوف تھے اور دوسرے ان کے چچا زاد بھائی ابن سالم بن عوف۔ آپ کو کلثوم بن ہدم کے گھر میں ٹھہرایا گیا۔ رسول اللہ نے انہیں اسلام کی پہلی نماز جمعہ پڑھائی۔

انصار کی جانب سے پر جوش استقبال کے بعد آپ نے ان سے قبیلۂ خزرج کے سردار اسعد بن زرارہ کے بارے میں پوچھا۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ وہ ہمارے علاقے میں داخل نہیں ہو سکتے کیوں کہ انہوں نے ہمارے بہت سے افراد قتل کیے ہیں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لیکن رسول اللہ نے اوس سے یہ کہتے ہوئے اسعد کو بلانے میں اپنی دلچسپی ظاہر کی کہ "اسعد میری پناہ میں ہو گا"۔ ان لوگوں نے جواب دیا یا رسول اللہ سبھی آپ کی پناہ میں ہیں، ہم بھی آپ کی پناہ میں ہیں۔ سرداران اوس کا موقف قابل تحسین تھا۔ ایک طویل ہلاکت خیز جنگ میں اپنے افراد و اشراف گنوا چکے قبیلہ کے نمائندہ ہونے کے باوجود ان لوگوں نے رسول اکرم کے سامنے خزرج کے ساتھ صلح کی سچی نیت کا اظہار کیا۔

اسعد بن زرارہ اگلے دن وہاں پہنچے۔ ان کے ساتھ خزرج کے پچاس افراد تھے۔ رسول اللہ نے دونوں قبیلوں کے نمائندوں سے بات کی اور انہیں خون ریزی روکنے کی ضرورت اور اسلام میں صلح کی اہمیت کے بارے میں بتایا۔ انہیں بتایا کہ اللہ نے ان پر اسلام کے ذریعہ احسان کیا ہے۔ اسلام ایک مسلمان کے اوپر دوسرے مسلمان کے خون کو حرام قرار دیتا ہے اور مسلمانوں کے اتحاد میں اللہ کی رضا ہے۔ اللہ کے رسول نے ہمیشہ کے لیے ان کی تاریخ سے خون ریزی کا نام و نشان مٹانے کی ضرورت پر زور دیا اور انہیں بتایا کہ ان کے مستقبل، دشمنوں پر غلبہ اور دشمنان اسلام پر فتح کا تعلق ان کے آپسی بھائی چارہ اور اتحاد و یگانگت سے ہے۔

جب رسول اللہ نے یہ محسوس کیا کہ لوگوں کے دل صلح کے لیے تیار ہو گئے ہیں تو اوس کے لوگوں سے پوچھا: کیا تم خزرج کے لوگوں کو معاف کرتے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا،ہاں یا رسول اللہ! ہم انہیں معاف کرتے ہیں۔ اپنی حکمت سے رسول اللہ نے ایک چھوٹی سی نشست میں ہی قریب 120 سالوں پر محیط جنگ و جدال اور کینے کا نام و نشان مٹا دیا۔

اپنی مبارک کوششوں سے رسول اللہ نے ان کے دلوں میں صلح و امن اور بھائی چارہ کی محبت ڈال دی اور اپنے رسول کے پاس سے دونوں گروہ پرانی رنجش اور کینے سے پاک صاف ہو کر نکلے۔ اس ملاقات کے بعد سے ہی دونوں قبیلے حلیف بلکہ بھائی بھائی

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہوگئے اور اس کے بعد کبھی برسرپیکار نہیں ہوئے۔ ایسا بھائی چارہ جس کا سررشتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان "انما المؤمنون اخوۃ" (یعنی مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) سے جوڑا۔

قباء میں رسول اللہ نے تین دن گزارے اور اس بیچ دو اہم مسئلے حل فرمائے۔ پہلا یہ کہ اوس و خزرج کے بیچ صلح ہوئی اور ایک صدی پر محیط جنگ کا خاتمہ ہوا، یہ ایک بڑی تاریخی کامیابی تھی جس کے ذریعہ آپ نے مدینہ میں دائمی امن و سلامتی کی مضبوط بنیاد رکھی۔

دوسرا یہ کہ آپ نے اسلام کی پہلی مسجد تعمیر کی جو کہ مسجد قباء کے نام سے مشہور ہے۔ یہ وہ مسجد ہے جہاں قباء کے لوگ، خواہ وہ اوس سے ہوں یا خزرج سے، ایک جماعت میں نماز پڑھتے تھے۔ اسلام کی پہلی مسجد کے بارے میں آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ﴾ (التوبۃ: 108) (بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں نماز پڑھو۔ اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب پاکیزہ ہونا چاہتے ہیں اور اللہ پاکیزہ لوگوں کو پسند کرتا ہے)۔ یہی وہ مسجد ہے جہاں نمازی ہمیشہ نبی اکرم کی عظیم روحانیت کا احساس کرتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہاں انسان سکون کو اپنے ہاتھ سے چھو رہا ہو۔

ان دو مبارک کاموں کے بعد نبی اکرم اپنے ساتھی کے ساتھ مدینہ کی طرف نکل پڑے۔ آپ کے پیچھے پیچھے اوس و خزرج دونوں قبیلوں کے افراد کی ایک بڑی جماعت چل رہی تھی۔ ایک اثر آفریں منظر تھا اور اپنے ساتھ صلح کی روح لے کر مدینہ کو جا رہی یہ جماعت تھی۔ اس جماعت نے آپ کو مدینہ پہنچایا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مدینہ کے لیے آج خدا کی عظیم نعمت سے سرفرازی کا دن تھا۔ اس سے قبل کوئی بھی شہر اپنے کسی مہمان کے لیے یثرب جتنا تیار نہیں ہوا تھا۔ کیوں کہ مہمان بھی کوئی عام مہمان نہیں، زمین پر آسمان کا نمائندہ تھا۔ آپ کے پہنچنے کے بعد یثرب تاریکیوں سے پاک ہو گیا اور انوار محمدی کے شہر، مدینہ شریف میں بدل گیا۔

جہاں مکی دور بت پرستی اور شرک سے مقابلہ کا دور تھا، وہیں مدنی دور نبوی اصلاحی انقلاب کا دور ہو گا۔ نئے دستور اور نئی ثقافت کے ساتھ اسلامی ریاست کی تعمیر اور اسلامی تہذیب کی بنیاد رکھنے کا دور ثابت ہو گا۔

ایک بالکل بے نظیر طریقے سے پورا مدینہ اپنے اس مہمان کے استقبال کے لیے باہر نکل آیا جس کا اسے لمبے عرصہ سے انتظار تھا۔ لوگ ترانے گاتے اور دف بجاتے ہوئے اپنے اس مہمان کے استقبال کے لیے نکلے جو زمین پر ان کی حیات اور دل کو روشنی بخشنے اور آسمان کے دروازوں کی رہنمائی کرنے کے لیے آرہے تھے۔ مدینہ نے آپ کا درج ذیل لافانی اشعار کے ذریعہ خیر مقدم کیا:

طلع البدر علینا　　من ثنيات الوداع

وجب الشكر علينا　　مادعا لله داع

ايها المبعوث فينا　　جئت بالأمر المطاع

مرسل بالحق جاء　　نطقه وحی السماء

جئت شرفت المدينه　　مرحباً يا خير داع

ترجمہ: وداع کی گھاٹیوں سے ماہ کامل طلوع ہوا۔ جب تک کوئی اللہ کی دعوت دیتا رہے، ہمارے اوپر اللہ کا شکر واجب ہے۔ اے ہمارے بیچ تشریف لانے والے پیغمبر! آپ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قابل اطاعت دین لیکر آئے۔ وہ رسول ہیں جو حق لے کر آئے۔ ان کی بات وحی آسمانی ہے۔ آپ نے تشریف لا کر مدینہ کو شرف بخشا۔ اے بہترین داعی! آپ کا خیر مقدم ہے۔

ان نغموں نے اپنے مہمان کو ماہ کامل سے تشبیہ دی جو تاریکی اور ظلم کو دور کرنے اور اپنی باتوں سے روشن حقیقت کو واضح کر کے مدینہ کو شعاع محمدی کا مرکز بنانے کے لیے طلوع ہوا جہاں سے ان کی برکت سے حق و یقین کی روشنی پھوٹے گی۔ پھر پورے مدینہ نے آپ سے دین حق کو ماننے کا عہد کیا۔

آپ کے مدینہ پہنچنے سے ہجری تاریخ کی صبح طلوع ہوئی جو کہ عالم شرک سے عالم نور وایمان کی طرف منتقلی کی تاریخ ہے اور تاریخ اسلامی، انسانی تاریخ میں اپنے آفاق وامکانات رقم کرے گی۔ اس طرح انسانی تاریخ نے نیا اسلامی رخ لینا شروع کیا۔ نبی اکرم ابوایوب انصاری کے گھر چند ماہ ٹھہرے۔ یہ اس عظیم صحابی کے لیے بڑے شرف کی بات تھی جو بعد میں دوران جہاد لا الہ الا اللہ کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے علامتی نشان بن گئے اور قسطنطنیہ کی سرحدوں پر شہید ہوئے[1]۔

مدینہ کا رسول اکرم سے دائمی روحانی رشتہ استوار ہو جاتا ہے۔ آپ ہی اس کا نام مدینہ رکھتے ہیں اور وہاں روحانیت اور ہدایت کو فروغ دیتے ہیں۔ آپ نے اپنی بعثت کے دوسرے مرحلہ کی شروعات کے لیے مدینہ ہجرت کی، وہیں آپ کی مسجد کے احاطے میں

---

[1] ابوایوب انصاری 80 سال کی عمر میں قسطنطنیہ کی سرحدوں پر جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔ ان کی شہادت کے قریب 800 سالوں بعد محمد فاتح جو ابوایوب انصاری کے جہاد کو مکمل کرنے کے لیے پہنچتے ہیں اور 1453 عیسوی میں قسطنطنیہ کو فتح کر لیتے ہیں، انہیں دمشق کے ایک شیخ خواب میں ابو ایوب انصاری کی قبر کے بارے میں بتاتے ہیں، جہاں وہ ایک مسجد تعمیر کرتے ہیں جو مسجد آج ترکی میں اسلامی تہذیب کی اہم نشانیوں میں سے ایک ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

آپ کی قبر ہے اور آپ کے ساتھ آپ کے دو رفیق ابوبکر و عمر آرام فرما ہیں۔ مسجد کے پاس ہی مقبرۃ البقیع کے نام سے آپ کے صحابہ کا قبرستان ہے۔

جس طرح مکہ مکرمہ میں مسلسل 12 سالوں تک جبریل علیہ السلام آتے رہے، یہاں بھی آپ سے ملاقات کے لیے اور آپ تک پیغام الٰہی پہنچانے کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ یہیں قرآن کا نصف ثانی نازل ہوتا ہے اور اسی لیے وہ جزیرۂ عرب میں مکہ مکرمہ کے بعد سب سے مقدس شہر ہے۔

رسول پسماندہ اور بت پرست گاؤں یثرب کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس شہر میں بدل دیتے ہیں اور سب سے بڑا نبوی اصلاحی انقلاب پیدا ہوتا ہے جس کی مثال تاریخ بشری میں نہیں ملتی۔

یہ ہمارے لیے اسلامی ریاست کا سب سے خوبصورت نمونہ پیش کرتا ہے، پھر اس میں دستور مدینہ کے ذریعہ چار چاند لگ جاتا ہے اور بہترین ریاست کی ساری شرائط پوری ہوتی ہیں۔

اس کے سربراہ خوبیوں کے جامع رسول اور اس کے نگہبان وہ شخص ہیں جنہیں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔ یہ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ روشن چراغ (سراج منیر) کہتا ہے۔ کیا اللہ عز و جل کے فرمان "وانک لعلیٰ خلق عظیم" (آپ عمدہ اور عظیم اخلاق والے ہیں) سے بلند و برتر بھی کوئی شہادت ہو سکتی ہے۔ اس کے شہری صحابۂ کرام ہیں یعنی محمدی نورانی قافلہ۔ یہ روئے زمین پر سکونت پذیر سب سے بہتر لوگ ہیں۔ ان سے اسلامی تہذیب کی تعمیر ہوتی ہے اور عالم عرب میں تاریخ کا رخ بدل جاتا ہے۔

رسول اکرم اپنے مقدس شہر کی اساس نورانی بنیادوں پر رکھتے ہیں جس کی تاکید آپ کی یہ احادیث کریمہ کرتی ہیں: "تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو خود کے لیے پسند کرتا ہے... جن دو لوگوں نے اللہ کی خاطر

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

محبت کی وہ جنت میں داخل ہوں گے... ایک مومن دوسرے مومن کے لیے اس ٹھوس عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا ہے... زمین والوں کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو، اللہ تمہارے ساتھ رحم کا معاملہ فرمائے گا... جہنم کی آگ سے بچو، اگرچہ کھجور کا ٹکڑا صدقہ کرکے اور اگر وہ بھی نہ ہو تو اچھی بات کے ذریعہ... اور اچھی بات صدقہ ہے"۔ یعنی محبت، رحمت، بھائی چارہ اور اچھی بات مدینہ مقدسہ کی اسلامی، تہذیبی، اخلاقی اور ایمانی عمارت کے بعض اجزاء ہیں۔

مدینہ پہنچنے کے دو دن بعد رسول اللہ نے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کر دی اور اس سے متصل اپنا چھوٹا سا گھر بنایا۔ رسول اللہ تعمیر کے کام میں اپنے مقدس ہاتھوں سے شرکت فرماتے، جس نے آپ کی تواضع وانکساری میں اضافہ کرکے آپ کی پرکشش شخصیت کو اور بھی جاذب اور پروقار بنا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب ایک صحابی نے آپ کو اینٹ لے جاتے ہوئے دیکھا تو آپ کو مشقت سے بچانے کی غرض سے آپ کے ہاتھ سے اینٹ لینے کی کوشش کی۔ رسول اللہ نے ان سے فرمایا، جاؤ، دوسری اینٹ اٹھالو، کیوں کہ تم مجھ سے زیادہ اللہ کے محتاج نہیں ہو۔ مسجد کے برابر میں رسول اللہ نے ایک خاص جگہ بنائی جو صفہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہاں آپ کے حاجتمند پیروکار ٹھکانہ پکڑ سکیں جو بعد میں اہل صفہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد 300 تھی۔ ان میں مشہور حضرات کے نام یوں ہیں؛ ابوہریرہ، ابوذر غفاری، شاعر رسول کعب بن مالک، کاتب حدیث عبداللہ بن مسعود، مؤذن مدینہ بلال بن رباح، سلمان فارسی، صہیب رومی یعنی وہ تاجر جنھوں نے رب کی رضا کی خاطر اپنی ساری جائداد مکہ میں چھوڑ دی اور اہل صفہ کے مسکینوں میں شامل ہو گئے۔ ان میں خلیفۂ اسلام عمر بن خطاب کے بھائی زید بن خطاب بھی تھے۔

ان میں سے براء بن مالک ہیں جو 'اشعث اغبر' کے نام سے مشہور ہیں، جن کے بارے میں رسول اللہ نے فرمایا کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ اسے پوری کردے۔ سچ مچ بہت ہی چنندہ حضرات تھے۔ وہ اپنے اوقات عبادت الٰہی، حفظ قرآن کریم اور ذکر کی محفلوں میں گزارتے۔ ان مسکینوں کے بیچ سے ہی ابتدائی اسلامی تاریخ کے عظیم علماء، فقہاء، گورنر اور امیر نکلے۔ ان کے کاندھوں پر عربی اور دوسرے اسلامی خطوں میں اسلام کی نشرواشاعت کی ذمہ داری آئی۔

رسول اللہ ان کے ساتھ بیٹھنا پسند فرماتے اور دوسروں کے مقابلے ان سے زیادہ انس رکھتے۔ شام کے وقت انہیں اپنے ساتھیوں پر رات کے کھانے کی غرض سے تقسیم فرمادیتے اور کچھ کو اپنے ساتھ کھانے پر بلالیتے اگر کچھ دستیاب ہوتا۔ ایک مرتبہ ان سے فرمایا: اگر تمہیں معلوم ہوجائے کہ اللہ کے نزدیک تمہارے لیے کیا اجر ہے تو تم اور بھی زیادہ محتاج اور فقیر ہونا پسند کرو۔ آپ کی مشہور دعا تھی "اللهم أحييني مسكينا، وأمتني مسكينا واحشرني في زمرة المساكين۔" یعنی اے اللہ تو مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ، مسکینی کی حالت میں موت دے اور مسکینوں کے ساتھ حشر میں اٹھا۔

آپ فقیروں کے محبوب اور زاہدوں کے امام تھے۔ آپ نے ان کی جیسی زندگی گزاری اور اسی حالت میں آپ کو موت آئی۔ آپ فرماتے تھے "دنیا میں ایسے رہو جیسے تم کوئی اجنبی ہو یا مسافر ہو"۔ اس میں یقیناً کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم کی زندگی کا ہر پہلو اور ان کی ہر صفت انسانی کمال کی تربیت گاہ ہے۔ عبادت اور دنیا سے کنارہ کشی سب سے بڑی درس گاہ ہے اور اخلاق بھی اپنے تمام تر پہلوؤں کے ساتھ ایک ربانی تعلیم گاہ ہے۔ اسی طرح حکمت، عفو و درگذر، حلم و بردباری اور اس جیسے دوسرے بہت سے اوصاف کی درس گاہ ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور جن پر اپنی اس کاوش میں روشنی ڈالیں گے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اس سلسلہ میں نبی اکرم کی زندگی میں زہد کے پہلو پر ٹھہرنا اور غور کرنا کافی ہے، کیوں کہ اس میں ہم زندگی کا اخلاقی پہلو دیکھتے ہیں جو یہ تعلیم دیتا ہے کہ زہد دائمی روحانی پاکیزگی کا راستہ ہے، خواہشات نفسانی کے ساتھ ایمانی جہاد ہے اور نفس کو پاک صاف کر کے خالق حقیقی کا قرب حاصل کرنا ہے۔ اللہ کے رسول فرماتے ہیں: "دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے"۔ آپ کا یہ فرمان بھی ہے کہ "دنیا سے بے زار رہو، اللہ تم سے محبت کرے گا"۔

مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے سامنے پیش کش رکھی کہ ان کے لیے مکہ کے ریگزار کو سونا بنا دے۔ آپ نے عرض کی، نہیں، اے میرے رب! میں ایک دن بھوکا اور ایک دن آسودہ رہنا پسند کروں گا، تاکہ جب بھوکا رہوں تو تمہاری بارگاہ میں گریہ وزاری کروں اور تم سے دعائیں مانگوں اور جب آسودہ رہوں تو تمہاری حمد و ثنا کروں۔ اس طرح آپ نے سونا اور اس کے لوازامات کی پیش کش کو منع کر دیا اور گریہ وزاری، شکر اور اس کے لوازمات کے بیچ رہنا پسند فرمایا۔ اسی لیے مالکی کہتے ہیں کہ رسول اللہ کا فقر اختیاری تھا، اضطراری نہیں تھا۔ یہ پاکیزگی اور زہد وورع کا فقر تھا۔

آپ دنیا سے پوری طرح دور تھے۔ دنیا والوں کو اللہ کی راہ دکھانے کی غرض سے آپ رسول بن کر دنیا میں تشریف لائے، لیکن اس سے لگاؤ نہیں رکھا۔ آپ صفہ کے بے سروسامان صحابہ کی طرح کھجور کی چٹائی پر سوتے جس کے نشان آپ کے دونوں پہلوؤں پر آجاتے۔ جب آپ سے کہا گیا کہ کیا آپ کے لیے نرم چٹائی بچھادی جائے تو آپ نے فرمایا، مجھے دنیا کے مال و متاع سے کیا مطلب! میری مثال اس سوار کی جیسی ہے جس نے گرمی کے دن میں سفر کیا، پھر کسی درخت کے نیچے قیلولہ کیا پھر وہاں سے اٹھ کر چلا گیا[1]۔ آپ نے پوری زندگی اپنی چٹائی پر بسر کی۔

---

[1] المالکی، محمد الانسان الکامل، مرجع سابق، ص 156

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دنیا آپ کے لیے کسی درخت کے سائے کے نیچے قیلولہ کرنے سے زیادہ دیر کی نہیں ہے۔ رسول اللہ کے زہد کے متعلق احادیث کافی زیادہ ہیں۔ ہم ان کا خلاصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان کے ذریعہ پیش کرتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن کبھی بھی ایک دن میں دوبار آسودہ ہو کر نہیں کھایا۔ آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تین صاع جو کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی جو آپ نے اپنے اہل وعیال کے کھانے کے لیے لیا تھا[1]۔ رسول اللہ کے پاس اتنا مال بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے کنبہ کے لیے کھانے کا انتظام کر سکیں تو اپنی زرہ گروی رکھ دی!

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے ہم رسول حکمت کے اس فرمان پر غور کرتے ہیں جو آپ نے علی بن ابی طالب سے اپنے فلسفۂ حیات کے بارے میں فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا "معرفت الٰہی میری پونجی ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، شوق میری سواری ہے، ذکر الٰہی میرا مونس ومددگار ہے، اللہ کی ذات پر بھروسہ میرا خزانہ ہے، غم میرا ساتھی ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری چادر ہے، رضائے الٰہی میرا مال غنیمت ہے، فقر میرا فخر ہے، زہد میرا پیشہ ہے، صدق میرا شفیع ہے، طاعت میری محبت ہے، جہاد میرا اخلاق ہے اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے"۔

ان روشن کلمات سے سیرت نبوی اور محمدی درسگاہ منور ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ کے فلسفۂ حیات سے متعلق حدیث بیان کرنے کے بعد آپ کا یوں وصف بیان کیا کہ آپ سب سے کشادہ دل، سب سے راست گو، سب سے نرم خو اور سب سے پاکیزہ مصاحبت والے ہیں۔ جو آپ کو اچانک دیکھتا، وہ مرعوب ہو جاتا اور جو آپ سے واقف ہو جاتا وہ آپ سے محبت کرنے لگتا۔ آپ کا وصف بیان کرنے والا کہتا کہ میں نے ان کے جیسا نہ ان سے پہلے کبھی دیکھا نہ ان کے بعد کبھی دیکھا۔

---

[1] مرجع سابق

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مسجد نبوی عبادت اور قرب الٰہی حاصل کرنے کی جگہ ہے جو تمام فضائل و برکات کو جامع ہے۔ اس میں جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ اس کے بارے میں شیخ محمد بن علوی مالکی کہتے ہیں کہ وہ ایسی مسجد ہے جو لازوال ہیبت سے جگمگارہی ہے اور جمال و جلال سے پر ہے[1]۔ ایک روحانی مقام ہونے کے ساتھ ساتھ وہ عبادت، ذکر الٰہی اور تعلیم قرآن کی جگہ تھی۔ مسلمانوں کے امام اور مدینہ منورہ کے حاکم و قاضی ہونے کے ناطے وہ آپ کا ٹھکانہ تھی۔ صحابی رسول بلال بن رباح نے سب سے پہلے اس میں اذان دی تھی۔ اذان کے لیے آپ کا انتخاب ایک الہامی خواب کے ذریعہ ہوا تھا جو بعض صحابہ نے دیکھا تھا اور جس کو نبی اکرم نے مبارک خواب بتایا تھا۔

لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ وہ ایک مثالی اوپن یونیورسٹی بھی تھی اور جس طرح مکہ مکرمہ میں دار ارقم اسلام کا پہلا مدرسہ تھا، اسی طرح مسجد نبوی اسلام کی پہلی اوپن یونیورسٹی ثابت ہوئی اور اس طرح مسجد نبوی نے صحابہ کرام اور ان کے مابعد کے لوگوں کی تعلیم و تربیت میں ایک مثالی تہذیبی رول ادا کیا۔

یہ بات کہنے سے تعلق رکھتی ہے کہ اسلام میں علم کا بہت عظیم مقام ہے اور یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام میں علم اور ایمان کا رشتہ بہت ہی اہم اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے والا ہے۔ علم ایمان کا ترجمان اور آئینہ کہا جاسکتا ہے۔ اسلام میں علم کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے ہمارے لیے صرف اس بات پر غور کرنا کافی ہے کہ خود رسول اللہ کے نزدیک اس کی کیا اہمیت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر میرا کوئی ایسا دن آئے جس دن میں اپنے علم میں اضافہ نہ کروں تو میرے لیے اس دن کے سورج میں کوئی خیر نہ ہو۔ اس

[1] المالکی، محمد بن علوی، الذخائر المحمدیۃ، دار جوامع الکلم، قاہرہ، 1993، ص 108

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

حدیث شریف میں کس قدر گہرائی اور کتنا اہم پیغام ہے! ''اللھم زدنی علما'' اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما، یہ جملہ آپ کی دعا کا حصہ ہوتا تھا۔

پیغمبر علم و حکمت کی وہ حدیث بھی ہم پڑھ سکتے ہیں جس میں ذکر ہے کہ علم نہ ہونے کے سبب آسمان اور حکمت کی روشنی انسان کی زندگی سے چلی جاتی ہے اور ایسی صورت میں صرف اس کی نقیض، یعنی جہالت اور تاریکی ہی ہوگی اور جہالت کے درخت پر ایمان کے پھل نہیں لگتے بلکہ نور علم کا چلا جانا نور ایمان کو بجھا دیتا ہے۔ لیکن جب علم کا ایمان کے ساتھ امتزاج ہوتا ہے تو حکمت کے پھل لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندۂ مومن پر علوم ربانی کا فیضان جاری کرتا ہے۔

قابل توجہ ہے کہ اسلام بذات خود علوم کو عبادات جاریہ شمار کرتا ہے۔ علم اگر انسانیت کی بھلائی کے لیے ہو تو ایک قسم کا جہاد بن جاتا ہے اور اسی لیے حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کسب علم کی راہ میں نکلتا ہے، اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے۔

اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ خاص طور سے ضروری ہے کہ علوم و معارف کی سمت میں ہمیشہ آگے بڑھتے رہیں تاکہ ایمان کی پختگی اور قرب الٰہی میں اضافہ ہو۔ اسلام میں علم کا راستہ جنت تک پہنچانے والے راستوں میں سے ایک ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ علوم و معارف کا معرفت ربانی اور قرب الٰہی سے بڑھ کر کوئی مقصد نہیں، کیوں کہ عقل کی سب سے بڑی کمائی معرفت الٰہی ہے اور معرفت الٰہی ہی اصل حکمت ہے۔

روحانی اور عملی تربیت کے لیے نبی اکرم کے فکری اور عملی نظام کے تحت مسلمان قرآن کریم کی دس دس آیتیں یاد کرتے اور انہیں اپنی زندگی میں نافذ کرتے۔ وہ اگلی آیات تب تک یاد نہیں کرتے جب تک پہلے سے نازل آیتیں یاد کر کے اپنے دل میں بٹھا نہ لیتے اور اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ نہ کر لیتے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

رسول اللہ جس طرح ان کے سامنے سورتوں اور آیتوں کی توضیح فرماتے اور نصوص کے ظاہر وباطن پر روشنی ڈالتے، اسی طرح ان کے بلند تر معانی اور داخلی مفہوم کی وضاحت بھی فرماتے۔ پھر آپ ان کے سامنے اسلام کے بنیادی ایمانی حقائق بیان کرتے۔ اس لیے ان کی روح اور دل پاکیزہ ہوتے اور ایمان ویقین گہرا ہوتا جس کے سبب انہیں اللہ کی کماحقہ معرفت حاصل ہوتی اور خود کو شعوری اور غیر مشروط طور پر اللہ کے سپرد کردیتے اور تب اس آیت کریمہ کا معنی صادق آتا جس میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ٱللَّهُ وَلِيُّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ يُخۡرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِۖ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ أَوۡلِيَآؤُهُمُ ٱلطَّٰغُوتُ يُخۡرِجُونَهُم مِّنَ ٱلنُّورِ إِلَى ٱلظُّلُمَٰتِۗ أُوْلَٰٓئِكَ أَصۡحَٰبُ ٱلنَّارِۖ هُمۡ فِيهَا خَٰلِدُونَ﴾ (البقرة: 257)

ترجمہ: اللہ ایمان والوں کا والی ہے، انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ کافروں کے حمایتی شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے تاریکیوں میں لے جاتے ہیں۔ وہی جہنم والے ہیں جس میں انہیں ہمیشہ رہنا ہے۔

اور جب انہیں اللہ کی پوری معرفت حاصل ہوجاتی تو ان کے اندر سے انا اور خواہشات نفسانی ختم ہوجاتیں اور ان کے دل بندگی اور احکام الٰہی کی پوری اطاعت پر جم جاتے۔ پھر ان کے اندر دنیا کی کوئی خواہش باقی نہیں رہتی اور ان کے دلوں میں اللہ اور اس کی طلب کے سوا کچھ باقی نہ رہتا۔ خدا کی خاطر جہاد کرکے وہ اس کے راستوں اور انوار الٰہی کے مستحق ہوئے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَٱلَّذِينَ جَٰهَدُواْ فِينَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَاۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَمَعَ ٱلۡمُحۡسِنِينَ﴾ (العنكبوت: 69)

ترجمہ: جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہم ضرور انہیں اپنے راستے دکھائیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔

اس طرح قرآن کی معرفت عملی روحانی علم میں بدل جاتی جو کہ مرد مومن کی تخلیق اور اس کے وجدان کی تعمیر کا کام کرتی۔ رسول اللہ کی تربیت محض مذہبی اور دینی

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عقائد کی تعلیم و تربیت نہ تھی بلکہ روحانی اور عملی تربیت تھی جس میں مذہبی تربیت اور روحانی سلوک کا امتزاج تھا تاکہ وہ ان کے وجدان و شعور کا حصہ اور ان کی روحانی ترقی کا راستہ بن جائے[1]۔

اس طرح رسول اللہ نے اپنے ماننے والوں کی تربیت کی اور ان کے بیچ سے انسانیت کے اہم نمونے تیار کیے۔ یہاں حنظلہ اور ابوبکر صدیق کے مشہور واقعہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے، کیوں کہ اس سے صحابہٴ کرام کی قلبی بصیرت وا کرنے میں رسول اکرم کے کردار کا پتہ لگتا ہے۔ مذکور ہے کہ آپ دونوں رسول اللہ کے پاس گئے اور عرض کی کہ جب ہم آپ کی مجلس میں ہوتے ہیں اور آپ ہمیں آخرت کی زندگی اور جنت و دوزخ کے بارے میں بتاتے ہیں تو ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہے ہیں، لیکن جب آپ کی مجلس سے نکل کر معمول کی زندگی میں چلے جاتے ہیں تو وہ احساس باقی نہیں رہتا۔

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا، قسم خدا کی جس کے قبضہٴ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تمہاری کیفیت ہمیشہ ویسی رہے جیسی میرے پاس ہوتے ہوئے رہتی ہے اور اللہ کا ذکر کرتے رہا کرو تو تو فرشتے تم سے تمہاری خوابگاہ میں اور راہ چلتے مصافحہ کریں، لیکن اے حنظلہ، یہ کبھی ہوگا اور کبھی نہیں ہوگا۔ اس واقعہ سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ جب صحابہ رسول اللہ کی بارگاہ میں ہوتے اور ان کے دلوں کا رشتہ آپ کے دل سے استوار ہوتا تو ان کی نظروں کے سامنے سے بہت سے پردے ہٹ جاتے اور وہ عام ایمانی معرفت سے نکل کر خاص شعوری مشاہدہ کی حالت میں پہنچ جاتے جس کے سبب وہ اس مقام تک پہنچ سکتے تھے کہ فرشتے ان سے راہ میں مصافحہ کریں بشرطیکہ وہ صورت حال باقی رہے۔

1. بنیعیش، محمد، البعد التوحیدی للذکر فی الاسلام، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 2007، ص 12-14

اس سے ہم یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ رسول اللہ اس شعوری حالت کو صحابہ کے دلوں میں محض آپ کی محفل میں شرکت اورآپ سے کسب علم کر کے منتقل کر سکتے تھے۔ یقیناً رسول اللہ کے قرب اور آپ کی سیرت کی پیروی میں دلوں کی پاکیزگی اور شعوری ادراک ویقین کی فضا میں روح کی ترقی ہے اور یہی چیز ان راستوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جس جماعت نے رسول اللہ سے براہ راست تعلیم وتربیت حاصل کی وہ پوری بشری تاریخ کی سب سے بہترین جماعت تھی۔ اس نبوی یونیورسٹی سے علماء و مفکرین، حکماء و تاریخی قائدین اور اسلامی تہذیب کے دوسرے معمار نکلے اور صحابہؓ کرام کی پہلی جماعت ایسے روشن ستاروں میں بدل گئی جو ہمیشہ مومنوں کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔

یہاں یہ بھی بتادیں کہ اسی نبوی یونیورسٹی سے خلفاء راشدین ابوبکر، عمر، عثمان اور علی نکلے جو اونٹ پالنے والے اور تجارت کرنے والے تھے لیکن دنیا کو اپنی صلاحیتوں سے حیران کر دینے والے رہنما بن گئے۔ ان لوگوں نے حکمت اور انسانی اقدار کا ایسا مظاہرہ کیا جس کی مثال ان سے پہلے اور ان کے بعد کے قائدین کی تاریخ میں شاید ہی مل سکے۔

اسلام کی پہلی صدی ختم ہونے سے پہلے انہوں نے عراق کو آتش پرست اہل فارس کے قبضہ سے اور شام کو اہل روم کے قبضہ سے آزاد کرالیا اور پھر ایک متحد عرب قوم تیار کی۔ انہوں نے عرب قبائل کو متحد کیا اور انہیں ایک دین، ایک زبان اور ایک زمین کے رشتوں سے جوڑ دیا۔ یہ ایسے دائمی رشتے ہیں جو ہمیشہ لوگوں کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتے ہیں اور ان کے شعور اور تعلق کو غذا فراہم کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آگے چل کر مسلمان روشن اسلامی تہذیب کی توسیع کر سکے جو آج بھی انسانی عقل و فکر کو علوم وفنون، ادب اور فن تعمیر سے غذا فراہم کرتی ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہمارے لیے صرف اس بات پر غور کرنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے صحابہ کا سورہ فتح کی اس آیت میں کس طرح وصف بیان کرتا ہے۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الفتح: 29)

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔ آپ انہیں دیکھیں گے رکوع کرتے سجدے کرتے اللہ کا فضل اور رضا چاہتے، ان کی علامت ان کے چہروں پر سجدے کے نشان ہیں، یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنا پٹھا نکالا، پھر اسے طاقت دی، پھر دبیز ہوئی، پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی، کسانوں کو بھلی لگتی ہے، تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔ جو ایمان والے اور نیکو کار ہیں ان سے اللہ نے بخشش اور بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔

مزید برآں یہ کہ مسجد نبوی کا اہم انسانی اور سماجی کردار بھی تھا، جو طبقاتی اور سماجی اختلافات دور کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا۔ اسی طرح سماج کو عملی طور پر نسل پرستی سے پاک کرنے میں بھی اس کا اہم رول تھا جہاں نماز کے لیے مالدار اور فقیر، ادنی و اعلیٰ سب ایک ساتھ جمع ہوتے۔ اللہ کے سامنے تمیز و تفریق کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس عمل سے مسلمانوں کے بیچ بھائی چارہ اور برابری کے اقدار کا قیام ہوا اور اجتماعی اسلامی شعور کی تشکیل ہوئی۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بھائی چارہ

مواخات یا بھائی چارہ کا ایک خاص مفہوم ہے۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے کام کے ساتھ ساتھ جس میں چند ماہ سے زیادہ نہیں لگے، رسول اللہ نے مہاجرین اور انصار کے بیچ مواخات کے مفہوم کو نافذ کرنا شروع کیا۔ اس مواخات کا مقصد سماجی یکجہتی کے لیے ایک انسانی واخلاقی فارمولہ تیار کرنا تھا۔

اس کا بنیادی مقصد اگرچہ مسلمانوں کے مدینہ ہجرت کرنے سے پیدا شدہ اقتصادی اور معاشی مسائل کو حل کرنا تھا، لیکن عملی طور پر اس سے بڑھ کر اس نے سماجی تفریق وامتیاز مٹانے اور سماج کو خوب قریب کرنے کا کام کیا۔

مہاجرین کی تعداد 180 تھی۔ مواخات کے اصول کے طور پر ہر انصاری نے ایک ایک مہاجر کو اپنا بھائی بنایا جو اس کے ساتھ اس کے کام میں اس کے حقیقی بھائی کی طرح شریک ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ حیران کن یکجہتی کی روح ہر تصور کی حد سے گزر گئی اور اس اصول کا نفاذ ایمانی قربانی کی ایک مثال بن گیا۔ ایک انصاری کا واقعہ ذکر کیا جاتا ہے جس نے اپنے مہاجر بھائی کو اپنے مال اور جائداد میں حصہ دینے کے ساتھ بیویوں میں بھی شریک کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ ہوا یوں کہ ایک انصاری نے اپنے مہاجر بھائی سے کہا، میرے پاس دو دکانیں ہیں، تم ان میں سے ایک پسند کر لو اور اپنے لیے حلال سمجھو اور میرے پاس دو بیویاں ہیں، ان میں سے ایک پسند کر لو، میں اسے طلاق دیتا ہوں، تم اس سے نکاح کر لینا! مہاجر نے جواب دیا، اللہ تعالیٰ تمہارے مال اور اہل وعیال میں برکت دے۔ تم مجھے صرف بازار کی رہنمائی کر دو تاکہ میں وہاں جا کر تجارت کروں اور ایسا ہی ہوا۔

اپنی ذات کو نظر انداز کرنے کی حدوں سے متجاوز قربانی کے اس مظاہرے کے آگے کچھ اور کہنے کی گنجائش نہیں۔ اس عظیم سلوک نے بھائی چارہ کے رشتہ کو اتنا مضبوط کیا

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کہ وہ خون، نسل، قبیلہ اور دوسرے تمام تر رشتوں سے آگے بڑھ گیا جس نے ایک بہت ہی مثالی اور متحد اسلامی ثقافت کی تشکیل میں اہم کردار نبھایا۔

قرآن کریم اس پاکیزہ روح کی تعریف سے پیچھے نہ رہا۔ چنانچہ اس بھائی چارہ کو مخاطب کرتی اور بھائی چارہ قائم کرنے والوں کو مغفرت اور پاکیزہ رزق کی بشارت دیتی سورۃ انفال کی آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ (الأنفال: 74)

ترجمہ: وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں، ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

مرحوم بوطی ذکر کرتے ہیں کہ مدینہ میں اسلامی ریاست کی تعمیر تین بنیادوں پر ہوئی، مسجد، مہاجرین وانصار کے بیچ کا مواخات اور دستور مدینہ جو ایک سماجی معاہدہ بنا جسے نبی اکرم نے علی رضی اللہ عنہ کو املا کرایا۔ مسجد نبوی روحانی اور سیاسی قیادت کا مرکز ثابت ہوئی اور یکجہتی کے طفیل اجتماعی وحدت کا تحقق ہوا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اسلام کا نظام مملکت

دستور مدینہ

دستور مدینہ ایک ایسا بنیادی ستون ہے جس پر مدینہ شریف کی مضبوط عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ مسجد کی تعمیر مکمل کرنے اور مواخات کی شروعات کے بعد اللہ کے رسول نے ایک اہم تاریخی قدم اٹھایا، آپ نے ایک ایسی دستاویز مرتب فرمائی جو دستور مدینہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ بنیادی طور پر یہ ایک تاریخی دستوری دستاویز ہے، جس نے اسلامی نظام مملکت کی قانونی اور شرعی بنیاد رکھی۔ اس دستاویز میں تکثیریت، آزادی مذہب، آزادی رائے اور دوسروں کے احترام کو جگہ دی گئی، ہر قسم کے جبر اور غلو کو مسترد کیا گیا اور صحیح معنوں میں مدینہ کے لیے ایک منفرد سماجی معاہدہ ثابت ہوا۔

دستور سازی اس وقت اور ماحول کے حساب سے ایک ترقی یافتہ اقدام تھی۔ بلاشبہ مدینہ کے سماج کے لیے اسے ایک اہم تہذیبی موڑ کہا جاسکتا ہے۔ یہ دستور بعد میں اسلام کے عادلانہ نظام حکومت کے لیے مرجع اول ثابت ہوا۔ یہ 50 سے زیادہ دفعات پر مشتمل تھا، جس کا مقصد مدینہ کے سماج میں سماجی، معاشی اور مذہبی زندگی کی تنظیم کی دستوری بنیاد فراہم کرنا تھا۔ اس دستاویز کے مقدمہ میں اس بات کی تاکید ہے کہ انصار اور مہاجر مسلمان ایک قوم ہوں گے۔ اور 26ویں دفعہ میں ہے کہ یہودی اپنے دین کے پابند ہوں گے اور اسی طرح مسلم اپنے دین کے اور کوئی گروہ کسی پر زیادتی نہیں کرے گا۔ دستور میں اسلام کے بنیادی اصول اور قانون کے سائے میں اجتماعی زندگی کے اصول پہ زور دیا گیا۔ اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں یہ ساری چیزیں مملکت کے جدید مفہوم کے بنیادی عناصر اور شہریت کی موجودہ شرائط سے ہیں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

آپ نے نظام مملکت کی بنیاد اس بنیادی ربانی اصول پر رکھی کہ دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں۔ اللہ عزوجل آیت کریمہ میں پوچھتا ہے: تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ مسلمان ہوجائیں؟ ﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (یونس:99) یعنی انسان کو مجبور نہ کیا جائے۔ بلکہ انسان کے لیے یہ ضروری ہے کہ ذہنی طور پر مطمئن ہوجائے تاکہ مسلمان ہوسکے اور فکری اطمینان آزادی رائے سے حاصل ہوتا ہے۔ رہ گئی بات ایمان کی، تو وہ ایک بہت ہی گہرا قلبی معاملہ ہے۔ ایسی صورت میں ہر قسم کا جبر دین اسلام کی روح کے منافی ہے جیسا کہ یہ فطرت انسانی کے بھی منافی ہے اور اسے عقل بھی قبول نہیں کرتی۔ پھر جب دین کے معاملے میں جبر نہیں تو زندگی کے دوسرے معاملات و معمولات میں بھی جبر مناسب نہیں اور یہی اصول آزادی کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مفہوم کو اس واضح آیت میں بیان فرماتا ہے: ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ﴾ آپ فرما دیں کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، تو جو چاہے ایمان لائے اور جن کی مرضی کفر کرے۔ جو ہر اسلام کی عکاسی کرتی یہ دونوں آیتیں اسلامی معاشرے میں آزادی مذہب اور تکثیریت کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہیں۔

اس طرح سے دستور مدینہ نے دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے تمام تر شہری اور مذہبی حقوق کی پاسداری کی اور مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ان کی عبادات، مذہبی شعائر اور بہتر زندگی کی آزادی کی حفاظت کی۔ اسی طرح اسلامی معاشرے میں ان کے لیے امن و سلامتی کو یقینی بنایا۔ یہ دفعہ سورۂ بقرہ کی اس آیت سے مستفاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (البقرہ: 62)

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ترجمہ: یعنی بے شک ایمان والے اور یہودیوں، نصرانیوں اور ستارہ پرستوں میں سے وہ کہ سچے دل سے اللہ اور آخرت پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں، ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور انہیں نہ کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم۔

جور جیو اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں: اس اطمینان کا سبب یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد آزادی اور مساوات پر ہے۔ اس لیے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے لیے کوئی خوف نہیں۔ بے شک صائبین جن کا ذکر اس آیت میں ہے، وہ ستاروں اور فرشتوں کی پرستش کرنے والے ہیں اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور جیسا کہ اس آیت سے مستفاد ہے اللہ کی رحمت یہود و نصاری بلکہ ستارہ پرستوں کو بھی شامل ہے بشرطیکہ وہ اپنے ایمان میں سچے ہوں۔[1]

اس سے بڑھ کر یہ کہ اس دستاویز میں کسی بھی قسم کے خارجی ظلم کے خلاف جو خواہ مسلمانوں پر ہو یا یہودیوں پر یا کسی اور پر مدینہ کے مشترکہ دفاع کی بات کہی گئی، اسی طرح مدینہ کے کسی بھی باشندہ کے لیے دشمنان اسلام کی حمایت اجازت نہ ہوگی خواہ وہ قریش سے ہوں یا ان کے حلیفوں میں سے۔ دستاویز کے آخر میں ایک ایسی دفعہ ہے جسے ہم امن و سلامتی کی دفعہ کہہ سکتے ہیں جس کے تحت یہ کہا گیا ہے کہ مدینہ کی سرزمین حرمت والی ہے، جس میں جنگ و جدال بھڑکانے کی اجازت نہیں ہے۔

حضرت محمد ﷺ کا مدینہ شریف ایک مقدس شہر ہے، وہ جنگ و جدال، لڑائی جھگڑا یا نفاق کی جگہ نہیں ہے۔ وہ سلامتی کا شہر ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ اس زمانے میں بھی اس دستاویز کا اختتام اس تاکید پر ہو رہا ہے۔ آج جو بھی مدینہ کی زیارت کرتا ہے وہ اس امن و سلامتی کی روح کو محسوس کرتا ہے جس کا بیج حضرت محمد ﷺ نے اپنے شہر میں چودہ صدی پہلے بویا تھا۔

---

[1] دیکھیں: جور جیو، مرجع سابق، ص193

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بنیادی طور پر یہ دستاویز اسلام کے حقیقی اقدار واصول کی قانونی ترجمانی تھی جنہیں رسول نے وضع کیا تھا اور ہمارے سامنے عملی نمونہ پیش کرنے کے لیے انہیں بے کم وکاست برتنے کی جدوجہد کی۔ یہ دستوری اصول ایسے تھے جن سے اسلامی رواداری پر مبنی ثقافت کی بنیاد پڑی جو آج بھی ایک حیران کن نمونہ پیش کرتی ہے۔

شیخ بوطی اس اولین اسلامی میثاق پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلامی سماج ابتدا سے ہی مکمل دستوری بنیادوں پر قائم ہے، اس بات کی دلیل کے لیے ہمیں یہی دستور کافی ہے جسے اللہ کے رسول نے اپنے رب سے وحی کی بنیاد پر تیار کیا اور جسے مسلمانوں اور ان کے یہودی پڑوسیوں کے بیچ معاہدہ کی بنیاد بنایا۔ یہ دستور اس بات کی دلیل کے لیے بھی کافی ہے کہ اسلامی مملکت اپنے نقطۂ آغاز سے ہی مضبوط اور مکمل دستوری بنیادوں پر قائم ہے۔ یہ دستاویز اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کیوں کہ ایسے سماج اور معاشرے میں حقیقی امن نہیں ہوسکتا جن کی بنیاد قانون کی نظر میں حقیقی عدل اور مکمل مساوات پر نہ ہو۔[1]

یہ حقیقت ہے کہ محمد ﷺ کی اسلامی سیاسی فکر میں دستوری نظریہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس وقت شہریت، مملکت اور اس کے قانونی اور انتظامی اصول جیسی دوسری مصطلحات کی طرح دستور کی اصطلاح بھی معروف نہیں تھی۔

ہم جانتے ہیں کہ دستور کی اصطلاح اس سے پہلے صرف ارسطو کے یہاں ملتی ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ اس وقت تک اس کی کتابوں سے نہیں نکل پائی تھی۔ ان قدیم یونانی کتابوں کو سترہ صدیوں تک انتظار کرنا پڑا یہاں تک مسلم اندلسی عربی فلسفی ابن رشد (1198ء) پیدا ہوا جو ان کتابوں کو منظر عام پر لایا۔

اس کشادہ اسلامی ماحول کا اثر یہ ہوا کہ بعد میں اسلام لانے والے غیر عرب بھی عرب سماج میں بلاکسی فرق یا امتیاز کے گھل مل گئے اور پھر امت اسلامیہ، امت محمد ﷺ

[1] دیکھیں: البوطی، فقہ السیرۃ النبویۃ، مرجع سابق، ص 152

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کا جز بن گئے۔ رسول اکرم نے اس بات پر زور دیا کہ سماج گوشت کے ایک ٹکڑے اور ایک آنگن کی طرح ہے اور سماج کا ہر فرد سماجی مفادات کے تحفظ کا ذمہ دار ہے۔[1]

حکومت کی بنیاد عدل پر

اللہ کے رسول دستور اور اصول و قوانین لے کر آئے اور پورے مدنی دور میں ان کے نفاذ کے لیے کوشاں رہے تاکہ ہمیں دونوں جہاں میں کامیابی اور بھلائی کے راستے پہ چلائیں۔ مسلمانوں کے قانونی و اخلاقی مرجع اور امام ہونے کے ناطے مدنی دور کے تقاضوں نے آپ کی ذمہ داریوں میں اضافہ کر دیا چنانچہ آپ اسلامی مملکت کے صدر اور فوج کے سپہ سالار ہوئے۔

قابل توجہ ہے کہ مدینہ کا حاکم مطلق ہونے کے باوصف رسول اکرم کے لیے یہ ممکن تھا کہ جو چاہیں جب چاہیں کریں اور بلا روک ٹوک تن تنہا فیصلہ کریں کیوں کہ آپ براہ راست تفویض الٰہی اور کامل اختیار کے مالک تھے، لیکن اس کے باوجود آپ نے نظام حکومت چلانے میں چار اسلامی اصول پر اعتماد کیا، وہ اصول ہیں: عدل، آزادی، مساوات اور تکثیریت کا احترام اور ان سب سے بڑھ کر مشاورت۔ یہ سب کے سب اسلامی سیاسی فکر کے جوہر ہیں۔

اپنی حکمت سے اللہ کے رسول نے عمر بھر اپنے تمام کاموں میں شوریٰ کے اصول پر عمل کیا۔ آپ مطلق العنانیت اور مطلق العنان لوگوں کو اتنا ہی ناپسند کرتے تھے جتنا ظلم اور شرک کو۔ آپ نے ہمیں تفویض الٰہی سے اس بات کی رہنمائی کی کہ امن اور جنگ دونوں صورتوں میں دوسروں کی رائے کا احترام اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔

---

[1] دیکھیں: الموسوعۃ المیسرۃ فی التعریف بنبی الرحمۃ، رابطۃ العالم الاسلامی، د.م، د.ت، ص 320-321

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہ بات معروف ہے کہ کچھ ایسے قطعی نصوص ہیں جو دستوری احکام کا درجہ رکھتے ہیں اور جن میں کوئی تاویل یا اختلاف کی گنجائش نہیں مثلاً: ﴿وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ (جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو)، ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ﴾ (اور کاموں میں ان سے مشورہ کرو)، ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (ان کا کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے)۔ یہ ایسے اصول ہیں جن سے پہلو تہی کرنا جو ہر اسلام اور عدل کی روح کو نقصان پہنچائے بغیر ممکن نہیں، چہ جائیکہ جاہلی آمریت اور مطلق العنانیت کے ذریعہ اسے ختم کر دیا جائے۔

یہ اصول خداوند تعالیٰ کی جانب سے تھے اور ان کا نفاذ نبی کی طرف سے، اس لیے کسی کوتاہی یا ناکامی کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ رسول اکرم حق، عدل، شوریٰ اور رواداری پر مبنی اسلامی اصول لے کر آئے اور کبھی ان سے سرمو انحراف نہیں کیا۔ اس طرح رسول اکرم نے ہمارے لیے تکثیریت، آزادی اور دوسروں کی رائے کے احترام پر مبنی اسلامی نظام حکومت کا خوبصورت سبق چھوڑا۔ یہ حقیقت ہے کہ جو کوئی بھی رسول اکرم کی سیرت میں اچھے سے غور کرے گا اسے اس بات کا ادراک ہوگا کہ رسول اکرم بلا مبالغہ سراپا عدل تھے۔ جسے آسمان سے بھیجا گیا ہو وہ سراپا عدل ہی ہوگا۔

قوانین

آسمانی قوانین جو رسالت محمدی کے دوسرے حصہ کی تکمیل کے لیے آئے ان سے اصلاحی نبوی انقلاب کو پائیدار ہونا تھا۔ اس مقام پر ضروری ہے کہ ہم تھوڑا رک کر شہری قوانین پر ایک نظر ڈالیں اور پھر سیرت کے اپنے سفر پر روانہ ہوں۔

آپ کی مدنی زندگی کے 10 سال تک قرآن کریم کو مکمل کرنے والی سورتیں نازل ہوتی رہیں۔ جہاں مکی سورتیں ایمان اور توحید کی پائیداری کے لیے نازل ہوئیں وہیں

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قانونی سورتیں مسلمانوں کی روح اور نفس کو زندگی کے گناہوں اور برائیوں سے پاک کرنے اور خالق کے ساتھ مومن کے رشتے کو مضبوط کرنے کے لیے نازل ہوئیں۔

ہم جانتے ہیں کہ جزیرۂ عرب کے معاشرے میں جاہلی عرف وعادات کی جڑیں مضبوط تھیں۔ یہ بات صرف عربی سماج کے ساتھ خاص نہ تھی بلکہ دیگر انسانی سماج کے اندر بھی جاہلانہ خصلتیں اور عادتیں تھیں۔ اس لیے یہ آسمانی قوانین حقوق، سماج اور ثقافت کی سطح پر اصلاحی انقلاب کا جز بن گئے۔

دوسرے ہجری سال میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد فریضۂ زکوٰۃ عائد ہوا اور اس کے نصاب، شرائط اور احکام بیان کیے گئے۔ پھر مسئلہ وراثت اور تعدد ازدواج کی جٹیل بیماری کے حل کی لیے اسلامی نظریہ پیش کیا گیا۔

ان قوانین کا مقصد یہ تھا کہ سماج میں اعلیٰ اسلامی اقدار پیدا کیے جائیں اور مدینہ کے سماج کا طرز معاشرت عدل ومساوات کے اسلامی نظریہ کے مطابق ہو۔

اس مسئلہ کو جاہلی عرب سماج میں دیکھنے سے پہلے یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ اسلام سے قبل تمام ادیان میں بلا کسی قید تعدد ازدواج مباح تھا اور وہ کسی قانون کا پابند نہ تھا۔ مشہور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی 18 بیویاں تھیں اور ان کے بعد اللہ کے نبی حضرت سلیمان کے پاس 600 بیویاں تھیں۔ شراب نوشی جائز تھی۔ تعدد ازدواج کے متعلق قانون اور شراب کی حرمت کا حکم اسلام نے دیا۔

اسی طرح یہ بھی معروف ہے کہ جاہلی سماج میں تعدد ازدواج عام تھا۔ یہ کوئی ناپسندیدہ یا اختلافی مسئلہ نہیں تھا، بلکہ اس زمانے کی روایات کے مطابق باعث فخر اور دولت وجاہ کے اظہار کا ایک ذریعہ تھا۔

البتہ روایات کا حصہ ہونے کے باوجود یہ سماجی پسماندگی اور عورت کے خلاف ظلم کی ایک علامت تھا۔ کچھ لوگوں کی متعدد بیویاں ہوتی تھیں جن کی تعداد 10 یا اس سے بھی

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

زیادہ ہوتی تھی، ناجائز جنسی تعلقات اس پر مستزاد۔ اسلام سے پہلے عہد جاہلیت میں ناجائز تعلقات کی کثرت ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔

تقدیر الٰہی سے ان جاہلی رسموں کے علاج کا وقت آیا اور وقفہ وقفہ سے احکام الٰہی نازل ہوئے۔ پہلے دینی فرائض، مثلاً نماز، روزہ کے احکام آئے، پھر شہری اور اسلامی سماجی احکامات آئے، تو ایک انسان اور ماں کی حیثیت سے عورت کے مرتبے کو زک پہنچانے والی رسموں پر روک لگادی گئی۔ یقیناً اسلام نے 4 بیویوں کی اجازت دی ہے، لیکن اس کے لیے اتنی مشکل شرطیں رکھی ہیں کہ ایک انسان انہیں شاذ ونادر ہی پوری کرسکتا ہے۔ پھر غلامی کا مسئلہ آیا۔ یہ بھی سارے عرب اور غیر عرب سماج میں عام تھا اور یہ آج بھی انسانیت کی پیشانی پر سیاہ دھبہ ہے۔ چنانچہ انہیں فکری سطح پر ختم کرنے کے بعد عملی سطح پر تدریجاً ختم کرنے اور پابند قانون کرنے کے لیے احکامات آئے۔ ہم جانتے ہیں کہ اسلام کے نزدیک بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان اللہ کے نزدیک کنگھے کے دانتوں کی طرح برابر ہیں۔ جب اسلام نے انسان کو عدل ومساوات کے ذریعہ اکرام بخشا تو یہ کسی صورت ممکن نہیں ہے کہ غلامی کو پسند کرے۔

یہاں پر صرف حضرت عمر کا یہ قول زریں نقل کرنا کافی ہوگا کہ تم لوگوں کو غلام کیسے بناسکتے ہو جبکہ ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا ہے۔ یہ وہ قول ہے جو اسلام کے روح عدل کی ترجمانی کرتا ہے اور اسلامی ثقافت کے جوہر کا حصہ ہے۔ آپ کو یاد دلادیں کہ یہ بات فرانسیسی انقلاب اور یورپ کے قوانین سے ایک ہزار سال سے زیادہ پہلے کہی گئی۔ ایک اور موضوع شراب کا ہے جسے تدریجاً حرام کیا گیا۔

پھر وراثت کا قانون آیا۔ یہ پورے انسانی سماج کی سطح پر ایک مثالی قانون تھا جو حقوق کا ایک مکمل فلسفہ ثابت ہوا۔ یہاں اس کی قانونی تفصیلات میں جانے کی گنجائش نہیں، لیکن یہ ایسا قانون ہے جس نے پوری انسانی تاریخ میں پہلی بار عورتوں کو ان کے اقتصادی اور

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سماجی حقوق عطا کیے۔ یہ قانون عورتوں کو سماج کے ایک مستقل، معزز اور مکرم وجود کی حیثیت سے مانتا ہے۔ وارثین کے ہر فرد کے لیے ترکہ میں تقسیم ربانی کے مطابق حقوق ہیں۔

یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وراثت کا قانون مادی حقوق کی حفاظت کے لیے آیا، لیکن اصل میں اس نے عورتوں کو تہذیبی سطح پر جاہلی رسم و رواج کے ظلم سے آزادی عطا کی۔ ان کے انسانی مقام و مرتبے کو بلند کیا اور عملی سطح پر ان کے ساتھ ساتھ مردوں کو بھی جہالت اور پستی کی زنجیروں سے آزادی دی۔

خلاصہ یہ کہ سماجی معاہدہ، اسلامی قوانین اور تربیت محمدی کی بدولت اللہ کے رسول نے رفتہ رفتہ جاہلی تہذیب و ثقافت اور قبائلی رجحانات کا خاتمہ کیا، خواہ وہ خاص عورتوں کے خلاف رہے ہوں یا عمومی طور پر سماجی بھید بھاؤ سے متعلق ہوں اور اس کے بدلے انسانوں کے احترام اور حقوق پر مبنی ایک نئی تہذیب کی بنیاد رکھی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ رسول اکرم چند سالوں میں ہی یہ سارا سماجی اور تہذیبی بدلاؤ لانے میں کامیاب رہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پانچویں فصل

مدینہ میں اسلام اور یہود

اسلامی عربی تاریخ میں یہودیت ایک مشکل مسئلہ رہی ہے۔ مکہ کے پریشان کن دور کے بعد مسلمان قریش سے دور امن و سکون کی طلب میں تھے، خاص کر یہ دیکھتے ہوئے کہ ایمان کے پیاسے دلوں میں راہ پانے کے لیے دعوت کے کام کی خاطر آزادی درکار ہوتی ہے۔ لیکن مدینہ میں ان کا قیام خاطر خواہ پر سکون نہیں رہا۔ بلکہ مکہ میں اگر قریش کی شکل میں صرف ایک دشمن تھا تو مدینے میں یہود، مشرکین اور منافقین تین طرح کے دشمنوں کا سامنا تھا۔

آگے چل کر یہود اور منافقین نے قریش کے ساتھ اتحاد کر لیا اور جنگ خندق کے دوران مسلمانوں کو مدینہ سے اکھاڑ پھینکنے کی بہت بڑی کوشش کی۔ جہاں قریش مکہ میں دینی مرجعیت کی کمی تھی، وہیں مدینہ کے یہود آسمانی دین والے تھے، انہیں رسولوں اور رسالتوں کے معاملے میں بد سلوکی اور کبر و نخوت آمیز بحث و مباحثہ کا لمبا تجربہ تھا۔ مبالغہ نہ ہو گا اگر ہم کہیں کہ پوری یہودی تاریخ حق اور سلامتی کے انکار اور نفرت سے عبارت ہے۔ اس وجہ سے مدینہ میں مسلمانوں کو بڑی مشکلات کا سامنا رہا۔ لیکن ان کے مقابلے اسلام نے اوس و خزرج وغیرہ باشندگان مدینہ کے ایک بڑے طبقہ کے دلوں میں راہ پالی اور بہت مضبوط ہو گیا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دوسری طرف نبی کی آمد کے متعلق یہود کا عقیدہ کچھ عجیب نہ تھا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا جزیرۂ عرب میں نبی کی آمد کی بشارتیں عام تھیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ایک پختہ عقیدہ کی شکل اختیار کر گئی تھی بلکہ خاص کر یہودیوں کے نزدیک ایک معقول نیک فال بن گئی تھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہود اس عقیدہ کے زیادہ ماننے والے تھے، اس حد تک کہ جب عرب قبائل ان کے خلاف سرکشی کرتے تو یہ انہیں یہ کہہ کر دھمکی دیتے کہ ایک نبی آئیں گے، ان کے آنے کا وقت ہوا چاہتا ہے، ہم ان کی پیروی کریں گے اور ان کے ساتھ مل کر تم سے عاد وارم کی مانند جنگ کریں گے[1]۔

تضاد یہ ہے کہ یہود جو نبی کی آمد کا دوسروں کے مقابلے زیادہ انتظار کر رہے تھے، وہ آپ کی آمد کے بعد منکر ہو گئے، حالاں کہ وہ اس بات کا صریح اقرار کر رہے تھے کہ آپ نبی ہیں۔ وہ یہ کہتے تھے کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کا انہیں انتظار ہے۔ اس طرح وہ اہل یہود کی نسل سے نبی کا انتظار کر رہے تھے جن کے ساتھ مل کر وہ عرب سے جنگ کریں۔ گویا وہ نبی کا انتظار صرف اس لیے کر رہے تھے کہ ان کی مدد سے عرب سے جنگ کر سکیں۔

لیکن آیت کریمہ رسول سے ان کی نفرت کا حقیقی سبب پیش کرتی ہے: ﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا (42) اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ﴾ (فاطر:42-43)

ترجمہ: اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنے حلف میں حد کی کوشش سے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا آیا تو وہ ضرور کسی نہ کسی گروہ سے زیادہ راہ پر ہوں گے۔ پھر جب ان کے پاس ڈر سنانے والا آیا تو اس نے انہیں نہ بڑھایا مگر نفرت کرنا زمیں پر ان کے تکبر اور برے داؤ کے سبب اور برا داؤ اپنے چلنے والے پر ہی پڑتا ہے۔

[1] دویدار، صور من حیاۃ الرسول، ج2، مرجع سابق، ص66

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جورجیو کہتے ہیں کہ ابتدا میں جب یہودیوں نے دیکھا کہ مسجد قباء کی سمت بیت المقدس کی جانب ہے اور قران میں گزشتہ انبیا مثلاً حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیھم السلام کا ذکر ہے تو انہیں گمان ہوا کہ محمد ﷺ حضرت موسیٰ کے دین کی پیروی کریں گے، کیوں کہ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ انبیاء ان کے پسندیدہ گروہ سے ہوں گے۔ جب محمد ﷺ مسلمانوں کے ساتھ مسجد قباء کی تعمیر میں مصروف تھے تو آپ سے ملنے کے لیے کئی یہودی علماء آئے تا کہ یہ جان سکیں کہ آپ کس حد تک حضرت موسیٰ کا دین قبول کریں گے۔

انہوں نے آپ سے کہا کہ ہدایت وہی ہے جس پر ہم ہیں[1]۔ اے محمدا اگر آپ نبی بننا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ پہلے یہودی ہو جائیں۔ کیوں کہ اللہ نے نبوت کے لیے ہماری قوم کو خاص فرمایا ہے۔ ہم اللہ کے پسندیدہ گروہ ہیں۔ اللہ کے رسول نے جواب دیا کہ یہ ان کے اختیار میں نہیں ہے کہ نبی بن جائیں، انہیں تو اللہ نے نبی بنایا ہے۔ سبھی انسان اللہ کے نزدیک برابر ہیں اور کسی قوم کو کسی قوم پر کوئی فضیلت نہیں ہے، یہ تو اللہ کی مرضی ہے جسے چاہے مخاطب کرے اور مبعوث کرے۔

پھر ان سے رسول اکرم نے فرمایا کہ یہود دوسرے لوگوں سے کسی طرح ممتاز نہیں ہیں اور اللہ نے انہیں دوسروں پر فضیلت نہیں بخشی ہے۔ وہ سب کے سب برابر ہیں[2]۔ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿وَقَالُواْ كُونُواْ هُودًا أَوْ نَصَٰرَىٰ تَهْتَدُواْ ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَٰهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ﴾ (البقرہ: 135)

---

[1] ابن ہشام، مرجع سابق، ص491

[2] جورجیو، مرجع سابق، ص180

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ترجمہ: کتابی بولے کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ، ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے، تم فرماؤ کہ ہم تو ابراہیم کے دین کی اتباع کرتے ہیں جو ہر باطل سے جدا تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

جب انہیں یقین ہو گیا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں جنہیں نئی شریعت کے ساتھ بھیجا گیا ہے، جس کا بعض حصہ بعض پرانی شریعتوں کو باقی رکھتا ہے اور بعض کو منسوخ کرتا ہے تو یہود آپ کے مخالف ہو گئے اور ہر ممکن وسائل کے ذریعہ آپ سے چھپ کر اور کھل کر جنگ کرنے کا فیصلہ کیا اور اسلامی دعوت کو نقصان پہنچانے کے لیے قسم قسم کے جاہلی پروپیگنڈوں کے ذریعہ حملہ بول دیا۔

مثال کے طور پر دیہات میں یہ افواہ پھیلا دی کہ جو عورت مسلمان ہو گئی وہ کبھی حاملہ نہ ہو سکے گی۔ البتہ وہاں کچھ حقیقی یہودی بھی تھے جو اکثریت سے ہٹ کر ایمانی موقف رکھتے تھے، کیوں کہ انہوں نے آپ کی رسالت میں آپ کے پیش رو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا تسلسل دیکھا۔

عبد اللہ بن سلام کے مسلمان ہونے کا واقعہ ہمیں رسول کے سلسلے میں یہود کے موقف کا اجمال پیش کرتا ہے۔ عبد اللہ بن سلام مشہور یہودی عالم تھے۔ انہیں یہود میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ جب انہوں نے نبی اکرم کے قباء پہنچنے کی خبر سنی تو کہا اللہ اکبر۔ اس وقت وہ اپنی پھوپھی خالدہ بنت حارث کے ساتھ کھیت میں تھے۔ جیسے ہی ان کی پھوپھی نے تکبیر سنی ویسے ہی کہا اللہ تمہیں نامراد کرے! بخدا اگر میں موسیٰ بن عمران کی آمد کی خبر سنتی تو "خیبک اللہ" (اللہ تمہیں نامراد کرے) نہ کہتی۔ انہوں نے کہا اے پھوپھی یہ موسیٰ بن عمران کے بھائی ہیں، ان کے ہی دین پر ہیں اور انہیں اسی شریعت کے ساتھ بھیجا گیا ہے جس کے ساتھ ان کو بھیجا گیا تھا۔ وہ بولی: اے بھتیجے! کیا یہ وہی نبی ہیں جن کی ہمیں بشارت دی جاتی تھی؟ انہوں نے کہا ہاں! وہ بولی پھر ٹھیک ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سلام اور محبت کو عام کرو

عبد اللہ بن سلام نبی سے ملنے اور ان کی نبوت کی تحقیق کرنے گئے۔ جب وہ مدینہ کے میدان میں پہنچے تو نبی اکرم کو اس مقام پر اپنے پہلے خطبے میں کہتے ہوئے سنا "أفشوا السلام، وأطعموا الطعام وصلوا الأرحام وصلوا بالليل والناس نيام تدخلو الجنة بسلام" یعنی سلام عام کرو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں نماز پڑھو، سلامتی کے ساتھ جنت میں جاؤ گے۔ مدینہ کے میدان میں رسول اکرم کی یہ پہلی دعوت تھی، سلام کو عام کرنے کی دعوت۔ اللہ کا نام سلام ہے (هو الملك القدوس السلام) اور اہل جنت کا باہم دیگر کلام کا افتتاحیہ سلام ہے۔ آپ نے سلام و محبت سے باشندگان مدینہ کے ساتھ اپنی پہلی بات چیت کا آغاز فرمایا تاکہ مدینہ میں سلام و محبت پھیل جائے جہاں جہاں اسلام جائے، لیکن اس کی شروعات مومن دلوں سے ہو کیوں کہ اللہ سلام ہے اور جب مومن بر حق کے دل میں اللہ گھر کر جائے گا تو سلام پھیل جائے گا۔

اسی طرح کی بات رسول اکرم دوسرے خطبے میں فرماتے ہیں کہ وہ کامیاب ہوا جس نے اللہ کو اپنے دل میں بسا لیا، وہ پسند کرو جو اللہ کو پسند ہے، اللہ سے پورے دل سے محبت کرو۔

عبد اللہ بن سلام کہتے ہیں کہ جب میں نے آپ کے چہرے کی جانب دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ جھوٹا چہرہ نہیں ہے اور اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے نبی اکرم سے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچ مچ اللہ کے نبی ہیں اور حق لے کر آئے ہیں۔ نبی اکرم ان کی جانب متوجہ ہوئے اور پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ وہ بولے حصین بن سلام۔ نبی اکرم نے اس کے جواب میں کہا نہیں، عبد اللہ بن سلام۔ عبد اللہ بن سلام کہتے کہ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ، عبد اللہ بن سلام۔ قسم خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں نہیں چاہوں گا کہ آج کے بعد میرا کوئی دوسرا نام ہو۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عبد اللہ بن سلام پختہ علم تھے۔ اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور رسول اکرم کے مقرب صحابی ہو گئے۔ یہ پہلے یہودی تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کے بیچ حقیقی تعلق کو سمجھا۔ قرآن کریم تاکید کرتا ہے: ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ: 146)

ترجمہ: جنہیں ہم نے کتاب عطا کی وہ اسے ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو۔ ان میں کا ایک گروہ جانتے ہوئے بھی حق چھپاتا ہے۔

عبد اللہ بن سلام شاید تاریخ اسلامی میں اکلوتے شخص ہیں جو امام حبر (متبحر صاحب علم امام) کے لقب سے جانے گئے۔ یہ عظیم عالم اسلام لائے اور پلک جھپکتے ہی آپ کا نام بدل گیا۔ چہرۂ انور دیکھا اور ایمان لے آئے۔ یہ واضح ہے کہ اللہ نے آپ کو پسند کیا اور مدینہ میں نبی اکرم کی رفاقت کے لیے چن لیا۔

قابل توجہ ہے کہ عبد اللہ بن سلام نے رسول اکرم سے اپنی پہلی ہی ملاقات میں آپ کو یہود پر اعتماد کرنے سے بچنے کے لیے کہا۔ بولے کہ وہ باطل قوم ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ میں ان کا آقا اور سب سے بڑا عالم ہوں۔ آپ انہیں دعوت دیں اور ان سے میرے بارے میں پوچھیں قبل اس کے کہ وہ میرے اسلام لانے کے بارے میں جان جائیں۔ کیوں کہ اگر وہ جان جائیں گے کہ میں اسلام لا چکا ہوں تو میرے بارے میں وہ ایسی باتیں کہیں گے جو مجھ میں نہیں ہیں۔ یہود کی فطرت کو ان کے عالم سے زیادہ کون جان سکتا ہے؟

نبی اکرم نے یہود کو اپنے پاس بلایا اور ان سے فرمایا: اے قوم یہود! اللہ سے ڈرو! قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں تمہارے پاس حق لے کر آیا ہوں، تم مسلمان ہو جاؤ! پھر آپ نے ان سے فرمایا کہ حصین بن سلام کون ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ وہ ہمارے آقا ہیں۔ ہمارے آقا کے بیٹے ہیں۔ ہمارے سب سے بڑے عالم ہیں اور ہمارے سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں۔ جب وہ اپنی

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بات سے فارغ ہوئے تو جیسا کہ خود عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ میں ان کے سامنے آیا اور ان سے کہا، اے قوم یہود! اللہ سے ڈرو اور جو محمد ﷺ تمہارے پاس لے کر آئے ہیں اسے قبول کر لو۔ بخدا تم خوب جانتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور تم توریت میں ان کے نام اور صفت کے ساتھ ان کا ذکر پاتے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، میں ایمان لاتا ہوں اور آپ کی تصدیق کرتا ہوں۔

وہ بولے کہ آپ نے جھوٹ کہا۔ عبداللہ بن سلام نے رسول اللہ سے کہا اے اللہ کے رسول! کیا میں نے آپ کو نہ بتایا تھا کہ وہ جھوٹے اور گناہ گار ہیں۔ عبداللہ بن سلام یہ کہتے ہوئے اپنی بات ختم کرتے ہیں کہ میں نے اپنا اور اپنے اہل خانہ کے اسلام کا اعلان کیا اور میری پھوپھی خالدہ بنت حارث بھی مسلمان ہو گئیں[1]۔

عبداللہ بن سلام کا اسلام لانا مدینہ میں ایک عظیم واقعہ تھا۔ ان کے اسلام سے مسلمانوں کو کسی حد تک مدد ملی، کیوں کہ انہوں نے رسول اور ان کی رسالت کا انکار کرنے والے یہود کے دلائل کمزور کر دیے۔ اسی لیے ابن قیم جوزی لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے زمانے میں یہود میں سے ان کے آقا اور عالم عبداللہ بن سلام کے علاوہ کوئی ایمان نہ لاتا تب بھی پورے روئے زمین کے یہود کے مقابلے کافی ہوتا۔ لیکن اسلام کے معاملے میں آپ کی پیروی تو بے شمار یہودی اور عیسائی عالموں نے کی[2]۔

جو کوئی بھی اپنے دین کی حقیقت پر گامزن ہے، خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، اس کے ایمان کا تقاضہ ہے کہ محمد ﷺ اور ان کی رسالت پر ایمان لائے۔ آیت کریمہ اس کی تاکید کرتی ہے:

---

[1] ابن ہشام، مرجع سابق، ص 465-466

[2] ابن قیم، ہدایۃ الحیاری، دار الکتاب العربی، بیروت، 2005، ص 53

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

﴿لَٰكِنِ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ ۚ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ ۚ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا (162)﴾ (النساء: 162)

ترجمہ: ہاں جو ان میں علم میں پکے ہیں اور ایمان والے ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا اور نماز قائم رکھنے والے اور زکوۃ دینے والے اور اللہ اور قیامت پر ایمان لانے والے، ایسوں کو عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے۔

یہودی علماء جنہوں نے اپنے اپنے طریقے سے محمد ﷺ کی نبوت کی تحقیق کی اور مسلمان ہوگئے، ان کے بہت سے واقعات ہیں۔ سب سے مشہور واقعہ زید بن سعنہ کا ہے۔ یہ یہودی عالم کہتا تھا کہ میں نے محمد ﷺ میں نبوت کی ساری نشانیاں دیکھ لیں سوائے دو نشانیوں کے۔ وہ یہ کہ ان کا حلم ان کے جہل پر سبقت لے جائے اور جہل کی شدت ان کے حلم میں اضافہ کرے۔

چنانچہ زید بن سعنہ نے ایک ڈراما سوچا اور نبی اکرم ﷺ سے قرض کا مطالبہ کرنے پہنچا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ قرض کی ادائیگی کا وقت ابھی نہیں ہوا ہے۔ اس نے نبی اکرم کا کپڑا پکڑا اور آپ کی گردن کے گرد لپیٹ دیا جیسے آپ کا گلا گھونٹ دے گا اور سخت لہجے میں بولا اے بنی عبد المطلب! تم لوگ ٹال مٹول کرنے والے ہو۔ اس یہودی کی اس جرأت اور رویے سے عمر غضبناک ہوگئے کہ نبی اکرم کے خلاف کس طرح جرأت کر رہا ہے۔ حالاں کہ آپ مسجد میں اپنے ماننے والوں کے بیچ ہیں۔ چنانچہ عمر نے اسے ڈانٹا اور قتل کرنے کے لیے تلوار نکال لی۔

لیکن نبی اکرم خاموشی کے ساتھ مسکراتے رہے۔ اس برے رویے کے سبب آپ کے اوپر غضب یا کم از کم ناپسندیدگی کے آثار رونما نہیں ہوئے۔ پوری بردباری کے ساتھ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

آپ نے عمر سے کہا: اے عمر! میں اور یہ تمہاری طرف سے دوسرے رویہ کے زیادہ محتاج ہیں۔ وہ یہ کہ تم مجھے قرض کی ادائیگی اور اسے قرض کے تقاضہ میں بہتر رویے کا حکم دو۔ پھر آپ نے فرمایا۔ ابھی اس کی میعاد کو تین دن باقی ہیں۔ یعنی اس کے قرض کی ادائیگی کے لیے مقرر تاریخ میں ابھی تین دن ہیں۔ اس کے باوجود رسول اللہ نے عمر کو حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کریں اور چوں کہ عمر نے ڈرایا تھا لہذا اس عوض 20 فیصد بڑھا کر دیں[1]۔

یہ رسول کے حلم اور بد سلوکی کرنے والوں کے ساتھ آپ کے برتاؤ کے واقعات میں سے ایک ہے۔ یہ ایسا واقعہ ہے جو ہمیں آپ کے اندر اللہ کی تربیت دکھاتا ہے۔ جس وقت یہودی عمر کے ساتھ نکلا تو ان کو بتایا کہ وہ رسول کا امتحان لے رہا تھا تاکہ آپ کے حلم کا اندازہ کر سکے اور اسلام قبول کر لیا۔ کہا گیا ہے کہ جس قرض کا مطالبہ کرنے آیا تھا وہ قرض اس نے مسلم فقراء کے تعاون کے لیے دیدیا۔

زید بن سعنہ کا قصہ جہاں رسول کا حلم اور بردباری بتاتا ہے وہیں صفیہ بنت حیی کا قصہ اللہ کے نبی اور مسلمانان مدینہ سے یہودیوں کی دشمنی کی انتہا بتاتا ہے۔ صفیہ یہودیہ تھی جس نے اسلام قبول کیا اور رسول اکرم سے شادی کر لی۔ یہ قصہ ایک دوسری شہادت ہے جس کی اپنی تاریخی حیثیت ہے۔

کھلی دشمنی

سیرت کی کتابوں میں صفیہ رضی اللہ عنہا کا بیان مذکور ہے کہ جب ان کے والد اور چچا قباء میں نبی ﷺ سے ملاقات کر کے واپس لوٹے، جس ملاقات سے آپ کی اور آپ کی رسالت کی تصدیق مطلوب تھی تو وہ دونوں سست اور بے دل تھے۔ آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ میں نے اپنے چچا ابو یاسر کو میرے والد سے پوچھتے ہوئے سنا کہ کیا یہ وہی ہیں؟

---

[1] الجزائری، مرجع سابق، ص 346

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تو انہوں نے جواب دیا،ہاں خدا کی قسم وہی ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ نے انہیں ان کی صفات سے پہچان لیا؟ انہوں نے جواب دیا، بخدا پہچان لیا۔ پھر پوچھا کہ آپ کے دل میں ان کے متعلق کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا بخدا جب تک زندہ ہوں صرف عداوت۔[1]

آپ کو پہچاننے اور آپ کے رسول اللہ ہونے کا اقرار کرنے کے بعد بھی ان کے دلوں میں آپ کے لیے صرف دشمنی ہی رہی۔ بلکہ زندگی بھر اس پر جمے رہے۔ لیکن محمد ﷺ نے اہل کتاب ہونے کے باوصف ان میں خیر کی نشانی دیکھی اور امید کرتے رہے کہ وہ آپ کی رسالت قبول کرلیں۔ کیوں کہ آپ تو گزشتہ انبیاء کے پیغامات کی تکمیل کے لیے تشریف لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران: 84)

ترجمہ: کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اترا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے بیٹوں پر اور جو کچھ ملا موسیٰ، عیسیٰ اور انبیاء کو ان کے رب سے، ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے۔

اللہ کے رسول نے ان کے ساتھ انبیاء کا برتاؤ کیا لیکن ان لوگوں نے آپ کی دعوت کو خوش آمدید نہیں کہا اور اعراض وانکار بلکہ سازش کے ذریعہ اس کا سامنا کیا۔ یہ طریقہ جاری رہا، کبھی کھل کر اور زیادہ تر چھپ کر، یہاں تک کہ مسلمان پہلے مرحلے میں مدینے میں اسلامی سلطنت سے ان کے خطرے کو ٹالنے میں کامیاب ہوئے اور پھر خیبر میں ان کی طاقت کو توڑا تاکہ مسلمان اپنی نئی سلطنت میں امن وسکون کو یقینی بناسکیں۔

---

[1] ابن ہشام، مرجع سابق، ص 467

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہود کی اکثریت نے رسول کی تصدیق سے انکار کر دیا۔ بعض انکار کرنے والوں نے کہا کہ محمد پر ایمان لانے اور ان کی پیروی کرنے والے صرف ہم میں کے برے لوگ ہیں۔ اگر بھلے لوگ ہوتے تو اپنے آباء کا دین چھوڑ کر کسی اور دین کی طرف نہ جاتے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ مثلاً یہودی عالم عبداللہ بن سلام یہود کے بہتر لوگوں میں سے تھے اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی اتباع میں ہی اسلام قبول کیا تھا کیوں کہ ان کا ہی حکم تھا کہ ان کے بعد آنے والے نبی کی اتباع کریں اور مسلمان ہو جائیں۔

اللہ عزوجل ان کی نیتوں کو جانتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: ﴿فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ﴾ (آل عمران: 20)

ترجمہ: پھر اگر وہ آپ سے حجت کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں اپنا منہ اللہ کے حضور جھکائے ہوں اور جو میرے پیرو ہوئے۔ اور کتابیوں اور ان پڑھوں سے کہیں کہ کیا تم نے سر تسلیم خم کیا، پس اگر وہ ایسا کریں تو راہ پا گئے اور اگر منہ پھیریں تو آپ پر تو یہی حکم پہنچانا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

جیسا کہ بوطی کہتے ہیں انصاف جس کا ذکر میثاق مدینہ میں کیا گیا اور دیگر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ نبی اکرم کا برتاؤ نتیجہ خیز ثابت ہوا اور یہودیوں اور مسلمانوں کے بیچ امن کے رشتے کی بنیاد پڑی۔ رسول اکرم نے یہودیوں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا، انہیں امن و سلامتی کی ضمانت دی، ان کے حقوق و مفادات اور مدینہ میں ان کی عزت و مرتبے کی ضمانت دی اور یہ ساری ضمانتیں مشہور تاریخی میثاق میں درج کی گئیں۔

لیکن یہود کی فطرت اور عداوت عقل، رواداری اور پرامن بقائے باہم کی دعوت پر غالب آگئی۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں بعد میثاق مدینہ کی دفعات سے مکر گئے اور قسم قسم

کے مکر اور خیانت کے ساتھ اللہ کے رسول اور مسلمانوں کے خلاف بر سرپیکار ہو گئے۔ اس بنیاد پر مسلمانوں کے ساتھ ان کا عہد و پیمان ختم ہو گیا[1]۔

حال یہ ہے کہ جزیرۂ عرب میں صدیوں تک عربوں کے ساتھ رہنے کے باوجود بالعموم عرب اور بالخصوص جزیرۂ عرب کے تئیں ان کا نسلی برتری کا رویہ باقی رہا۔ یہود نے دیکھا کہ اسلام کے ذریعہ قائم قبائل کے اتحاد اور آپسی بھائی چارہ سے مدینہ میں ان کے اثر و رسوخ پر زد پڑ رہی ہے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ قبائل سے ان کا اثر پورے طور پر ختم ہو گیا ہے اور اس سے پورے جزیرہ عرب میں ان کا اثر کم ہو جائے گا اور ان کی حیثیت کمزور ہو جائے گی۔

اسلام نے اسے متحد کیا جسے جاہلیت نے منتشر کر دیا تھا اور پورے عرب کو ان کے رسول کے پیچھے ایک صف میں متحد کر دیا۔ کمزور تھے تو طاقت ور ہو گئے۔ مسلمان جب تک رسول کی تعلیمات پر گامزن رہے اور ان کے نقش قدم پر چلتے رہے ہر قسم کے شر سے محفوظ رہے۔ یہود نے سب سے پہلے دشمنانہ اقدام کے طور پر یہ کوشش کی کہ اوس و خزرج کے بیچ پھر سے جنگ و جدال ہو جائے اور قبائل پھر سے جاہلی روایات و رجحانات کو اپنا لیں۔

شاش بن قیس یہودی نے دونوں فریق کو جمع کیا اور ان کے بیچ ایک ایسے شخص کو لا کھڑا کیا جو ان کے شعرا کو اپنے قبیلہ کی بہادری کے واقعات اور دوسرے کی برائی پر مشتمل قصیدے پڑھنے کے لیے آمادہ کرے۔ چنانچہ دھیرے دھیرے قصائد کی پیش کش کے ساتھ جاہلیت کے بادل چھا گئے اور قریب تھا کہ شاش اس قبائلی عصبیت کی آگ پھر سے بھڑکا دے جسے رسول نے اپنی حکمت سے بجھایا تھا۔ چنانچہ ہتھیار نکل گئے اور قریب تھا کہ دونوں قبیلوں کے بیچ فتنہ پھوٹ پڑے۔

---

[1] البوطی، مرجع سابق، ص153

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جیسے ہی رسول اکرم نے یہ سب سنا، سیدھا وہاں تشریف لے گئے جہاں وہ جمع تھے۔ آپ نے فرمایا اے مسلمانو! میرے غائبانے میں جاہلیت کو دعوت دے رہے ہو جب کہ اللہ نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی، تمہیں اس سے عزت بخشی، تم سے جاہلیت کا خاتمہ کیا، اس کے بدلے کفر سے بچایا اور تمہیں متحد کیا تو کیا تم پھر سے اپنی پرانی حالت کی طرف لوٹنا چاہتے ہو؟ محمد ﷺ کے کلمات نے انہیں فتنے کے جال میں پڑنے سے بچالیا۔ انہیں جلد ہی دشمن کے فریب سے ہوش آیا۔ انہوں نے بعاث کی بدترین جنگ اور اس کے گہرے زخم یاد کیے۔ انہیں یاد آیا کہ اب وہ اللہ کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے ہیں اور نبی اکرم نے انہیں سلامتی اور اتحاد کی ضمانت دی ہے۔ نکلے ہوئے ہتھیار نیام میں چلے گئے اور ایک دوسرے کو گلے لگا کر رونے لگے۔ اس طرح اللہ کے رسول نے فتنہ کو اس کے پنپتے ہی کچل دیا۔ وہ سب آپ کے ساتھ مسجد لوٹ گئے اور آپ نے ان کی رہنمائی فرمائی۔

سورۂ آل عمران میں یہود کو مخاطب کرتی ہوئی آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَاءُ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ (آل عمران: 99)

ترجمہ: آپ فرمادیں کہ اے کتابیو! کیوں اللہ کی راہ سے روکتے ہو اسے جو ایمان لائے، اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو اور تم خود اس پر گواہ ہو اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

پھر اگلی آیتیں مومنین کو مخاطب کرتی ہیں:

﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۗ وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (101) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ (102) وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (103)﴾ (آل عمران: 101-103)

ترجمہ: تم کیوں کر کفر کروگے، تم پر تو اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اس کے رسول موجود ہیں اور جس نے اللہ کا سہارا لیا اسے ضرور سیدھی راہ کی ہدایت ملی۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان۔ سب مل اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو، ٹکڑوں میں نہ بٹو اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو۔ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈال دی تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم غار دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا۔ اللہ تم سے یوں ہی اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم ہدایت پاؤ۔

جس چیز نے مسلمانوں کے تئیں یہود کی دشمنی کو سب سے زیادہ بڑھایا وہ بیت المقدس کی بجائے مکہ مکرمہ کا قبلہ ہونا ہے۔ ہجرت نبوی کے 17 مہینوں کے بعد تحویل قبلہ کے لیے حکم الٰہی آیا[1] اور آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ﴾ (البقرہ: 144)

ترجمہ: ہم بار بار آسمان کی طرف آپ کا منہ کرنا دیکھ رہے ہیں۔ ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جو آپ کو پسند ہے۔ ابھی اپنا منہ پھیر دیں مسجد حرام کی طرف اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو۔ جنہیں کتاب ملی وہ ضرور جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ان کے کاموں سے بے خبر نہیں ہے۔

[1] ابن ہشام، مرجع سابق، ص 492

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ کے رسول اپنے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر بیت الحرام کی بجائے بیت المقدس کے قبلہ ہونے سے خوش نہیں تھے۔ رسول اللہ کے پاس یہودیوں کا ایک گروہ آیا اور کہنے لگا، کس چیز نے آپ کو اس قبلے سے پھیر دیا جس پر آپ تھے، جب کہ آپ کا گمان یہ ہے کہ آپ ابراہیم کے دین و مذہب پر ہیں؟ اس کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (البقرہ: 142)

ترجمہ: بے وقوف لوگ کہیں گے کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے جس پر وہ تھے؟ آپ کہہ دیں کہ پورب پچھم سب اللہ ہی کا ہے، وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تحویل قبلہ سے یہودیوں کو جس قدر دکھ ہوا، مسلمانوں کو اس سے کہیں زیادہ خوشی ہوئی۔ کیوں کہ اس ربانی فیصلہ کا ان کے دلوں پر گہرا جذباتی اثر ہوا۔ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دینی اور روحانی وراثت کے ساتھ پھر سے تعلق جڑ جانے سے مسلمانوں کو اپنی دینی اور ثقافتی شناخت مل گئی اور اسلامی دنیا میں مکہ مکرمہ کو اپنا مقدس مقام مل گیا۔

منافقین کا کردار

مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کا جو رویہ رہا، ہم نے اس کے چند نمونے دیکھے۔ نبی اکرم کی سیرت طیبہ کے سفر میں ہم اسے اور بھی ملاحظہ کریں گے۔ قریش کے بعد اہل یہود اللہ کے رسول اور ان کے ماننے والوں کے سب سے بڑے دشمن ہو گئے۔ دوسری طرف منافقین کی شکل میں ایک تیسرا گروہ مدینہ میں مسلمانوں کے خلاف برا اور خطرناک کردار ادا کرتا ہے، وہ اس وجہ سے کہ وہ اسلام کے پس پردہ کام کرتا ہے جسے یہود

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پیچھے سے مہمیز کرتے ہیں۔ منافقوں کے گروہ میں کچھ یہودی اور مشرکین شامل ہو گئے اور اسلامی ڈھانچے کے اندر ایک خبیث گروپ بنالیا، لیکن ان کا پردہ فاش ہو گیا۔ ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ﴾ (المنافقون: 1)

ترجمہ: جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ حضور ہم گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے لیکن مسلمان نہ تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ رہتے، ان کے ساتھ نماز پڑھتے، روزے رکھتے، ان کے تہوار مناتے، لیکن ایمان کے سبب نہیں، بلکہ نفاق کے سبب جس سے ان کا مقصد اسلام کو اندر سے کمزور کرنا تھا۔ منافقین سچ مچ بہت شریر ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ڈالنے کا وعدہ کیا ہے۔

اس گروہ میں سر فہرست تاریخ اسلام میں مشہور منافقوں کا خبیث لیڈر عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا۔ وہ خزرج کا مشرک تھا۔ اس نے ہجرت نبوی سے پانچ سال قبل جنگ بعاث کے ختم ہونے کے بعد قبائل کو اس بات کے لیے تیار کر لیا تھا کہ وہ اسے مدینہ میں اوس و خزرج کا بادشاہ بنا دیں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

چھٹی فصل

مسلمانوں کے خلاف جنگ

جنگ بدر

جنگ بدر کے ذکر سے پہلے یہ بتانا مناسب ہے کہ سیرت طیبہ غزوات اور جنگوں کا نام نہیں ہے کیوں کہ رسول رحمت وسلام خوش خبری سنانے والے، ہدایت دینے والے اور داعی بنا کر بھیجے گئے تھے نہ کہ جنگجو بنا کر۔ آپ کی مختصر زندگی نے ہمارے لیے حیران کن کامیابیوں سے بھری سیرت چھوڑی۔ آپ معلم، مربی، ہادی، صاحب حکمت اور روشن چراغ تھے۔

دو دہائی کے اندر آپ نے علمی، فکری اور تہذیبی اعتبار سے اپنی امت کی تعمیر کی، اس کے اندرون کو سنوارا، اس کے اخلاق اور دینی وروحانی قوت کی تعمیر کی اور عزت واحترام پر مبنی اسلامی تمدن کی بنیاد رکھی۔ پھر امن وجنگ کے حالات میں دشمنوں کے ساتھ برتاؤ کا طریقہ سکھایا۔

ایسی صورت میں مسلمانوں کے لیے جو جنگیں ناگزیر ہوئیں وہ سیرت طیبہ کا بہت ہی چھوٹا حصہ ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ بدر کا مقصد بنیادی طور پر قریش سے جنگ کرنا نہیں تھا، وہ تو اچانک ہو گئی۔ اسی طرح معرکۂ احد مسلمانوں کے اوپر قریش کے ظلم کا نتیجہ تھا۔ اس کا برعکس نہیں تھا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہی معرکہ خندق میں ہوا، جس میں قریش اور یہودیوں کا اتحاد دس ہزار افراد کا لشکر لے کر آیا اور مدینہ کی زبردست ناکہ بندی کر دی جس کا کھلا مقصد مسلمانوں کو ان کے شہر میں ہلاک کرنا تھا۔

قابل ذکر ہے کہ حیات طیبہ کے 20 سال کے دوران مسلمانوں نے جزیرۂ عرب کے مشرکین کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے جتنے دن گزارے ان کی تعداد دس دن یا دو ہفتے سے زیادہ نہیں اور یہ کہ تمام جنگوں میں مسلمانوں اور مشرکوں کے مقتولین کی مجموعی تعداد چار سو یا زیادہ سے زیادہ پانچ سو سے متجاوز نہیں۔ یہاں ہم نے رسول اکرم کی رحلت کے بعد عراق کے اوپر فارسی قبضہ اور شام کے اوپر رومی قبضہ سے آزادی کے لیے لڑی گئی جنگوں کو الگ رکھا ہے۔

غلط فہمی سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم مصطلحات سے ان کے درست مفہوم مراد لیں۔ مثلاً "غزوہ" اس وقت مثبت معنوں میں استعمال ہوتا تھا اور اس کا مطلب صرف معرکہ میں رسول کی شرکت ہوا کرتا تھا، لیکن "غزوہ" کا موجودہ لغوی معنی چڑھائی کرنا ہے، اس لیے مصطلحات کے خلط ملط سے بچنا ضروری ہے اور زبان واصطلاح کے ساتھ ساتھ تاریخی اور زمانی پہلوؤں کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ سیرت نبوی میں غزوہ سے مراد مسلمانوں کے خلاف ہو رہے ظلم وزیادتی کا مقابلہ کرنا ہے۔

یہ مشہور ہے کہ عسکری حملوں کے دو نام ہیں، "سریہ" اور "غزوہ"۔ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان جس جنگ میں خود نبی اکرم شریک ہوئے ہوں اسے مسلم مؤرخین غزوہ کہتے ہیں[1] اور سریہ ان چھوٹے چھوٹے گروہوں اور ٹکڑیوں کو کہتے ہیں جو اسلامی مملکت کے خلاف قبائلی سرکشی کا قلع قمع کرنے اور امن وامان قائم کرنے کے لیے نکلتی ہیں۔

---

[1] السباعی، مصطفی، السیرۃ النبویۃ، دار ابن حزم، بیروت، 2010، ص 78

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہاں ہم ان اہم جنگوں پر روشنی ڈالنے پر اکتفا کریں گے جو سیرت نبویہ میں سنگ میل ثابت ہوئیں اور جن کی ابتدائی اسلامی تاریخ پر چھاپ رہی۔ دوسرے ہجری سال میں ہونے والا غزوۂ بدر پہلا معرکہ ہے جو اسلامی تاریخ میں مسلمانوں پر مسلط کیا گیا۔

حالاں کہ معرکۂ بدر مسلمانوں پر مسلط کیا گیا تھا اور قریش کے مقابلے مسلمانوں کی تعداد بہت معمولی تھی، لیکن مسلمانوں کو اس میں بہت بڑی فتح ملی اور اس کے نتیجے میں جزیرۂ عرب کی سطح پر مسلمان ایک قابل اعتناء قوت کے طور پر ابھرے اور معرکۂ خندق کی طرح یہ فیصلہ کن معرکہ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل ثابت ہوا۔

درحقیقت مدینہ میں اسلامی ریاست کی تاسیس کے تین سالوں کے بعد اسلام کے پختگی کے مرحلہ میں پہنچنے کے سارے اسباب جمع ہو گئے۔ حالاں کہ مسلمان مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیے گئے تھے۔ ان کی جائیدادیں ہڑپ لی گئی تھیں، مال واسباب چھین لیے گئے تھے۔ انہیں اپنے رشتہ داروں سے جدا ہونا پڑا تھا اور اس سے قبل قریب 13 سالوں تک مختلف قسم کی اذیتیں، ظلم اور سزائیں جھیلنی پڑی تھیں۔

قریش کے ذریعہ مسلمانوں کی لٹی ہوئی جائدادوں کا بدلہ لینے کی کوشش میں اللہ کے رسول نے فیصلہ کیا کہ شام سے مکہ یا مکہ سے شام جانے والے تجارتی سامان لوٹ لیے جائیں۔ قریش کے تجارتی قافلے مدینہ کے پاس سے گزرتے تھے۔ اللہ کے رسول نے اپنے ماننے والوں سے کہا، یہ قریش کا قافلہ ہے، اس میں ان کا تجارتی مال ہے۔ اس کی طرف نکل پڑو، شاید اللہ تمہیں تمہارے مال کا عوض دے۔ مسلمان 300 افراد کی ایک فوج کے ساتھ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل ایک بڑا قافلہ لوٹنے کے ارادے سے نکلے۔ اس قافلے کا سردار خود ابوسفیان تھا۔ جب اس نے مسلمانوں کے خروج کی خبر سنی تو ایک شخص کو مکہ بھیجا کہ انہیں اچانک حملے سے باخبر کرے اور قافلہ کے دفاع کے لیے لشکر بھیجے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قریش نے ایک ہزار لوگوں کو تیار کیا اور قافلے کو لوٹ سے بچانے کے لیے نکل پڑے۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ قافلہ نے دوسرا راستہ لے لیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں لٹنے سے بچ گیا۔ قریش کی فوج کو یہ خبر پہنچ گئی۔ تجارتی قافلہ سے خطرہ ٹل جانے کے بعد قریش کی فوج کو مکہ لوٹ جانا چاہیے تھا، لیکن فوج کے سپہ سالار آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ بدر کے علاقہ تک پہنچ گئے۔ سیرت نگاروں کے مطابق اس کا مقصد یہ تھا کہ وہاں چند دن رک کر قافلہ کی سلامتی کا جشن منائیں اور اپنی جنگی قوت کا مظاہرہ کریں۔

مسلمان جنگ کے لیے نہیں نکلے تھے، لیکن حالات بدلنے کے ساتھ رسول کو یہ ادراک ہوا کہ مسلمانوں کو لامحالہ قریش کے مضبوط لشکر کا سامنا کرنا پڑے گا۔ خاص کر یہ دیکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کے بدلے جنگ کی اجازت دے دی تھی۔

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ (39) الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (40)﴾ (الحج: 39-40)

ترجمہ: اجازت دی گئی انہیں جن سے کافر لڑتے تھے اس بنا پر کہ ان پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔ وہ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اتنی بات پر کہ انہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر اللہ ان میں ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں، گرجا گھر، کلیسائیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے اور بے شک اللہ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ قدرت والا غلبہ والا ہے۔

جن لوگوں سے جنگ کی گئی، جنہیں ظلم کا نشانہ بنایا گیا، جنہیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا، اللہ نے انہیں اپنے دشمنوں سے جنگ کی اجازت دے دی۔ انہیں اپنی جان اور

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دین کے دفاع کی اجازت دی گئی، کسی پر ظلم کرنے کی نہیں۔ رسول کو اس وقت یہ ادراک ہوا کہ ہجرت مدینہ سے قبل مقام عقبہ میں بیعت کے وقت انصار کے ساتھ جو عہد وپیمان ہوا تھا، اس کے تحت مدینہ سے باہر مہاجرین کی جنگ میں انصار کے لیے شریک ہونا ضروری نہیں، کیوں کہ وعہد وپیمان تو مدینہ میں رسول اور مہاجرین کو ظلم سے بچانے کے لیے ہوا تھا۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں رسول کا شیوہ نہیں تھا کہ کسی بھی کام سے متعلق مشورہ کیے بغیر یا اپنے ماننے والوں کی رائے لیے بغیر ان پر اپنی رائے تھوپ دیں یا کسی کام کو لازم کردیں۔ کیوں کہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا شوریٰ لازمی امر الٰہی ہے اور اسلامی ریاست میں نظام حکومت کا ایک خاص وصف ہے۔ رسول کے ذریعہ اپنے ماننے والوں کی آراء کے احترام اور ان کے فیصلوں کے التزام نے عدل پر مبنی نظام حکومت کی پابندی کی زندہ مثال فراہم کی تھی۔

اللہ کے رسول نے اپنے لوگوں سے کہا: اے لوگو! اپنی اپنی رائے پیش کرو۔ ایک مہاجر مقداد بن عمرو نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ سے ایسا کچھ نہیں کہیں گے جیسا بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہا تھا کہ آپ اور آپ کا رب جنگ کریں، ہم یہیں بیٹھے ہیں۔ بلکہ آپ اور آپ کا رب جائیں اور جنگ کریں، ہم بھی آپ کے ساتھ جنگ کریں گے[1]۔

"اللہ کے سہارے ہمیں لے کر پیش قدمی فرمائیں"

اس وقت سعد بن معاذ کو جو بیعت عقبہ میں شامل تھے ادراک ہوا کہ رسول بنیادی طور پر انصار کی رائے جاننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی، اس بات کی گواہی دی کہ جو آپ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے،

---

[1] الملیباری، عبد الرحمن، سیرۃ سید البشریۃ، دار المعارف، کیرلا، 2001، ص 154

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہم نے آپ کی باتیں سننے اور انہیں ماننے کا عہد و پیمان کیا۔ آپ جو چاہتے ہیں کریں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا اگر آپ ہمیں یہ سمندر بھی پار کرنے کو کہہ دیں تو ہم آپ کے ساتھ اس میں داخل ہو جائیں گے اور ہم میں کا کوئی پیچھے نہیں ہٹے گا۔ شاید اللہ ہم میں آپ کو ایسی چیز دکھائے جس سے آپ کی آنکھ کو ٹھنڈک پہنچے، آپ اللہ کے سہارے ہمیں لے کر پیش قدمی فرمائیں[1]۔

اس گھوڑ سوار کی بات سے اللہ کے رسول کا دل خوش ہوا۔ وحدت اسلامی اور وحدت انجام پر زور دینے کے ساتھ ساتھ سعد نے اپنے بہترین موقف کے ذریعہ دشمنوں پر فتح کی ایک ضروری شرط فراہم کی۔ کیوں کہ انصار کی شرکت کے بغیر مہاجرین کا قریش کے خلاف جنگ کرنا اور کامیابی حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کی شرکت کے باوجود جنگ برابر کی نہ تھی، نہ تو تعداد کے اعتبار سے نہ تیاری کے اعتبار سے۔ کیوں کہ رسول اکرم کی فوج میں قریب 300 پیادہ اور بے سر و سامان لوگ تھے، جن کے مقابلے میں اسلحہ، جنگی ساز و سامان اور ہر قسم کے جنگی رسد اور مدد سے آراستہ ایک ہزار مشرکین تھے جس کی قیادت سرداران قریش کر رہے تھے۔

البتہ سب سے بڑا فرق معنوی تھا جو گہرے ایمان اور جذبۂ قربانی میں پوشیدہ تھا اور یہی ہمیشہ مسلمانوں کی کامیابی کا راز رہا ہے۔ اسلامی فوج اہل ایمان و یقین کی فوج تھی، ایمان میں پختہ تھی اور زمین پر کلمۃ اللہ کا دفاع کر رہی تھی، اس کے افراد آخرت کی طلب میں تھے اور کھلے سینوں کے ساتھ فتح یا شہادت میں سے ایک نیکی کی امید میں آگے بڑھ رہے تھے۔ حقیقۃً دونوں میں فتح ہے اور دونوں پر اللہ کی گواہی ہے۔ سب سے اہم یہ کہ اللہ ان کے ساتھ ہے۔

---

[1] السباعی، مرجع سابق، ص79

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اس کے بر عکس قریش کی فوج ایسے مشرکین کی فوج تھی جو ذاتی مفادات، دنیاوی برتری اور جاہلی اعتقادات اور بتوں کے دفاع کے لیے لڑ رہی تھی۔ ان کے دل اعلیٰ اقدار سے خالی تھے جو انسان کو عزت اور معنوی قوت کے عناصر فراہم کرتے ہیں۔

غزوہ بدر کی تاریخ شب جمعہ سے شروع ہوئی۔ اس رات رسول اکرم نہیں سوئے بلکہ صبح تک اللہ کی جانب لو لگا کر نماز پڑھتے رہے، گڑگڑاتے رہے اور اپنے رب سے مدد اور فتح مانگتے رہے۔ رسول اکرم جانتے تھے کہ اگر مسلمان مشرکین کے خلاف پہلی جنگ میں شکست کھا گئے تو ان کے لیے پھر سے سنبھلنا مشکل ہو گا۔

یہ مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کی پہلی جنگ تھی اور جنگ کے نتائج مستقبل طے کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کی گریہ وزاری سے ہمیں اسلام اور اس کے ماننے والوں کے انجام سے متعلق آپ کی پریشانی کا اندازہ ہوتا ہے، خاص کر یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ جنگ کے لیے نہیں آئے تھے اور نہ اس کے لیے سرے سے تیار تھے۔ ان کا مقصد تو کچھ اور ہی تھا۔ آپ یہ دعا کر رہے تھے: اے اللہ! تجھے تیرے وعدوں کی قسم! اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو روئے زمین پر تیری عبادت نہیں ہو گی۔ اللہ نے اپنے رسول کو اطمینان دلاتے ہوئے جواب دیا:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ﴾ (الأنفال:9) اور ﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾ (الأنفال:12)

ترجمہ: جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزار فرشتوں کی قطار سے۔ اور اے نبی جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو، عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں سے اوپر مارو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تب مسلمانوں کو پتہ چلا کہ اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی ہے اور ان کے لیے ضروری مدد آئے گی۔ مومنوں کو یہ احساس ہوا کہ اللہ تعالیٰ جنگ کے لمحے میں ان کے ساتھ ہے۔ مسلمانوں کے لیے پہلا سبق یہ تھا کہ کامیابی کا راز سب سے پہلے اللہ کی طرف رجوع کرنے میں ہے۔ اس کی بارگاہ میں گڑگڑانے میں اور توحید پر قائم رہنے میں ہے اور اللہ ہی کارساز ہے۔ وہ اپنی حکمت سے راہیں نکالتا ہے اور یہ باتیں اللہ کے رسول سے زیادہ کسے پتہ ہوں گی؟

تعداد اور تیاری میں کمی کے باعث مسلمانوں کے اندر شکست کا اندیشہ واضح تھا۔ وہ دشمنوں کی فوج کا صرف ایک تہائی تھے۔ ایسے میں سردار ان قریش کے اندر جنگ کا خوف بہت عجیب و غریب تھا، جب کہ ان کے اندر شجاعت کی بھی کمی نہیں تھی۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی فوج کی اکثریت پاپیادہ ہے اور ان کے بدن پر پورے کپڑے بھی نہیں، ان کے پاس تلواروں کے علاوہ کچھ نہیں تو انہیں مسلمانوں کے بلند ارادے اور عزم مصمم کا اندازہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر ہم مسلمانوں کی فوج کے ہر فرد کو قتل کر پائے تب بھی مسلم جنگ جو ہمارے ایک دو افراد کو قتل کیے بنا نہیں مرے گا۔ پھر ہم کون سی جیت حاصل کریں گے جب ہماری ایک تہائی فوج مر جائے گی۔

ان کے دلوں میں خوف سما جانے کے سبب مسلمان جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی آدھی جنگ جیت گئے۔ مزید یہ کہ قریش کا صاحب حکمت شخص عتبہ بن ربیعہ بنیادی طور پر جنگ کے خلاف تھا۔ اس نے قریش کے سپہ سالار ابو جہل کو جنگ کے فیصلے پر پھر سے غور کرنے کا مشورہ دیا اور جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ وہ بزدل نہیں تھا، لیکن اسے یہ بات سمجھ آگئی تھی کہ اگر جیت بھی گئے تو یہ جیت بہت مہنگی پڑے گی۔ لیکن اس

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کے سپہ سالار ابو جہل نے جو جنگ کے لیے پر جوش تھا اس صاحب حکمت پر بزدلی کا الزام لگایا اور قسم کھائی کہ وہ تب تک مکہ نہیں لوٹے گا جب تک وہ مسلمانوں سے جنگ نہ کرے اور اللہ کفار اور محمد کے بیچ فیصلہ نہ کردے[1]۔ اللہ سچ مچ ان کے بیچ فیصلہ فرماتا ہے اور مسلمانوں کو مشرکین پر بہت بڑی کامیابی سے سرفراز فرماتا ہے۔

جمعہ کی فجر طلوع ہوتے ہی جنگ شروع ہوئی اور دونوں فوج ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئی۔ مسلمانوں کے نعرہ میں رب کی وحدانیت پر زور تھا۔ وہ "احد احد" (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے) کی صدا بلند کر رہے تھے۔ اللہ کے رسول نے اپنے ماننے والوں سے کامیابی اور شہادت پانے والوں کے لیے جنت کا وعدہ کر رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا: قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، آج جو کوئی بھی ان سے جنگ کرے گا اور بغیر پیچھے ہٹے حکمت سے لڑتا ہوا صبر و شکر کے ساتھ مارا جائے گا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

مسلمانوں کے ارادے اور بہادری کو بتانے کے لیے اس سیاق میں عمیر بن حمام کا قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ نادار اور بھوکے عمیر بیٹھے ہوئے کچھ کھجوریں کھا رہے تھے۔ جب انہوں نے اللہ کے رسول کی بات سنی تو انہیں یہ محسوس ہوا کہ جنت ان کی دسترس میں ہے۔ چنانچہ کہا کہ میرے اور جنت کے بیچ صرف شہادت حائل ہے اور اگر میں کھجوریں ختم کرنے تک زندہ رہوں تو بڑی لمبی زندگی ہوگی۔ چنانچہ اپنے ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں اور تلوار لے کر لڑنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے[2]۔

ایسے جذبات کے ساتھ مسلمانوں نے لڑائی لڑی اور پیادہ لشکر اسلحہ اور ساز و سامان سے آراستہ مشرکوں کے لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ دشمنوں کے ساتھ پیہم برسرپیکار رہنے کے بعد

---

[1] الجزائری، مرجع سابق، ص 144

[2] مرجع سابق، ص 146

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دوپہر کے وقت مسلمانوں کی فتح کے ساتھ جنگ ختم ہوئی۔ دشمنوں کا مضبوط لشکر 6 گھنٹوں سے کم وقت میں ہی ہار گیا۔ نتیجہ کے طور پر قریش کے 70 افراد قتل ہوئے اور دوسرے 70 قیدی بنالیے گئے۔ مقتولین میں ان کے سردار اور سپہ سالار شامل تھے۔

اس تاریخی جنگ کا سپہ سالار ابو جہل اور حکیم قریش عتبہ بن ربیعہ مارا گیا۔ جب رسول اکرم کو ابو جہل کی قتل کی خبر ملی تو آپ نے تین بار فرمایا: ''اللہ لاالہ الاھو'' (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) پھر آپ اس کا مردہ جسم دیکھنے گئے۔ جب آپ نے دیکھا تو فرمایا، تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے تمہیں رسوا کیا اے اللہ کے دشمن۔ یہ قوم کا فرعون تھا۔ اس کی موت جاہلیت اور شرک کے سب سے بڑے قلعہ کا انہدام ثابت ہوئی۔

مشرکین کی فوج کو بہت بڑی شکست ملی جس کی وہ گنتی کے پیادہ لوگوں سے توقع نہیں کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو صرف 14 جانوں کا نقصان ہوا اور کچھ لوگ زخمی ہوئے۔ ایک طرف قریش حیرت و پریشانی کے عالم میں اپنی فوج کی شکست کی خبر سن رہے تھے اور دوسری طرف مدینہ اپنے فاتح لشکر کا گانے بجانے کے ساتھ استقبال کر رہا تھا۔ جزیرۂ عرب میں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے اور مسلمانوں کے حوصلے بلند کرنے کے لیے یہ فتح بہت ضروری تھی۔

یہ کثرت کے مقابلے قلت کی فتح، مالداروں کے مقابلے فقیروں کی فتح اور طاقتوروں کے خلاف کمزوروں اور پیادہ لوگوں کی فتح تھی لیکن اصل میں یہ شرک کے خلاف ایمان کی فتح تھی۔ جنگ میں ملی اس نمایاں کامیابی سے مسلمان ضعف سے عسکری اور معنوی طاقت کی حالت میں آگئے لیکن انہیں یقین تھا کہ کامیابی صرف اللہ عز و جل کی نصرت اور ان کے پختہ ایمان کے سبب ملی ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قیدی: آزادی کے بدلے تعلیم

فقیروں کا لشکر فتح و کامرانی کے ساتھ مدینہ پہنچا۔ ان کے ساتھ قیدی تھے۔ اللہ کے رسول نے اپنے صحابہ کو قیدیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا اور فرمایا کہ انہیں ذلیل نہ کیا جائے نہ تکلیف دی جائے، حتی کہ کسی غیر مناسب بات کے ذریعہ بھی ان کا دل نہ دکھایا جائے۔ آپ نے کسی بھی ایسے سلوک سے منع کیا جو ان کی انسانیت کو سزاوار نہ ہو۔ کیوں کہ اسلام میں دوسرے کے ساتھ برتاؤ در حقیقت اللہ کے ساتھ برتاؤ کرنا ہے، بایں معنی کہ خواہ کوئی مسلمان ہو یا کافر اس کے ساتھ بحیثیت مسلم تمہارا ایسا برتاؤ ضروری ہے جس سے خدا خوش ہو اور خاص کر جب وہ دوسرا تمہارے سامنے قیدی اور پابند سلاسل ہو، ایسے میں اس کے ساتھ حسن سلوک اسلام کے مسلمہ اخلاقی اقدار واصول میں سے ہے۔ یقیناً اس وقت تک قیدیوں کے ساتھ سلوک کے لیے تحریری قوانین موجود نہ تھے، لیکن اسلام کے خاص دینی واخلاقی اصول ہیں جو ان کے ساتھ برتاؤ اور سلوک کی نوعیت طے کرتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے قیدی بھی انسانی احترام کے حقدار ہیں جس کا رسول اکرم عملی طور پر مظاہرہ کیا۔ اسلام میں احسان ایک تہ دار اور ذو معانی لفظ ہے جو حسن سلوک، ایثار، رواداری اور مہربانی کو شامل ہے۔ اچھے اخلاق دین کا جوہر ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے قیدیوں کو اپنے اوپر ترجیح دی۔ بہتر کھانا قیدیوں کو پیش کرتے اور اس سے کم پر خود اکتفا کرتے۔ یہ پہلا موقع تھا جب مسلمانوں کے پاس قیدی تھے۔ ایسے میں پہلا سوال یہ تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے اور انہیں کس طرح اور کیسی سزا دی جائے۔ یہ امور طے کرنے کے لیے اللہ کے رسول اپنے مقرب صحابہ کی رائے جاننا چاہتے تھے۔ کیا مسلمانوں کے ساتھ برے سلوک کی پاداش میں انہیں قتل کر دیا جائے یا ان کے خاندان والوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ صحابہ سے مشورہ طلب کرنے کی عادت کے مطابق اللہ کے رسول نے فرمایا: ان قیدیوں کے بارے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مشورہ طلب کرنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ آپ کے اندر حکمت کی کمی تھی، کیوں کہ آپ تو کمال حکمت اور عقل کلی سے سرفراز تھے۔ کیا صحیح اور کیا غلط ہے، یہ جاننے کے لیے آپ کو کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن آپ مسلمانوں کو ضروری سبق پڑھانا چاہتے تھے۔ ابوبکر نے کہا: یارسول اللہ! انہیں چھوڑ دیں۔ یہ آپ کی قوم اور آپ کے خاندان کے لوگ ہیں۔ شاید اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے اور ان کی توبہ قبول کرلے۔ ابوبکر نے دشمنوں کو بھی اہل خاندان سمجھا اور یہ امید جتائی کہ شاید اللہ ان کو توبہ کی توفیق دے۔ عمر جو ابوبکر سے رحم کے معاملے میں کم نہ تھے، لیکن اپنے پختہ فیصلوں کے لیے مشہور تھے، ان کی رائے بالکل مختلف تھی۔ چنانچہ رسول اکرم کی طرف متوجہ ہو کر بولے: ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ کو مکہ سے نکال دیا، آپ کے ساتھ جنگ کی، اس کا بدلہ تو قتل ہی ہونا چاہئے۔ یہ دونوں اصولی رائے تھی جو عام طور سے ایک جیسے حالات میں جمع نہیں ہوتی ہے، لیکن کون سی زیادہ حکمت پر مبنی ہے اور کون سی رسالت محمدی کا مقصد پورا کر رہی ہے؟

ایسے وقت میں اللہ کے رسول نے اپنے دونوں صحابی کا اس انداز میں وصف بیان فرمایا: ابوبکر کی مثال میکائیل کی طرح ہے جو بندوں کے لیے اللہ کی رضا اور عفو ودر گذر لے کر اترتے ہیں اور نبیوں میں ان کی مثال ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہے جو اپنی قوم کے لیے بہت زیادہ نرم دل تھے۔ جب ان کی قوم نے ان کے لیے آگ روشن کی اور انہیں اس میں ڈال دیا تو آپ نے صرف اتنا فرمایا: ﴿أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (67)﴾ اف ہے تم پر اور ان پر جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو! کیا تمہیں سمجھ نہیں؟ پھر ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بات یوں مکمل کی: ﴿فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (36)﴾ جس نے میری اتباع کی وہ مجھ میں سے ہے اور جس نے نافرمانی کی تو اے اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پھر اللہ کے رسول نے عمر کا وصف بیان کیا اور فرمایا! ملائکہ میں عمر کی مثال جبریل ہیں جو اللہ کے دشمنوں پر ناراضگی اور عذاب لے کر نازل ہوتے ہیں۔ ان کی مثال انبیا میں نوح جیسی ہے جو اپنی قوم کے لیے پتھر سے زیادہ سخت تھے اور پھر آپ نے وہ دہرایا جو نوح نے اپنے رب سے دعا کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (26) إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (27)﴾

ترجمہ: اور نوح نے کہا اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ! اگر تو نے انہیں رہنے دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کردیں گے اور ان کی اولاد ہوگی تو وہ بھی بدکار اور بڑی ناشکری ہوگی۔[1]

اللہ عزوجل کے علم میں پہلے سے یہ بات تھی کہ وہ اس معاملے میں کیا فیصلہ کریں گے۔ لیکن صورت حال بتاتی ہے کہ گویا اللہ کو اس بات کا انتظار تھا تاکہ وہ اس مسئلے سے انہیں کچھ سبق دے سکے۔ پھر رسول اور ان کے ماننے والے وہ موقف بھی جان لیں جو قیدیوں کے تعلق سے اللہ کو پسند تھا اور فیصلے کے بعد وہ مسلمانوں کو ضروری سبق بتائیں۔

جب اللہ کے رسول نے ابوبکر کی رائے پسند فرمالی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (الأنفال: 67)

ترجمہ: کسی نبی کو یہ لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہایا جائے۔ تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

---

[1] الواقدی، محمد بن عمر، کتاب المغازی، ج1، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 2013، ص 109

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مسلم علماء کا ماننا ہے کہ اللہ کو قیدیوں کا قتل کیا جانا پسند تھا لیکن اللہ سبحانہ تعالیٰ کے قول ''مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بنیادی طور پر قیدی بنانا ہی پسند نہیں، فدیہ وغیرہ کی بات تو دور کی ہے۔

اس آیت کا ہمارا مطالعہ یہ کہتا ہے کہ اللہ کو پسند تھا کہ جنگ جاری رہے تاکہ مشرکین کے شان و گمان اور بھی ٹوٹیں اور انہیں اللہ کے حکم کو چیلنج کرنے کی سزا ملے اور قیدی بنانے میں نہ پڑیں۔ اللہ فرماتا ہے ''حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ'' جب تک زمین میں خوب ان کا خون نہ بہائے۔ یعنی دشمنان اسلام کی طاقت و قوت کچل نہ دے اور جب تک مسلمانوں کو مشرکین پر پورے طور پر فتح اور غلبہ نہ حاصل ہو جائے اور اس میں دوسروں کے لیے سبق ہے۔ اللہ کو یہ پسند نہیں کہ مسلمانوں کو زمین پر کمزور اور ذلت و پستی کے حال میں دیکھے۔

جب اللہ نے اپنا سبق بیان کر دیا تو اس کے فوراً بعد سورہ محمد میں ایک دوسری آیت نازل ہوئی جو اللہ کے رسول کو قیدیوں کے معاملے میں اپنی صوابدید پر فیصلہ لینے کا پورا اختیار دیتی ہے کہ آپ چاہیں تو قتل کر دیں، یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں یا یوں ہی معاف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ﴾ (سورہ محمد :4)

ترجمہ: تو جب کافروں سے تمہارا سامنا ہو تو گردنیں مارنا ہے۔ یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر لو تو مضبوط باندھ دو۔ پھر اس کے بعد چاہے احسان کر کے چھوڑ دو، چاہے فدیہ لے لو۔ یہاں تک کہ جنگ اپنا بوجھ رکھ دے۔ بات یہ ہے اور اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لیتا مگر اس لیے کہ تم میں ایک کو دوسرے سے جانچے اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے اللہ ہرگز ان کے عمل ضائع نہیں فرمائے گا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قیدیوں کے معاملہ کا تصفیہ اسی طرح رہا جیسا رسول رحمت نے فیصلہ فرمایا اور بغیر فدیہ کے رہا کر دیا۔ فدیہ کا فیصلہ صرف مالدار قیدیوں کے لیے فرمایا۔ سب سے اہم یہ ہے کہ جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کا فدیہ یہ مقرر کیا کہ ہر قیدی آزادی کے بدلے دس مسلم بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے۔[1] یہ انتہائی دور اندیش قدم تھا۔

اپنے اس فیصلے سے اللہ کے رسول نے آزادی کا رشتہ علم سے جوڑ دیا۔ علم ہی آزادی ہے۔ یہ ایسا فیصلہ ہے جو اسلام میں علم و معرفت کے مقام و مرتبے پر زور دیتا ہے۔ کیوں کہ جو دین علم کو آزادی کے ساتھ ایک میزان پر رکھتا ہے وہ آزادی اور علم کا ہی دین ہو سکتا ہے۔ یہ اس لیے کہ علم و معرفت انسان کی آزادی اور احترام کو مستحکم کرنے اور ان کی حفاظت کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ اور یہ دین کے بڑے مقاصد میں سے ہے۔

دوسری طرف سیرت کی کتابوں میں دو قیدیوں کے بارے میں رسول کے موقف کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک آپ کے داماد اور آپ کی صاحب زادی زینب کے شوہر ابوالعاص بن ربیع ہیں اور دوسرے آپ کے چچا عباس چند دوسرے قرابت داروں کے ساتھ ہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب قیدیوں کی رہائی کے لیے اہل مکہ نے فدیہ کا مال بھیجا تو اپنے شوہر ابوالعاص کی رہائی کے لیے آپ کی صاجزادی زینب نے بھی مال بھیجا جس میں وہ ہار تھا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہ نے انہیں شب زفاف میں بطور ہدیہ دیا تھا۔ جب رسول اللہ نے وہ ہار دیکھا تو آپ کا دل نرم پڑ گیا۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا: اگر تم لوگوں کی رائے ہو کہ ان کے قیدی کو آزاد کر دو اور ان کا مال لوٹا دو تو ایسا کر لو۔[2]

---

[1] دویدار، صور من حیاۃ الرسول، ج3، مرجع سابق، ص 322

[2] ابن ہشام، مرجع سابق، ص 575

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مسئلہ بہت ہی خاص تھا۔ اس کا تعلق صاجزادی رسول اور ان کے شوہر سے تھا جو مسلمانوں کے پاس یعنی اپنے چچا (خسر) نبی اکرم کے پاس قیدی تھے۔ اس کا تعلق نبی اکرم کی محبوب ترین زوجہ مرحومہ حضرت خدیجہ کے تحفہ سے بھی تھا، اس کے باوجود آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے، جیسا چاہو کرو۔ آپ انہیں حکم دے سکتے تھے اور وہ اللہ کے رسول کا حکم ماننے میں اپنی سعادت مندی سمجھتے، خاص کر ایسے معاملے میں جس کا تعلق ان کے نبی اور محبوب کے گھرانے سے تھا۔ لیکن آپ نے معاملہ ان کے اوپر چھوڑ دیا۔

رسول اکرم اور آپ کی صاجزادی کے اعزاز میں ان کے شوہر ابوالعاص کو رہا کر دیا گیا اور انہیں وہ فدیہ لوٹا دیا گیا جو ان کی زوجہ زینب نے بھیجا تھا۔ اس کے بعد ابوالعاص نے اللہ کے رسول سے وعدہ کیا کہ وہ آپ کے مطالبہ کے مطابق آپ کی صاجزادی زینب کو آپ کے پاس بھیج دیں گے، کیوں کہ وہ مسلمہ ہیں اور یہ مشرک ہیں اور اس سلسلے میں حکم الٰہی نازل ہونے کے بعد وہ ان کے لیے حلال نہیں رہیں۔ حسب وعدہ وہ زینب کو بھیج دیتے ہیں۔ یہ اچھا فیصلہ تھا۔ حالاں کہ ہمیں نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ مشرک تھے اور ان کی قوم رسول اکرم سے برسرپیکار تھی، لیکن ابوالعاص ذی ہوش شخص تھے اور اپنے شریفانہ اخلاق کے لیے مشہور تھے۔ وہ حضرت خدیجہ کی بہن کے بیٹے تھے۔ اچھے اخلاق کا مشرکین کے نزدیک بھی ایک مقام تھا۔ اسی لیے اللہ کے رسول نے فرمایا "خیارکم فی الجاهلية خیارکم فی الاسلام" یعنی جو جاہلیت میں تم میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی تمہارے درمیان بہتر ہیں۔ بعد میں اللہ تعالیٰ ابوالعاص پر احسان فرماتا ہے اور وہ بھی مسلمان ہو جاتے ہیں، پھر ان کی زوجہ ان کے پاس واپس آجاتی ہیں اور وہ رسول کے مقرب پیروکاروں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اپنے چچا عباس کے سلسلے میں بھی رسول اللہ کے موقف میں ایک سبق ہے۔ عباس کی یہ خواہش تھی کہ رسول کا چچا اور مکہ میں ان کا دفاع کرنے والوں میں سے ہونے کی وجہ سے ان کو بغیر فدیہ چھوڑ دیا جائے، لیکن رسول نے منع کر دیا۔ عباس نے کہا، یا رسول اللہ! میں تو مسلمان تھا۔ آپ نے جواب دیا کہ اللہ آپ کے اسلام سے زیادہ واقف ہے۔ اگر آپ ویسے ہی ہیں جیسا آپ کہتے ہیں تو اللہ آپ کو اس کی جزا دے گا۔ لیکن بظاہر تو آپ ہمارے مخالف ہیں، اس لیے آپ اپنا اور اپنے دو بھتیجے نوفل بن حارث بن عبد المطلب اور عقیل بن ابی طالب بن عبد المطلب کا فدیہ دیں۔

عباس نے کہا: یا رسول اللہ میرے پاس مال نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ مال کہاں ہے جو آپ نے اور ام الفضل نے دفن کیا تھا اور آپ نے ان سے کہا تھا کہ اگر میں اس سفر میں ہلاک ہو جاؤں تو یہ مال جو میں نے دفن کیا ہے وہ میرے بیٹے فضل، عبد اللہ اور قثم کا ہو گا۔ تو عباس نے کہا اے اللہ کے رسول! خدا کی قسم، میں یقینی طور پر جانتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ بات تو میرے اور ام الفضل کے علاوہ کسی کو پتہ نہ تھی۔ پھر آپ نے اپنا اور اپنے بھتیجوں کا فدیہ ادا کیا[1]۔

یہ دوسرا واقعہ ہے جو ہمیں دعوت غور و فکر دیتا ہے۔ اللہ کے رسول نے اپنے چچا تک سے فدیہ طلب کیا۔ حالاں کہ آپ ان کی بہت عزت کرتے تھے اور دونوں ہم عمر تھے۔ حضرت عائشہ اس بات کی تاکید کرتی ہوئی کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو عباس جتنی کسی کی عزت کرتے نہیں دیکھا۔

یہ معلوم نہیں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کب مسلمان ہوئے۔ کہا گیا ہے کہ وہ سچ مچ مسلمان تھے اور اپنا اسلام چھپا رکھا تھا تاکہ قریش کے ساتھ رہیں اور نبی اکرم کو ان کے بارے میں بتاتے رہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بعد میں مسلمان ہوئے۔ غالباً

[1] دویدار، صور من حیاۃ الرسول، ج3، مرجع سابق، ص322-323

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

فتح مکہ سے ایک سال قبل۔ لیکن یہ ہمیں معلوم ہے کہ ان کے اسلام لانے سے سب سے زیادہ خوشی رسول اکرم کو ہوئی۔

اللہ کے رسول ان کے متعلق فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا جس طرح ابراہیم کو خلیل بنایا اور جنت میں میرا اور ابراہیم علیہ السلام کا ٹھکانہ آمنے سامنے ہوگا اور عباس بن عبدالمطلب کا ٹھکانہ دونوں خلیلوں کے بیچ ہوگا۔ حضرت عباس کی وفات 88 سال کی عمر میں سنہ 32 ہجری میں ہوئی۔ اللہ کے رسول بذات خود غیب نہیں جانتے تھے، لیکن ان کے سامنے سے حجابات اٹھادیے گئے تھے اور نبوت اور خواب کے علاوہ ان کے پاس وحی آئی تھی۔ اس لیے یہ فطری تھا کہ آپ بہت سے ایسے امور سے واقف ہوں جنہیں آپ کے سوا کوئی نہ جانتا ہو۔ اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ آپ دشمنوں کی منصوبہ سازی سے ہمیشہ واقف رہتے تھے۔

اس طرح آپ نے وہ جان لیا جو حضرت عباس اور ان کی بیوی ام الفضل نے مکہ میں چھپا رکھا تھا۔ دوسرے مواقع پر کئی بار رسول اکرم کی جان کو خطرہ ہوا، لیکن جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے، ہر بار آپ خطرہ پیش آنے سے پہلے ہی باخبر ہوگئے۔ آپ ہر بار بچ گئے اور آپ کے پاس آپ کے قتل کی نیت سے آنے والا مسلمان ہو گیا۔ درج ذیل قصہ اس کی ایک مثال ہے۔

رسول اکرم کے قتل کی کوشش

اسلامی تاریخ میں ایک قصہ بار بار ذکر ہوتا ہے۔ یہ قصہ عمیر بن وہب کے نام سے مشہور ہے۔ یہ نبی کے خاص علم لدنی کا ایک اور ثبوت ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ بدر کی شکست کے بعد عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ کے بیچ ایک معاہدہ ہوا کہ عمیر بن وہب نبی اکرم کو قتل کرے گا اور اگر راز فاش ہو گیا یا عمیر مارا گیا تو صفوان اس کے

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سارے قرض ادا کرے گا اور اس کے بچوں کی کفالت کرے گا۔ عمیر نے صفوان سے رازداری برتنے کو کہا۔

عمیر نے اپنی زہر آلود تلوار لی اور مکہ سے مدینہ کے لیے نکل گیا، یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ اپنے بیٹے وہیب کی گردن چھڑانے آیا ہے جو کہ جنگ بدر میں قیدی بنالیا گیا تھا۔ لیکن جیسے ہی عمر بن خطاب نے اسے مسجد نبوی کے قریب دیکھا تو محسوس کرلیا کہ وہ نبی اکرم پر حملہ کے ارادے سے آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ یہ کتا اللہ کا دشمن عمیر بن وہب ہے اور بخدا یہ شر کے ارادے سے آیا ہے۔ عمر اللہ کے رسول کے پاس پہنچے اور عرض کی یا رسول اللہ! یہ اللہ کا دشمن عمیر بن وہب ہے۔ یہ اپنی تلوار گردن میں لٹکائے آیا ہے۔ اللہ کے رسول نے فرمایا: اسے میرے پاس لاؤ! چنانچہ عمر اسے نبی کے پاس لے گئے اور نبی اکرم کی حفاظت کے لیے بعض دیگر افراد کو بھی لے گئے۔

جب عمیر پہنچا تو اہل جاہلیت کا سلام کیا: "انعموا صباحا" (صبح بخیر)۔ رسول اکرم نے جواب دیا اے عمیر! اللہ نے ہمیں تم سے بہتر سلام سے نوازا ہے، ایسے سلام سے جو اہل جنت کا سلام ہے۔ پھر اللہ کے رسول نے پوچھا: اے عمیر! کیسے آنا ہوا؟ اس نے کہا: اپنے بیٹے کی خاطر آیا ہوں جو آپ کے پاس قیدی ہے۔ رسول اکرم نے فرمایا پھر تمہاری گردن میں یہ تلوار کس لیے ہے؟ اس نے کہا اللہ برا کرے تلواروں کا، کیا یہ ہمارے کسی کام آئی؟ اللہ کے رسول نے فرمایا: صحیح بتاؤ کس لیے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں تو صرف اسی مقصد سے آیا ہوں۔ اللہ کے رسول نے فرمایا، نہیں تم کسی اور کام سے آئے ہو۔ تم صفوان بن امیہ کے ساتھ مقام حجر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تم دونوں نے قریش کے اصحاب قلیب کا ذکر کیا پھر تم نے کہا کہ اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بال بچے نہ ہوتے تو میں محمد کو قتل کردیتا تو صفوان نے میرے قتل کے عوض تمہارے قرض اور بچوں کی کفالت کا ذمہ لیا اور اب میرے اور تمہارے بیچ صرف اللہ حائل ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لگتا تھا کہ عمیر شدت گھبراہٹ کے باعث زمین پر گر جائے گا۔ آخر نبی کو اس کی نیت اور اس کے مدینہ آنے کا راز کیسے معلوم ہو گیا؟ اس نے جواب میں کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ پر آسمان کی خبریں آتی تھیں اور وحی نازل ہوتی تھی مگر ہم آپ کو جھٹلاتے تھے۔ یہ بات تو میرے اور صفوان کے بیچ تھی۔ اللہ کی قسم میں ضرور جانتا ہوں کہ یہ بات اللہ کے علاوہ کسی اور نے نہیں بتائی۔ تعریف ہے اللہ کے لیے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی اور مجھے یہاں تک پہنچایا۔ پھر کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کے رسول نے فرمایا: اپنے بھائی کو لے جاؤ، انہیں دین کی تعلیم دو، قرآن پڑھنا سکھاؤ اور ان کے قیدی کو رہا کردو۔[1]

عمیر نے نبی کے قتل کے ارادے سے اونٹ پر سوار ہو کر مکہ سے مدینہ کا 400 کلو میٹر کی مسافت کا مشکل سفر طے کیا اور جب نبی اکرم کے پاس اپنی زہر آلود تلوار لٹکائے بدترین نیت کے ساتھ پہنچا تو چند ہی منٹوں کے بعد مسلمان ہو گیا اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا بن کر نکلا۔ اسی وقت وہ ان کا بھائی بن گیا اور مسلمانوں کے لیے اسے دین سکھانا ضروری ہو گیا!

اسلام پچھلی چیزوں کو مٹا دیتا ہے اور اللہ پچھلے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اسلام لانے کے ساتھ ہی انسان مسلمانوں کے تئیں اپنی تمام تر سابقہ دشمنی کے باوجود صرف کلمۂ شہادت کہہ لینے سے مسلمانوں کا بھائی ہو جاتا ہے۔ بعض کتب سیرت کے مطابق دین کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ مشرکین کے بیچ اسلام کی تبلیغ کے لیے مکہ آئے۔ ان کے ہاتھ پر مکہ والوں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔

اس شخص کے بارے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بہت ہی پیاری بات کہی اور غالباً وہی عمیر کے متعلق مسلمانوں کا بھی موقف ہے۔ آپ نے کہا کہ قسم خدا کی جس

---

[1] الواقدی، مرجع سابق، ج1، ص123۔ مزید دیکھیں: ابن ہشام، مرجع سابق، ص583

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے عمیر مجھے خنزیر سے زیادہ ناپسند تھا اور آج وہی میرے لیے اپنی بعض اولاد سے زیادہ محبوب ہے۔

بنو قینقاع اور مسلمان

بدر میں مسلمانوں کی فتح صرف قریش کو ناگوار نہ گزری بلکہ مدینہ اور اس کے اطراف کے یہود پر بھی اس کا بڑا اثر پڑا۔ مسلمانوں کی فتح نے انہیں خوف زدہ کر دیا اور وہ متفرق ہو گئے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ بدر کی فتح نے مدینہ کے مسلمانوں کی معنوی اور زمینی حیثیت کو تقویت بخشی۔ مسلمان بڑی قوت کے طور پر ابھرے اور اب وہ اللہ کے فضل اور اس کے نبی کی حکمت سے کمزور مہاجر نہیں رہے۔

نبی اکرم اہل کتاب خاص کر یہود کو ایک خاص نظر سے دیکھتے تھے اور مشرکوں کے مقابلے ان کے اسلام لانے کے زیادہ خواہاں رہتے تھے، کیوں کہ مسلمانوں کی طرح وہ بھی ایسے آسمانی دین کے ماننے والے تھے جو توحید کی دعوت دیتا ہے اور ایسی کتاب کے ماننے والے تھے جس کے بیشتر حصہ کی قرآن تصدیق کرتا ہے۔ وہ اہل علم تھے اور موافق عقل باتوں کو مانتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی کتاب میں انہیں رسول کی آمد کی خوش خبری، بلکہ ان کی پیروی کی دعوت دی گئی تھی۔[1]

اس کے باوجود، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، یہود نے اسلام کو سابقہ آسمانی رسالتوں کا تسلسل ماننے سے انکار کر دیا، جب کہ وہ دوسروں کے مقابلے اس بات سے زیادہ باخبر تھے کہ توریت نے انہیں آپ کی بشارت دی ہے۔ پھر بھی ان کی اکثریت نے رسول اللہ کا انکار کیا اور ان کے اور ان کے ماننے والوں کے لیے گہری دشمنی پالی، جو کہ قریش پر مسلمانوں کی فتح کے بعد کھل کر سامنے آئی۔

---

[1] دویدار، صور من حیاۃ الرسول، ج3، مرجع سابق، ص335-336

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے بیچ صلح کے رشتے کو یہودیوں نے کھلی دشمنی میں بدل دیا اور مسلمانوں کے خلاف قریش کو ورغلانے کے لیے ان سے رشتے بڑھالیے۔ چوں کہ یہود کی عداوت اور سازش کے ہوتے ہوئے مسلمان اپنے ملک میں چین سے نہ رہ پاتے اور نہ ہی اسلامی معاشرہ کی تشکیل ممکن ہوتی، لہذا فریقین یعنی یہود اور مسلمانوں کے درمیان جنگ یقینی ہو گئی جس سے بچنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔

ان کے مشہور شاعر کعب بن اشرف نے قریش کی شکست پر تبصرہ کرکے اس دشمنی کو ہوادی۔ اس نے کہا کہ یہ لوگ شرفاے عرب اور لوگوں کے بادشاہ ہیں۔ قسم خدا کی اگر محمد ان پر غالب آگئے تو زمین کا شکم اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔ بت پرست اور مشرک قوم قریش کی شکست کے سبب یہودیوں کے شاعر نے موت کو زندگی پر ترجیح دی۔

کعب بن اشرف نے صرف دشمنانہ تقریروں اور بھڑکاؤ شاعری جس میں رسول اور ان کے ماننے والوں کی ہجو کرتا تھا، پر اکتفانہ کیا بلکہ اس کی عداوت نے اسے خود رسول اللہ کے قتل پر اکسانے کے لیے مجبور کیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک کتابی کسی ایسے نبی کے قتل پر کیسے کسی کو اکسا سکتا ہے جو توحید کی دعوت دیتا ہو اور سلام و محبت کو عام کرتا ہو، اگرچہ وہ اس پر ایمان نہ لایا ہو۔ پھر وہ مکہ گیا تاکہ قریش کی غیرت کو مسلمانوں سے انتقام لینے اور اپنی عظمت کی بحالی کے لیے للکار سکے[1]۔

اس طرح کی دشمنانہ سرگرمیوں سے فضا تاریک اور مکدر ہو گئی اور نبی اکرم کے قتل پر کعب کے اکسانے کی وجہ سے دشمنی انتہا کو پہنچ گئی۔ اسی بیچ قینقاع کے بازار میں اللہ کے رسول یہودیوں سے ملے اور ان سے فرمایا: قریش کے انجام سے ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ۔ تم اچھے سے جان چکے ہو کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہوں۔ ان لوگوں نے بے شرمی سے جواب

---

[1] مرجع سابق

دیا: اے محمد! اتراؤ نہیں، تمہارا مقابلہ ایسی قوم سے ہوا ہے جن کو جنگ کا کچھ پتہ نہیں، اس لیے تمہیں موقع مل گیا۔ قسم خدا کی اگر ہم سے جنگ کرو تو پتہ چلے کہ ہم کون لوگ ہیں!

لیکن اللہ رسول اکرم کو دی گئی دھمکی کو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ (آل عمران: 12) (کافروں سے کہہ دیں کہ تم مغلوب ہو گے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور دوزخ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے)[1]۔ مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس آیت کا پہلا جز کیسے ثابت ہوا اور اللہ کے وعدہ کے مطابق دوسرا جز بھی عالم غیب میں ثابت ہو کر رہے گا۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ مسلمان ان کے خلاف ایک داخلی محاذ کھولنے کی کوشش میں نہیں تھے۔ خود مدینہ میں دشمنوں کا ایک محاذ کھول دینا ان کے حق میں بھی نہیں تھا۔ لیکن یہودیوں نے اس کی پوری کوشش کی اور مسلمانوں کے خلاف اعلانیہ طور پر سازش کی اور ان کے خلاف لوگوں کو اکسایا اور جلد ہی قریش کے ساتھ ایک مضبوط حلیف کا رشتہ استوار کر لیا جس کے نتیجے میں غزوۂ خندق ہوا۔

ایسے پراگندہ ماحول میں بنی قینقاع کے ایک یہودی نے ایک مسلم خاتون کے ساتھ جو ان کے بازار میں سامان خرید رہی تھی بد سلوکی کا قصد کیا اور اسے بے پردہ کرنے کی کوشش کی۔ وہاں موجود ایک مسلم مرد کو اس کی یہ بد سلوکی برداشت نہ ہوئی چنانچہ اس عورت کے دفاع میں اس سے الجھ گیا اور قتل کر دیا۔ یہ معاملہ بڑھا اور یہودیوں کے ایک گروہ نے اس مسلمان کو قتل کر دیا۔ جلد ہی صورت حال اور خراب ہو گئی اور مسلمانوں کے رد عمل کے خوف سے بنو قینقاع نے اپنے قلعوں میں پناہ لے لی اور مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔

---

[1] الواقدی، مرجع سابق، ج1، ص165

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جنگ کی طرح امن و صلح کی حالت میں بھی رسول اکرم کا ہر موقف بالکل واضح تھا، جس میں ذرا بھی ابہام نہ تھا۔ چنانچہ جس کے ساتھ صلح کی پوری عزت و شرافت کے ساتھ کی اور جس سے جنگ کی، بہادری اور وقار کے ساتھ کی۔ یہودیوں کے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی اللہ کے رسول ان کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھاتے رہے اور بار بار ان کے ساتھ امن و سلامتی کے پل تعمیر کرنے کی کوشش کی۔ سماجی معاہدہ اس کا ایک ثبوت ہے۔ لیکن ان لوگوں نے مسلمانوں کی تمام تر بہتر اور قابل تعریف کوششوں کو ٹھکرا دیا۔

اس طرح مسلم خاتون پر زیادتی کے سبب بنو قینقاع نے مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے معاہدے کو توڑ دیا جس کا ذکر دستور مدینہ میں تھا اور جسے خود رسول اکرم نے تیار کیا اور نافذ کیا تھا۔ اب مسلمانوں کے پاس معاہدہ ختم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔ چنانچہ قریب نصف ماہ تک مسلمانوں کی فوج نے قلعوں کا محاصرہ کیے رکھا۔ اس بیچ بنو قینقاع کے لوگ بنی قریظہ کے یہودی حلیفوں سے مدد کا انتظار کرتے رہے، لیکن وہ مدد کو نہیں آئے۔ سچائی یہ ہے کہ بنو قریظہ نے دستور مدینہ کا احترام کیا اور اس وقت تک رسول کے ساتھ کیے معاہدے پر قائم رہے لیکن بعد میں غزوۂ خندق میں ان لوگوں نے بھی اپنا موقف بدل لیا۔

بالآخر رسول اکرم کے ساتھ اس بات پر اتفاق ہوا کہ بنو قینقاع اسلحہ پھینک دیں اور مدینہ سے نکل جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ ہجرت کر کے شام چلے گئے۔

معرکۂ احد

دوسرے ہجری سال میں جنگ بدر سے لے کر تیسرے ہجری سال کی پہلی چوتھائی تک جنگ احد کے درمیان بنو قینقاع کو مدینے سے نکالنے کے علاوہ مسلمانوں کو

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کوئی قابل ذکر اہم واقعہ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ لیکن مدینہ اور اس کے ارد گرد کی صورت حال اب بھی پر سکون نہ تھی۔ یہود لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف مسلسل اکسا رہے تھے۔

دوسری طرف قریش اپنی فوج تیار کر رہے تھے اور مسلمانوں سے بدلہ لینے کی تیاری میں مشغول تھے۔ قریش کی تاریخ میں جنگ بدر کی شکست ان کی سب سے بڑی ذلت تھی۔ اس بار تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل قریش کی فوج ابو سفیان کی قیادت میں نکلی۔ اس فوج کی مالی مدد اس تجارتی قافلے کے تاجروں نے کی تھی جو معرکہ بدر سے قبل لٹنے سے بچ گیا تھا۔ اس سلسلے میں آیت کریمہ کہتی ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ﴾ (الأنفال: 36)

ترجمہ: بے شک کافر اپنے مال خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں، تو اب انہیں خرچ کریں گے پھر وہ ان پر پچھتاوا ہوں گے پھر وہ مغلوب کر دیے جائیں گے اور کافر جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔

دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی قرآن کریم کوئی چھوٹی یا بڑی چیز نہیں چھوڑتا مگر یہ کہ اس کے متعلق کوئی آیت نازل ہوتی ہے جس میں اللہ اپنے نبی اور ان کے ماننے والوں کو مخاطب فرماتا ہے، ان کی ڈھارس باندھتا ہے، انہیں بصیرت عطا فرماتا ہے اور بار بار اس بات پر زور دیتا ہے کہ اللہ ان کی حفاظت فرما رہا ہے اور ان کی غلطیوں کی اصلاح فرما رہا ہے اور اس طرح انہیں امن و سکون کا احساس ہوتا ہے۔

قریش کی فوج مدینہ کے لیے نکلی اور بہت طویل مشورے کے بعد مسلمان بھی اس کا مقابلہ کرنے کے لیے شہر سے نکلے۔ نبی اکرم کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رک کر ہی ان کا مقابلہ کیا جائے لیکن آپ نے اکثریت کی بات مان لی جو مدینہ سے باہر نکل کر قریش کا مقابلہ کرنے کے حق میں تھی۔ مسلمانوں کا ایک گروہ جس نے جنگ بدر میں شرکت نہیں

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کی تھی، اپنی بہادری کے اظہار کے لیے مدینہ سے باہر نکل کر قریش کی فوج کامقابلہ کرنے پر مصر تھا۔

رسول اکرم کے ارد گرد رہنے والے بعض افراد کے مشوروں پر سرسری نظر ڈالنے سے ہمیں ان مسلمانوں کی قوت ارادی اور جنگی روح کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اکثریت کی رائے مدینہ میں رک کر دفاع کرنے کی بجائے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کے متعلق تھی اور اور رسول اکرم نے اس کا احترام کیا۔ باہر نکل کر قریش کی فوج کا مقابلہ کرنے کی رائے کا دفاع کرتے ہوئے ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ! ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ ہمارے دشمن یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم بزدلی کے سبب ان کے مقابلے کے لیے نہیں نکلنا چاہتے۔ یہ ہمارے خلاف ان کے جری ہونے کا سبب بنے گا۔

دوسروں نے کہا: آپ جنگ بدر میں تین سو افراد تھے تو اللہ نے آپ کو کامیابی عطا فرمائی، آج تو ہم بڑی تعداد میں ہیں۔ ہم تو اس دن کی خواہش کر رہے تھے اور اللہ سے دعا کرتے تھے۔ آج اللہ نے ہمیں یہ موقع میسر فرمایا ہے۔ مالک بن سنان نے کہا، یا رسول اللہ! ہمارے لیے دو بھلائیوں میں سے ایک یقینی ہے۔ یا تو اللہ ہمیں ان پر کامیابی عطا فرمائے گا اور یہی ہم چاہتے ہیں یا اللہ ہمیں شہادت نصیب کرے گا۔ اے اللہ کے رسول! بخدا میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ ان میں سے کیا ہوگا۔

اخیر میں نعمان بن مالک نے یہ کہتے ہوئے بات چیت کو گرمایا کہ یا رسول اللہ! آپ ہمیں کیوں جنت سے محروم کر رہے ہیں؟ قسم خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں ضرور جنت میں جاؤں گا۔ اللہ کے رسول نے فرمایا، وہ کیسے؟ نعمان نے جواب دیا، میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، دشمن کے مقابلے سے بھاگوں گا نہیں۔ اللہ کے رسول نے فرمایا، تونے سچ کہا اور واقعتاً وہ اس جنگ میں شہید ہو گئے[1]۔

[1] الواقدی، مرجع سابق، ج1، ص194

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اس طرح کے پختہ عزم اور چنندہ لوگوں پر مشتمل فوج کیوں کر شکست کھا سکتی ہے؟ اللہ کے رسول نے اکثریت کی رائے مان لی اور مدینے سے باہر نکلنے کا فیصلہ فرمایا۔ ان کے ساتھ صرف ایک ہزار لوگ تھے، یعنی دشمن کی فوج کا ایک تہائی حصہ اور اچانک وہ واقعہ پیش آیا جس کی بالکل بھی توقع نہ تھی۔ مسلمانوں کی فوج کے مدینہ سے نکلتے ہی منافقوں کے سردار عبد اللہ بن ابی نے ایک ایسی خیانت کی جسے شرفاء کبھی برداشت نہ کریں۔ اپنے تین سو لوگوں کے ساتھ اس نے الگ ہونے کا اعلان کر دیا[1]۔ عبد اللہ بن عمر نے اس سے کہا، اللہ کے دشمنو! اللہ تمہیں ہلاک کرے، تمہارے بدلے اپنے نبی کو اللہ ہی کافی ہے۔ ان کے متعلق اللہ کا فرمان نازل ہوا: ﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ﴾ (آل عمران: 167)

ترجمہ: اور تاکہ منافقوں کی پہچان کرا دے اور ان سے کہا گیا کہ آؤ، اللہ کی راہ میں لڑو یا دشمن کو ہٹاؤ۔ بولے کہ اگر ہمیں لڑائی کا علم ہوتا تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے اور اس دن وہ ظاہری ایمان کی بہ نسبت کھلے کفر سے زیادہ قریب ہیں، اپنے منہ سے کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو وہ چھپا رہے ہیں۔

اللہ جانتا ہے جو ان لوگوں نے چھپایا اور وہ سچ مچ ایمان کے مقابلے کفر کے زیادہ قریب تھے۔ اس خیانت سے کسی بھی ایسی فوج کو بہت بڑی زد پہنچ سکتی تھی جس کی ایک تہائی تعداد کم ہو جائے، وہ بھی ٹھیک جنگ کے لیے نکلنے کے وقت۔ رسول کے ساتھ صرف سات سو لوگ رہ گئے تھے، یعنی دشمن کی فوج کا قریب ایک چوتھائی حصہ۔ وہ ایسے لوگ تھے کہ ان کی تعداد تو کم ہو گئی لیکن اس بڑی خیانت سے ان کے ارادے میں فرق نہ آیا اور ان کے حوصلے کمزور نہیں پڑے۔

---

[1] السباعی، مرجع سابق، ص 87

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ان کی عزت اللہ اور اس کے رسول کی عزت میں ہے۔ ذلت اور رسوائی کی زندگی سے زیادہ ناپسند ان کے لیے کوئی چیز نہ تھی۔ کیوں کہ مومن کے لیے ذلت کفر ہے اور تعداد یا تیاری سے انہیں زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ ایسی فوج جس کے اندر حرارت ایمانی ہو اور جو زمین پر اللہ کے نام کی بلندی کے لیے کوشاں ہو، اللہ اس کو اپنی مدد اور تائید کے ذریعہ تقویت بخشتا ہے۔ اس کا کام تو اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھنا اور اس کے نبی کے احکامات پر قائم رہنا ہوتا ہے۔

احد کے مقام پر دونوں فوج کا سامنا ہوا اور دونوں ایک دوسرے سے بھڑ گئی۔ تعداد میں بڑے تفاوت کے باوجود مسلمانوں نے جنگ کی شروعات سے ہی اس بہادری سے لڑائی کی کہ مشرکوں کے دلوں میں رعب سما گیا اور دوسری جنگوں کی طرح یہ جنگ بھی زیادہ دیر تک نہیں چلی یہاں تک کہ قریش کی فوج دھیرے دھیرے پیچھے ہونے لگی اور مسلمانوں کی کامیابی کے آثار افق آسمان میں چمکنے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ صورت حال دن کے آخر تک رہ جاتی تو قریش کی فوج کچل دی جاتی اور ایک بار پھر سے ذلت اور شکست کی صدا گونجتی۔ مسلمانوں کی فتح بالکل قریب تھی۔ لیکن مسلمانوں کی فوج سے ایک مہلک غلطی ہو گئی اور پھر وہ ہوا جس کا گمان بھی نہ تھا۔ قریش کی فوج کے پیچھے ہٹتے ہی مسلمان فتح کی ابتدائی خوشی کے نشہ میں ہتھیار اور مال غنیمت لوٹنے لگے جو پیچھے ہٹنے والی فوج چھوڑتی جا رہی تھی اور یہ غلطی کی شروعات تھی۔

ہلاکت خیز غلطی یہ ہوئی کہ احد پہاڑ پر تعینات تیر اندازوں کی ٹکڑی جس کی قیادت عبداللہ بن جبیر کر رہے تھے، اپنی جگہ سے ہٹ گئی اور مال غنیمت کے پیچھے بھاگی۔ حالانکہ سپہ سالار کا خاص حکم تھا کہ وہ پہاڑی پر ڈٹے رہیں اور اگر پیچھے سے خالد بن ولید کی قیادت والا جتھا مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو اس کا دفاع کریں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ان کے سپہ سالار نے انہیں اس سلسلے میں بہت واضح احکامات دیے تھے، انہیں حکم تھا کہ کسی بھی حالت میں اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔ آپ نے فرمایا تھا، پیچھے سے ہماری حفاظت کرو، وہ پیچھے سے ہم تک نہ آنے پائیں اوران پر تیروں سے وار کرو، کیوں کہ گھوڑے تیروں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ ہم غالب رہیں گے جب تک تم لوگ اپنی جگہ پر رہو گے۔ اے اللہ میں تمہیں ان پر گواہ بناتا ہوں[1]۔

اللہ کے رسول نے مسلمانوں کی فوج کو پیچھے کے حملے سے بچانے کے لیے ہر حال میں وہاں رہنے پر زور دیا۔ آپ گھوڑسواروں کے قائد خالد بن ولید کے دماغ کی سوچ سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔ آپ اس راستے کو بھی جانتے تھے جہاں سے وہ مسلمانوں کی فوج پر یکبارگی حملہ کرنے کے لیے آسکتے تھے اور اسی لیے انہیں اس جگہ کو چھوڑنے سے منع فرمایا تھا جہاں انہیں متعین فرمایا تھا، یہاں تک کہ اگر وہ مشرکین کی فوج پر اپنی فوج کو کامیاب ہوتا دیکھ لیں تب بھی۔ آپ نے فرمایا تھا "ہم فتح یاب رہیں گے جب تک تم اپنی جگہ پر رہو گے"۔

مسلمانوں کی کامیابی بڑی حد تک گھوڑسواروں کی ٹکڑی سے مسلمانوں کی فوج کا پیچھے سے دفاع کرنے کی جگہ کی ضمانت پر منحصر تھی، لیکن پچاس افراد پر مشتمل تیر اندازوں کی اس ٹکڑی نے جب دشمنوں کی فوج کو پسپا ہوتے دیکھا تو ان کی اکثریت نے پہاڑ پر متعین اپنی جگہوں کو چھوڑ دیا اور مسلمانوں کی فوج کو پیچھے سے دشمنوں کے نشانہ پر چھوڑ دیا۔ انہیں دشمنوں کی جلد پسپائی نے دھوکے میں ڈال دیا اور وہ مال غنیمت کے لالچ میں پڑ گئے۔

حقیقتاً انہوں نے اپنے سپہ سالار کی حکم عدولی کی اور بولے کہ دشمنوں کی فوج کی شکست کے بعد یہاں رکنے کا کیا فائدہ؟ اس ٹکڑی کے قائد عبداللہ بن جبیر اپنے لوگوں کو

---

[1] مرجع سابق، ص83: الواقدی، مرجع سابق، ج1، ص203-209

اپنی اپنی جگہ پر رکنے کے لیے قائل نہ کر سکے اور ان کے ساتھ دس تیر اندازوں کے علاوہ جو اپنی جگہوں پر کھڑے تھے کوئی نہیں بچا۔

وہی ہوا جس کے امکان سے اللہ کے رسول نے انہیں متنبہ کیا تھا۔ جب یگانۂ وقت عسکری قائد خالد بن ولید نے تیر اندازوں کو پہاڑ سے اترتے دیکھا تو جو رہ گئے تھے ان پر پیچھے سے ٹوٹ پڑا اور سب کا کام تمام کر دیا۔ اس طرح دفاعی محاذ کو ختم کر دیا اور مسلمانوں کی فوج دشمنوں کے نشانے پر آ گئی۔ جنگ کا رخ مشرکوں کے حق میں بدل گیا اور قریش کی فوج نے پسپائی کے بعد ایک بار پھر سے تازہ دم ہو کر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کی فوج پر شکست کے آثار نمایاں ہونے لگے اور بہت سے لوگ شہید ہو گئے۔ اس کے بعد قریش کا ایک گروپ مسلمانوں کی فوج کے قائد کے ٹھکانے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جہاں سے رسول اکرم جنگ کی قیادت فرما رہے تھے اور خود رسول اللہ خطرے میں پڑ گئے۔

اللہ کے رسول کو قتل کرنے کی کوشش میں آپ کے قریب حملہ آوروں کی تعداد زیادہ ہو گئی۔ آپ کو ان کا ایک پتھر بھی لگ گیا جس سے آپ قریب قریب بے ہوش ہو گئے[1]۔ اس وقت آپ نے فرمایا: وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جو اپنے نبی کا چہرہ لہولہان کر دے جو کہ انہیں ان کے رب کی طرف بلاتا ہو۔ اسی وقت اللہ نے آل عمران کی اس آیت کے ذریعہ جواب دیا: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ (128)﴾

ترجمہ: یہ آپ کے سے متعلق نہیں، یا انہیں توبہ کہ توفیق دے یا انہیں پر عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں۔

رسول اکرم کو حقیقی خطرے کا سامنا تھا۔

---

[1] السباعی، مرجع سابق، ص 84

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

رسول اکرم کے دفاع کی جنگ

مسلم جنگجو کی قوت ارادی بے مثال ہوتی ہے، کیوں کہ جو موت سے نہیں ڈرتا وہ دشمنوں سے نہیں ڈرے گا۔ رسول اکرم کے دفاع کی جنگ بہادری اور شہادت کی محبت کا نمونہ تھی جس میں صحابۂ کرام کے ایک چھوٹے سے گروہ نے اپنے رسول کے ارد گرد جمع ہو کر ایک دفاعی ڈھال تشکیل دیا اور اپنے قائد کو دشمنوں کے تیروں اور نیزوں سے اپنے جسموں کے سہارے بچاتے رہے۔ سیرت کی کتابوں میں بعض کے نام ذکر ہیں۔ ان میں سے کچھ اس طرح ہیں: علی بن ابی طالب، عمر بن الخطاب، انس، ابودجانہ، سعد بن معاذ، سعد بن ابی وقاص، مصعب بن عمیر، ابوعبیدہ بن جراح، ابوطلحہ انصاری۔

تقریباً دس افراد پر مشتمل اس چھوٹے سے گروہ نے رسول اکرم تک پہنچنے کے لیے پر عزم سینکڑوں مشرکین پر مشتمل ایک بڑے گروہ کا مقابلہ کیا۔ بلامبالغہ رسول اکرم کی زندگی کے دفاع کا کام ایک خدائی معرکہ تھا جس کی مثال تاریخ اسلامی میں بہت کم ملتی ہے۔ یہاں جنگ کی عسکری باریکیاں بیان کرنا ہمارا مقصد نہیں لیکن قربانی کے اس مظاہرے پر غور کرنا ضروری ہے۔

دشمنوں نے سوچا کہ اگر انہوں نے رسول کے ارد گرد کے لوگوں کو قتل کر دیا تو وہ رسول کو قید کر لیں گے یا قتل کر دیں گے۔ دفاع کرنے والوں پر اس حد تک دباؤ بڑھ گیا کہ خزرج کے گھوڑ سوار ابودجانہ کے اعصاب کمزور پڑ گئے۔ وہ لڑ رہے تھے اور ان کے ہاتھ سے تکان کے سبب تلوار گر گئی لیکن وہ کھڑے رہے اور اپنے سینے سے رسول کی حفاظت کرتے رہے۔ تیر انداز ان پر تیر برساتے رہے اور وہ اپنی جگہ ڈٹے رہے یہاں تک کہ وہ گر گئے لیکن حیرت انگیز طور پر زندہ بچ گئے۔ وہ رسول اکرم کے ساتھ آگے کی تمام جنگوں میں شریک رہے۔ انہیں ہجرت کے بارہویں سال یعنی رسول کی وفات کے دو سال بعد جنگ یمامہ میں شہادت نصیب ہوئی۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جب ابو دجانہ گر گئے تو ان کی جگہ ان کے دوست ابو طلحہ انصاری نے لی اور شہادت حاصل کی۔ اسی بیچ رسول اکرم کی وفات کی افواہ پھیل گئی۔ اگر کچھ مسلمان بیدار ذہنی کا مظاہرہ نہ کرتے تو قریب تھا کہ ان کے جذبات پست ہو جائیں۔ انس بن مالک کے چچا انس بن نضر وہ پہلے شخص ہیں جنہیں اس کا ادراک ہوا۔ انس نے مسلمانوں سے پوچھا کیوں بیٹھے ہوئے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ محمد شہید ہو گئے۔ انس نے ان سے ایمان و عزیمت سے بھری زبان میں کہا کہ ان کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ جس چیز کے لیے انہوں نے جان دی، تم بھی جان دیدو! پھر انہیں چھوڑ کر وہ مشرکوں کی طرف بڑھے اور بے مثال بہادری کے ساتھ جنگ کی۔ ان کے چہرے پر تلواروں اور نیزوں کے اتنے وار ہوئے کہ وہ گر پڑے۔ زخموں نے ان کے چہرے کو اس قدر بگاڑ دیا کہ جب لوگوں نے انہیں دفن کرنا چاہا تو ان کی پاک نعش کو پہچان نہیں سکے یہاں تک کہ ان کی بہن آئیں اور ان کی انگلیوں سے انہیں پہچانا[1]۔

دوسری طرف سعد بن ربیع نے شہادت حاصل کی۔ انہوں نے مقابلہ کیا یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو گئے۔ ان کے پاس سے بعض صحابہ گزرے جب وہ موت کے قریب تھے۔ کسی نے ان سے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ محمد ﷺ قتل کر دیے گئے؟ سعد نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا۔ تم اپنے دین کے لیے لڑو، کیوں کہ اللہ زندہ ہے، وہ مرنے والا نہیں[2]۔ سعد جنگ میں مارے گئے۔

جنگ کے بعد اللہ کے رسول نے سعد بن ربیع کو تلاش کرنے لیے آدمی بھیجے۔ انہوں نے سعد کو موت کے قریب پایا۔ ان سے ایک شخص نے کہا: مجھے رسول اللہ نے یہ معلوم کرنے کا حکم دیا ہے کہ آپ زندوں میں ہیں یا مردوں میں۔ سعد نے جواب دیا میں

---

[1] الواقدی، مرجع سابق، ج1، ص243

[2] دویدار، صور من حیاۃ الرسول، ج3، مرجع سابق، ص374

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مردوں میں ہوں! رسول اللہ سے سلام کہنا اور کہنا کہ سعد آپ سے کہتا ہے کہ اللہ آپ کو میری طرف سے اس سے بہتر بدلہ دے جو کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دیتا ہے۔ وہ شخص اللہ کے نبی کے پاس لوٹا اور انہیں بتا دیا جو سعد نے کہا تھا۔ آپ نے فرمایا: اللہ اس پر رحم کرے۔ وہ زندہ تھا تب بھی اللہ ورسول کا خیر خواہ تھا اور مر کر بھی خیر خواہ ہے۔

تھوڑی دیر بعد مسلمانوں نے کعب بن مالک کو بلند آواز سے اعلان کرتے ہوئے سنا: اے مسلمانو! تمہیں خوش خبری ہے کہ اللہ کے رسول قتل نہیں ہوئے، رسول اللہ قتل نہیں ہوئے! اتنا سننا تھا کہ مسلمانوں کے جسم میں ایک بار پھر سے روح دوڑ گئی۔ اپنے رسول کی حیات کی خبر سے زیادہ کون سی خبر مسلمانوں کے لیے خوش کن ہو سکتی تھی۔

اس عظیم خبر نے ان کے اندر مقابلے کی روح پھونک دی اور ان کے حوصلے آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگے اور رسول کے ارد گرد جمع ٹکڑی اپنے ممبروں کی تجدید کرتی رہی۔ جب بھی کوئی شہید ہوتا دوسرا اس کی جگہ لے لیتا۔ ان میں مصعب بن عمیر بھی تھے جو رسول اکرم پر ہونے والے وار کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ معرکۂ احد میں 70 افراد شہید ہوئے جن میں سے 30 افراد نے رسول اکرم کا دفاع کرتے ہوئے شہادت پائی[1]۔

یہ جنگ اپنے تمام تر درد و کرب اور خون ریزی کے ساتھ قربانی کی ایک حیران کن یادگار بن گئی۔ جان کی قربانی کا یہ منظر جس قدر ان کے ایمان کی گہرائی کو بتاتا ہے، اسی قدر ان کی محبت رسول کی بھی ترجمانی کرتا ہے۔ انسان اپنی زندگی اسی کے لیے قربان کرتا ہے جو بہت زیادہ عزیز اور اہم ہو۔ ایک مسلمان کی زندگی سے زیادہ عزیز اس کے رسول کی زندگی کے علاوہ کوئی چیز نہیں۔ اس وقت آسمانی رسالت کی سلامتی کا دارومدار آسمانی رسول کی سلامتی پر تھا۔ اس اہم نکتہ کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اسی کی تفصیل ہے۔

---

[1] مرجع سابق، ص363

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دلچسپ بات یہ ہے کہ ان دس افراد میں ایک خاتون بھی تھیں۔ ان کا نام نسیبہ تھا جو ام عمارہ انصاریہ سے مشہور تھیں۔ انہوں نے مردوں جیسی بہادری سے مقابلہ کیا۔ جنگ کے شروع میں وہ زخمیوں کی خدمت کر رہی تھیں اور انہیں پانی پلا رہی تھیں۔ لیکن جب رسول اکرم پر حملہ ہوتا دیکھا تو پانی کا مشکیزہ ایک طرف پھینکا اور تلوار لے کر حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے لگیں۔ ان کے ساتھ جنگ میں ان کے شوہر اور بیٹے بھی شریک تھے۔ اللہ کے رسول ام عمارہ کی ہمت اور بہادری سے متاثر ہوئے اور فرمایا: اللہ تمہارے اہل خانہ میں برکت دے!

پھر آپ نے ام عمارہ سے فرمایا: اے ام عمارہ تمہاری جتنی قوت کس میں ہے؟ مجھ سے مانگو اے ام عمارہ! انہوں نے کہا: میں جنت میں آپ کی رفاقت مانگتی ہوں۔ آپ نے ان کے لیے دعا کی: اے اللہ! تو انہیں جنت میں میری رفیق بنا[1]۔ بعد میں آپ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ احد کے دن میں نے جب بھی دائیں بائیں دیکھا، انہیں میرے دفاع میں لڑتی ہوئی پایا۔ اس دن ام عمارہ کو نیزوں اور تلواروں کے بارہ زخم لگے۔

رسول کے تئیں محبت اور جذبۂ شہادت کا اظہار صرف مردوں نے نہیں کیا بلکہ شہداء کے اہل خانہ نے بھی قابل تحسین حد تک کیا۔ انہوں نے سوچا کہ جب تک رسول اللہ سلامت ہیں، تب تک ہر چیز معمولی ہے، یہاں تک کہ احباء واقرباء کی موت بھی۔ اس سلسلے میں عظیم صحابیہ ام عامر اشہلیہ کا نام جن کے گھر کے سبھی افراد نے معرکۂ احد میں شرکت کی تاریخ اسلامی میں بہت مشہور ہے۔ جب مسلمان مدینہ لوٹے تو ان کا گزر شہداء کی خواتین کے پاس سے ہوا جن میں ام عامر بھی تھیں۔ جب ان کی ملاقات معرکہ سے لوٹ رہے جنگجوؤں سے ہوئی تو انہوں نے انہیں بتایا کہ ان کے گھر کے تین افراد، والد، شوہر اور بھائی شہید ہو گئے اور ان کے گھر کا کوئی مرد نہ بچا، سب کے سب رسول کا دفاع کرتے

---

[1] الواقدی، ج1، مرجع سابق، ص 237

ہوئے شہید ہو گئے۔ وہ شہداء کے متعلق خاموشی سے سنتی رہیں۔ جب ان لوگوں نے ان سے دکھ درد کا اظہار کیا تو انہوں نے پوچھا، یہ بتائیں رسول اللہ کیسے ہیں؟ ان لوگوں نے جواب دیا اے ام عامر، الحمد للہ! رسول اللہ بخیر ہیں۔ انہوں نے کہا مجھے دکھائیں رسول اللہ کہاں ہیں۔ انہیں اشارے سے بتایا گیا اور جب انہوں نے دیکھ لیا تو بولیں کہ اب ہر مصیبت آسان ہے۔ یعنی رسول اللہ کے بخیر ہوتے ہوئے ہر مصیبت معمولی ہے[1]۔

پھر قبیلہ اوس کے سردار اور گھوڑ سوار سعد بن معاذ، جو ابھی چالیس سال کے بھی نہیں تھے، کی والدہ آئیں۔ سعد بن معاذ احد کے ان بہادروں میں سے ہیں جنہوں نے بے مثال بہادری کے ساتھ جنگ لڑی اور بہت زیادہ زخموں کے باوجود زندہ رہے۔ ان کی والدہ رسول اللہ کے پاس اطمینان خاطر کی غرض سے آئیں اور جب آپ کو سلامت دیکھا تو عرض گزار ہوئیں، یا رسول اللہ! آپ کو صحیح سلامت دیکھ کر ساری مصیبت آسان ہو گئی۔

حمزہ کی شہادت

اسلامی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ان محمدی مظاہر کے بعد ایک افسوسناک لمحہ آتا ہے جو ایک دوسرا رخ پیش کرتا ہے، اسلام دشمن مشرکین کا رخ۔ ہند بنت عتبہ نے ایک حبشی غلام "وحشی" کو آزادی کے بدلے رسول کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب کے قتل پر مامور کیا تھا۔ حضرت حمزہ نے اس کے والد عتبہ بن ربیعہ اور بھائی ولید بن عتبہ کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا۔ وحشی جنگ کے میدان میں صرف اور صرف موقع کا فائدہ اٹھانے اور اپنی آزادی کے مقابلے حضرت حمزہ کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا تھا۔

---

[1] کچھ لوگ یہ مانتے ہیں کہ وہ عظیم صحابیہ اسماء بنت یزید بن سکن ہیں جن کی طرف بنی دینار کی ایک خاتون کے طور پر اشارہ ملتا ہے، لیکن جو نام دویدار نے ذکر کیا ہے وہ ام عامر اشہلیہ ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ دوسرا نام محض کنیت ہے یا کسی دوسری خاتون کا نام ہے۔ ہم نے اسے ویسے ہی لیا ہے جیسا دویدار نے اپنی کتاب "صور من حیاۃ الرسول" میں ذکر کیا ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جیسا کہ ہند نے اسے حکم دیا تھا، وہ پورے معرکہ میں حضرت حمزہ کے گھات میں لگا رہا تا کہ مناسب موقع ملتے ہی اس ہیرو کے سینے پر مہلک تیر چلا دے۔ جیسے ہی اسے موقع ملا، اس نے دور سے ہی حضرت حمزہ کے سینے پر تیر سے وار کیا، جس سے وہ راہ خدا میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کے لیے یہ نا قابل تلافی نقصان تھا۔ ان کی شہادت کے ساتھ ہی دشمنوں نے آدھی جنگ جیت لی۔ جیسے ہی انتقام کی آگ میں جل رہی ہند کو حضرت حمزہ کی شہادت کا پتہ چلا، وہ اپنا شکار دیکھنے کے لیے پہنچ گئی۔ لیکن اسی پر اکتفا نہیں کیا، زمین پر خون میں لت پت پڑی شیر اسلام کی نعش دیکھ کر اس کی پیاس نہ بجھی اور اس نے کینہ اور انتقام کی ساری حدیں پار کر دی۔ اس نے ایک چھری لی، ناک کان کاٹے اور اس کے بعد آپ کی مبارک نعش کو چاک کر کے جگر نکالا۔ شعری ذوق رکھنے والی قریش کی یہ محترم اور خوبصورت خاتون درندہ بن کر حضرت حمزہ کا جگر چبانے لگی۔ یہ منظر بہت ہی ڈراؤنا اور گھناؤنا تھا۔

جب اللہ کے رسول آئے اور اپنے چچا کی نعش دیکھی تو فرمایا: کوئی موقع میرے لیے اس موقع سے زیادہ غضبناک نہ رہا۔ یہ نا قابل برداشت موقع تھا۔ آپ کی آنکھوں سے حزن والم کے آنسو بہہ پڑے۔ اپنے عظیم چچا، رضاعی بھائی اور ایک عظیم سپہ سالار کو کھونے پر رسول رحمت کی آنکھیں کیوں کر نہ آنسو بہاتیں۔ آپ حضرت حمزہ پر روئے کیوں کہ وہ شہید ہو گئے اور کیوں کہ ہند نے ان کے معاملے میں انسان اور موت دونوں کی حرمت کو تار تار کیا۔

قابل توجہ ہے کہ جب کسی مسلمان نے اللہ کے رسول سے آپ کے چچا حضرت حمزہ کا چہرہ مسخ کرنے والے کے لیے بددعا کرنے کو کہا تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں۔ میں رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آپ نے انتہائی غضب والم کی گھڑی میں بھی دشمنوں پر لعنت نہیں بھیجی۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

حضرت حمزہ کی نعش کو مسخ کرنے کا منظر بھیانک تھا۔ جب ایمان نہیں رہتا اور مقدس کتابوں سے انسان کا رشتہ ختم ہوجاتا ہے تو اس کے سارے بلند اخلاق واقدار ختم ہوجاتے ہیں اور وہ وجود کی سب سے نچلی سطح پر چلاجاتا ہے۔ کیوں کہ اللہ کی یاد اور ایمان سے خالی دل، رحمت اور بلند اخلاق سے خالی ہوتا ہے اور انسانیت اور بشری مقام کو معیوب کرنے والے تمام ترجذبات کا نشانہ بن جاتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ جنگ ڈول کی طرح ہوتی ہے۔ یہ وہ دن ہیں جنہیں ہم ایک کے بعد ایک لوگوں میں لوٹاتے ہیں۔ قریش نے سوچا کہ وہ اس بار غالب آگئے۔ چنانچہ ابو سفیان نے کہا ایک دن کے بدلے ایک دن، بدر کے بدلے احد، ہاں! جنگیں ڈول کی طرح ہوتی ہیں۔ لیکن باوجود اس کے کہ مسلمانوں کو جانی نقصان زیادہ ہوا، انہیں پورے طور پر شکست نہیں ہوئی اور انہوں نے اس شکست کو ایک آزمائش اور سبق کے طور پر لیا۔ جنگی نقطۂ نظر سے انہیں حقیقۃً شکست نہیں ہوئی۔

اولاً تو اس وجہ سے کہ ان کی فوج دشمنوں کی ایک تہائی تعداد سے زیادہ نہ تھی اور اس تعداد کے ساتھ مشرکین کا مقابلہ بذات خود ان کے لیے ایک بڑی معنوی جیت تھی۔ پھر یہ کہ قریش نے اگرچہ اللہ کے رسول کو زخمی کردیا اور آپ کی جان پر بن آئی، لیکن وہ آپ تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکے اور اس بہادری کے ساتھ رسول کا دفاع جنگ میں بذات خود ایک بڑی فتح تھی اور اس لیے بھی کہ قریش فاتحانہ شان سے مدینہ میں داخل نہیں ہوسکے تو انہیں جیت کہاں حاصل ہوئی؟

جنگ احد کے اسباق

اب ہم اس پہلو پر نظر کرتے ہیں جو وقتی عسکری فتح وشکست سے بہت دور ہے۔ معرکۂ احد ایمانی پیغامات اور اسباق سے پُر ایک درس گاہ ہے۔ مشیت الٰہی سے یہ معرکہ کئی سطحوں پر ایک بہترین تجربہ ثابت ہوا۔ ابتدا سے انتہا تک جنگ کے مختلف مراحل پر گہری

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نظر ڈالنے سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ یہ ہر قدم ایک اہم سبق لیے ہوئے ہے۔ اس کی شروعات مدینہ سے باہر نکل کر دشمنوں کے مقابلہ کے فیصلہ سے ہوتی ہے۔ یہ فیصلہ بہادری اور قوت ارادی سے بھرپور تھا۔

پھر مدینہ سے نکلتے وقت منافقین کے علاحدہ ہوجانے سے مسلمانوں کی فوج میں دراڑ پر گئی۔ مسلمان کم تعداد میں جنگ میں پہنچے؛ لیکن اس سے ان کے عزم و حوصلے پر فرق نہیں پڑا اور دونوں صفوں کے بیچ نابرابری کے باوجود مسلمان ابتدا سے جنگ میں غالب رہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دشمنوں کی تعداد جتنی بھی ہو، مسلمان انہیں شکست دینے پر قادر تھے۔ پھر تیر اندازوں کا پہاڑ سے اتر جانا اور اس کے بعد قریش کا مسلمانوں پر حملہ، پھر رسول اکرم کے دفاع کی جنگ اور شہداء کی ایک بڑی تعداد پر جنگ کا اختتام، یہ سب اسباق تھے۔

سیرت نبوی کے دوسرے اسباق کی طرح احد بھی گوناگوں فوائد سے بھرپور اور ہر زمان و مکان کے لیے اہم ایک زبردست ایمانی سبق تھا۔ تفصیلات سے قطع نظر، اس سبق کا حاصل یہ تھا کہ جو رسول کے احکام کی پابندی کرے گا فلاح و کامرانی پائے گا، جنگ میں اور امن میں بھی، اس زمانے میں بھی اور آج بھی اور جو رسول کی زندگی کو اپنے لیے اسوہ نہیں بنائے گا وہ تباہ و برباد اور ہلاک ہوگا۔

پھر یہ کہ نفس پر غلبہ حاصل کرنا جنگ میں غلبہ حاصل کرنے کے لیے شرط ہے۔ کہا جاتا ہے کہ خواہش نفس سب سے بڑا معبود ہے جس کی زمین پر پرستش کی جاتی ہے۔ اس لیے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا جو خواہش نفس کے تابع ہو۔ احد کا سبق اور اس سے پہلے بدر کا سبق اس کا ثبوت ہے۔ ایمان کی برکت سے ایک چھوٹا اور تنگ دست گروہ تعداد و تیاری کے اعتبار سے طاقتور دشمن پر برتری حاصل کرسکتا ہے اگر وہ اپنے قائد کے احکام کی پابندی کرے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سورۂ آل عمران کی آیت نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے اس پورے واقعہ میں فیصلہ کن بات کہہ دی: ﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (139) إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ (140) وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ (141) أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ (142)﴾ (آل عمران :139-142)

ترجمہ: نہ سستی کرو نہ غم کھاؤ، تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو وہ لوگ بھی ویسی ہی تکلیف پا چکے ہیں اور یہ دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لیے باریاں رکھی ہیں۔ اور اس لیے کہ اللہ پہچان کرادے ایمان والوں کی اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا مرتبہ دے اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور اس لیے کہ اللہ مسلمانوں کو نکھار دے اور کافروں کو مٹادے۔ کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کے کلمات کے ذریعہ زمین پر اپنے بندوں کے حوصلوں کو بلند کرنے کے ساتھ بات شروع کی۔ ﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ (نہ سستی کرو نہ غم کھاؤ، تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو)۔ تم کمزور نہ خیال کرو، نہ غم کھاؤ، کیوں؟ کیوں کہ تمہیں غالب آؤ گے۔ تمہارا رتبہ آسمان میں ہرگز بلند نہ ہوگا جب تک سچے مومن نہ ہو جاؤ اور رسول کو اپنے لیے اسوۂ حسنہ نہ بنالو۔ لیکن اگر تم سچے مومن نہ ہوئے تو تمہارے لیے خواری اور حزن وملال ہے۔

ایسی صورت میں اس بڑی آزمائش کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ مومن حقیقی اور غیر مومن کے بیچ خط امتیاز کھینچ دے۔ کیوں کہ بہتیرے ایسے ہیں جو دنیا میں لگے رہتے ہیں اور بہترے ایسے ہیں جو آخرت کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس لیے آزمایا

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کہ تمہیں دنیا سے پھیر دے، تمہاری مغفرت کردے اور تم اللہ کے نیک بندے ہو جاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے اس قول کے ذریعہ اس کی شرح فرماتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُم مِّن بَعْدِ مَا أَرَاكُم مَّا تُحِبُّونَ ۚ مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ (152) ۞ إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (153)﴾

ترجمہ: اور بے شک اللہ نے سچ کر دکھایا اپنا وعدہ جب کہ تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کرتے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی کی اور اختلاف میں پڑ گئے اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں تمہاری خوشی کی بات دکھادی، تم میں کوئی دنیا چاہتا تھا، پھر تمہارا منہ ان سے پھیر دیا کہ تمہیں آزمائے اور بے شک اس نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ مسلمانوں پر فضل کرتا ہے۔ جب تم منہ اٹھائے چلے جاتے تھے اور پیٹھ پھیر کر کسی کو نہ دیکھتے اور دوسری جماعت میں ہمارے رسول تمہیں پکار رہے تھے تو تمہیں غم کا بدلہ غم دیا اور معافی اس لیے سنائی کہ جو ہاتھ سے گیا اور جو افتاد پڑی اس کا رنج نہ کرو اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے۔ (آل عمران:152-153)

حق تعالیٰ کی بات ہو کر رہتی ہے۔ کیوں کہ یہ وہ روشنی ہے جو ہمیں تجربہ کی راہ دکھاتی ہے اور اس کے ظاہری وباطنی اسباق کو واضح کرتی ہے اور ہمارے لیے اس قدر کافی ہے، لیکن ضروری ہے کہ ہم ان باتوں پر ایک نظر ڈالیں جو مسلم علماء نے سورۂ آل عمران کی آیات کی روشنی میں اس تجربے کے اسباق کی شرح میں کہی ہیں۔

ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ اس آزمائش سے اللہ کی منشا یہ تھی کہ مسلمانوں کو رسول کی نافرمانی کا مزہ چکھائے تاکہ مستقبل میں ہشیاری اور احتیاط سے کام

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لیں۔ اسی طرح اگر انہیں ہمیشہ کامیابی ملتی تو ان کے ساتھ غیر مومن بھی آجاتے، جیسا بدر کی فتح کے بعد ہوا اور پھر سچے مومن اور دوسرے لوگوں کے درمیان فرق حقیقی آزمائشوں سے گزرے بغیر نہیں ہو پاتا۔

اگر اللہ ہمیشہ ان کی مدد فرماتا اور دشمنوں پر غلبہ اور قوت دیتا تو ان کا نفس سرکش ہوجاتا۔ ایسا ہی ہوتا ہے جب اللہ بندے کے رزق میں وسعت دیتا ہے۔ اس لیے بندے کے حق میں آسانی اور پریشانی، سختی اور نرمی اور تنگی و کشادگی بہتر ہے۔ اور یہ اس کی تربیت کا حصہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ بندے کا اللہ کی توحید اور عبودیت پر ایمان مکمل ہوجائے۔ اس کے برعکس اگر ہمیشہ انہیں غلبہ ملے تو بعثت و رسالت کا مقصد حاصل نہ ہوسکے۔ چنانچہ حکمت الٰہی نے چاہا کہ مومنین کے لیے دونوں قسم کے حالات پیدا کرے اور بہتر انجام اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔

جیسا کہ ابن قیم نے لکھا ہے، دائمی عافیت، کامیابی اور غنا سے نفس کے اندر سرکشی اور دنیا سے لگاؤ پیدا ہوجاتا ہے، یہ ایسی بیماری ہے جو انسان کو اللہ اور آخرت کی راہ میں کوشش کرنے سے روکتی ہے۔ جب اس کا رب، اس کا مالک اور اس کا رحم کرنے والا اس کے لیے کرامت و شرافت چاہتا ہے تو اسے آزمائش میں ڈالتا ہے جو اللہ کی طرف جانے سے روکنے والے مرض کے لیے دوا کا کام کرتی ہے۔ گویا یہ آزمائش اس طبیب کی منزل میں ہے جو بیمار کو بدمزہ دوا پلاتا ہے اور اگر ایسا نہ کرے تو بیماری غالب آجائے اور بیمار ہلاک ہوجائے[1]۔

سورۂ آل عمران میں اللہ کے ذریعہ پیش کی گئی وضاحتوں کے ذکر کے بعد دوید ار ایک اچھی بات کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ناامیدی کے دلدل میں نہیں چھوڑا، بلکہ نرمی اور رحمت کے ساتھ ان کے غموں کو دور کیا اور نفع بخش سبق کے ساتھ معمولی

---

[1] الجوزیۃ، ابن قیم، زاد المعاد، مکتبۃ المواد، قاہرہ، 2006، ج 2، ص 128-139

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سرزنش کی اور یہ بتایا کہ شکست اس عظیم مقصد کو نقصان نہیں پہنچا سکتی جس کی خاطر وہ لڑ رہے ہیں اور نہ ان بلند اصولوں کو جس کا وہ دفاع کر رہے ہیں۔ کیوں کہ ان کے اصول اور مقاصد بلند ترین ہیں اور فتح و شکست تو عارضی چیزیں ہیں جو لوگوں کو باری باری ملتی رہتی ہیں اور مخلوق کے درمیان ایسا کرنا اللہ کی عادت ہے[1]۔

آخری بات یہ کہ اس آزمائش میں ایک پیغمبرانہ سبق ہے۔ رسول کا زخمی ہونا ایک سبق ہے اور آپ کی موت کی افواہ بھی ایمانی شعور کو بیدار کرنے کے لیے ایک سبق تھی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾ (آل عمران: 144)

ترجمہ: محمد تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول گزرے، تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ جو الٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عنقریب اللہ شکر گزاروں کو صلہ دے گا۔

اس سبق نے مسلمانوں کو یہ یاد دلایا کہ ان کے رسول بھی بشر ہیں، ان کے لیے بھی ایک دن مقرر ہے۔ اللہ ان کے ذریعے اپنی نعمت کی تکمیل فرمائے گا، ان کے اندر مکارم اخلاق کو مکمل فرمادے گا تو وہ فریضۂ رسالت ادا کر کے اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملیں گے۔ مسلمانوں نے اس سے سبق بھی حاصل کیا، چنانچہ سعد بن ربیعہ اور انس بن نضر کہتے ہیں کہ وہ محمد ﷺ کی خاطر ان کے ایک شخص ہونے کی وجہ سے جنگ نہیں کرتے بلکہ وہ محمد ﷺ کے رب اور دین کی خاطر جنگ کرتے ہیں۔

---

[1] دویدار، صور من حیاۃ الرسول، ج3، مرجع سابق، ص216

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پھر یہ کہ محمد ﷺ اگر جسمانی طور پر مر بھی گئے تو روحانی طور پر وہ ہر گز نہ مرے بلکہ وہ عالم ارواح میں زندہ اور فعال ہیں۔ انہوں نے ہمارے لیے قرآن چھوڑا جو مسلمانوں کی رگوں میں زندگی کے بہتے نہر کی طرح جاری ہے اور اپنی سیرت چھوڑی جو ہم تک رسول کی شعائیں پہنچاتی رہیں گی اور وہ چمکتے سورج کی طرح باقی رہیں گے چاہے آپ ظاہری حیات میں ہوں یا نہ ہوں۔

داخلی محاذ

بے مثال بہادری اور عظیم قربانی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود مسلمان شکست خوردہ اور شکستہ دل لوٹے لیکن ان کے حوصلے پست نہیں تھے۔ شہداء کے علاوہ قریب ڈیڑھ سو لوگ زخمی ہوئے تھے۔ بجائے اس کے کہ واپسی پر انہیں جسموں اور جانوں کے زخموں کی مرہم پٹی کرنے کی مہلت ملتی اور وہ اپنے تجربے کا تجزیہ کرپاتے، دشمنوں نے اسے دشمنی کے مظاہرہ اور خوشی کا موقع بنالیا۔ پہلے یہود نے اللہ کے رسول اور آپ کی دعوت کے متعلق شک آمیز باتیں کہنی شروع کیں۔ وہ کہتے کہ اگر محمد نبی ہوتے تو مشرکین سے شکست نہ کھاتے۔ لیکن وہ تو بادشاہت کے طلبگار ہیں، سلطنت ان کو مل بھی سکتی ہے اور نہیں بھی مل سکتی ہے۔

ان سے تحریک پاکر عبداللہ بن ابی کی قیادت میں منافقوں نے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کے لیے موقع غنیمت جانا اور مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کے فیصلہ کی درستگی میں شک ڈالنے کی کوشش کرنے لگے۔

پھر قریش کے حلیف بدویوں کی باری آئی جنہوں نے یہ سوچا کہ مسلمان ابھی کمزور ہیں اور یہ ان سے مدینہ میں بھڑنے کا موقع ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لیکن مسلمان اپنے دشمنوں کو خوب جانتے تھے۔ ان دشمنانہ حملوں کا مسلمانوں کے دلوں پر یا ان کے بلند حوصلوں پر کوئی اثر نہیں۔ انہوں نے کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہیں کیا اور ان کے سر بلند رہے۔

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ احد کے دوسرے دن اللہ کے رسول نے سنا کہ قریش کی فوج حمراء الاسد کے قریب روحاء کے علاقے میں پھر جمع ہو رہی ہے اور مدینہ میں مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کرنے کی غرض سے لوٹنے کی تیاری کر رہی ہے۔

اسی وقت اللہ کے رسول نے مسلمانوں کو تیار ہونے اور ان کے مقابلہ کے لیے نکلنے کو کہا۔ چنانچہ سارے مسلمانوں نے اپنے سپہ سالار کی بات پر لبیک کہا اور کوئی پیچھے نہیں رہا، یہاں تک کہ زخمیوں نے بھی شرکت سے پیچھے رہنے سے منع کر دیا۔ اللہ کے رسول نے فرمایا کہ جو لوگ احد میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ شامل نہ ہوں، احد میں جنگ کرنے والے لوگ ہی نکلیں۔

بنی اشہل کے ایک شخص کی گواہی ہمیں ان کے اندر جاں گزیں مثالی جہادی روح اور رسول سے غایت محبت کو بتاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ احد میں اللہ کے رسول کے ساتھ میں اور میرے بھائی شریک ہوئے اور زخمی لوٹے۔ جب اللہ کے رسول نے دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلنے کا اعلان کرایا تو میں نے اپنے بھائی سے کہا: کیا ہم اللہ کے رسول کے ساتھ غزوہ میں شرکت نہیں کر پائیں گے؟ ہمارے پاس تو ایک ہی سواری ہے۔ میں تھوڑا کم زخمی تھا، چنانچہ ہم اللہ کے رسول کے ساتھ نکلے اور باری باری سواری کا استعمال کر رہے تھے[1]۔

احد کے جاں باز اس قدر حیران کن حوصلوں کے ساتھ اپنے زخمیوں کو ساتھ لے کر نئے سرے سے قریش کی فوج کے مقابلے کے لیے نکل پڑے۔ جب مسلمانوں کی فوج

---

[1] ابن ہشام، مرجع سابق، ص 88

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

حمراء الاسد کے مقام پر پہنچی تو اسے مقابلے کی جگہ کے طور پر چن لیا اور دشمنوں کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ مسلمان وہاں تین دن رہے۔ جب قریش کے قائدین نے ان کی طرف مسلمانوں کے تیزی سے کوچ کرنے اور جنگ کی تیاری کی خبر سنی تو وہ پس و پیش میں پڑ گئے اور ڈر گئے کہ کس طرح مسلمانوں نے اپنے زخم اور درد والم کے باوجود اتنی جلدی مقابلے کے لیے نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ قریش کو یہ خبر ملی کہ جو لوگ احد میں شریک نہیں ہوئے تھے، وہ بھی اس بار جنگ کے لیے پر عزم ہو کر شامل ہوئے ہیں، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں تھا۔ اس وقت قریش نے مقابلہ کرنے کی بجائے مکہ لوٹ جانے کا فیصلہ کیا اور دونوں فوجوں کا سامنا نہیں ہوا، لیکن مسلمانوں کا جنگ کے لیے نکلنا ہی فتح کے درجے میں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ایمان اور بہادری کی تعریف کی جب وہ دشمنوں کے مقابلے کے لیے بلا خوف و تردد نکلے اور سورۂ آل عمران کی یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ (172) الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (173)﴾ (آل عمران: 172-173)

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر زخم خوردہ ہونے کے باوجود حاضر ہوئے، ان نکوکاروں اور پرہیزگاروں کے لیے بڑا ثواب ہے۔ وہ لوگ کہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگ تمہارے لیے جمع ہوئے ہیں تو ان سے ڈرو، تو ان کا ایمان اور بڑھا اور بولے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے۔

تب قریش کو اور باقی تمام دشمنوں کو اندازہ ہوا کہ مسلمان اگرچہ احد میں نقصان میں رہے لیکن ان کے حوصلے ابھی بھی جیتنے والوں سے زیادہ بلند ہیں۔ کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور ان کی قوت ارادی کو جس کا سر رشتہ آسمان سے جڑا ہے کبھی پہنچا نہیں جا سکتا۔

اللہ کے رسول نے اچھا کیا کہ مقابلہ کے لیے نکلنے کا فیصلہ کیا اور صرف احد میں لڑنے والوں کو ساتھ لے گئے۔ اس دانشمندانہ اقدام سے معرکۂ احد کے نتیجے میں لاحق پستی کا احساس پورے طور سے ختم ہو گیا اور ان کی ڈھارس بندھی۔ اس طرح اللہ کے رسول نے دلوں کے زخموں پر مرہم رکھا اور مسلمانوں کے حوصلے میں تازہ روح پھونکی۔

واقعہ بئر معونہ

رسول اللہ کے قتل کی کوشش اور بنی نضیر کی جلاوطنی

جنگ احد اور جنگ احزاب کے بیچ کا عرصہ، یعنی ہجرت کا تیسرا اور چوتھا سال مسلمانوں کے لیے حقیقی اطمینان و سکون کا زمانہ نہیں رہا، بلکہ دشمنی اور سازشوں سے بھرا رہا اور سب سے بڑی سازش رسول اکرم کے قتل کی کوشش تھی۔

یہاں ایک تاریخی اور فیصلہ کن جنگ معرکۂ خندق تک پہنچنے سے قبل پیش آنے والے دو اہم واقعات کا ذکر ضروری ہے۔ ایک تو بئر معونہ کی جنگ اور اس کے بعد بنی نضیر کے ذریعہ رسول اکرم کے قتل کی کوشش۔

ہجرت کے چوتھے سال مسلمانوں پر ایک بڑی مصیبت آئی جس کے جانی نقصانات معرکۂ احد سے کم نہ تھے۔ اس میں قرآن کے حافظ چنندہ صحابہ کام آگئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس سال بنی عامر کا ایک سردار جس کا نام ابو براء تھا، اللہ کے رسول کے پاس آیا اور درخواست کی کہ اہل نجد کے بیچ دعوت کے لیے چند حفاظ قرآن بھیج دیں۔ اس سے اللہ کے رسول نے فرمایا کہ مجھے اہل نجد سے ان کی جان کو خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ ابو براء نے کہا کہ وہ میری پناہ میں ہوں گے اور لوگوں کو آپ کے دین کی دعوت دیں گے[1]۔

---

[1] مرجع سابق، ص159

اللہ کے رسول نے 70 حفاظ قرآن کو منتخب فرمایا۔ ان میں اکثر اصحاب صفہ تھے۔ آپ نے انہیں یہ کام سونپا لیکن جیسے ہی یہ لوگ اس علاقے میں پہنچے، عامر بن طفیل نامی ایک شخص کھڑا ہوا اور بعض قبائل کو ان کے خلاف بھڑکا دیا۔ ان لوگوں نے انہیں بئر معونہ کے علاقے میں گھیر لیا اور سب کو شہید کر دیا۔ ان میں سے عمرو بن امیہ کے سوا کوئی نہیں بچا۔ وہ کسی طرح مدینہ پہنچے اور رسول اللہ کو اس حادثہ کی اطلاع دی۔ آپ کو حافظ قرآن صحابہ کے کھونے کا بڑا دکھ ہوا اور فرمایا: "یہ ابو براء کا کام ہے، مجھے ان کو بھیجنا پسند نہ تھا اور اندیشہ ہو رہا تھا"۔ حادثہ بئر معونہ سے مسلمانوں کو بڑا حزن و ملال ہوا۔

لیکن اس سے پہلے مدینہ لوٹتے ہوئے عمرو بن امیہ کی ملاقات بنی کلاب کے دو لوگوں سے ہوئی جن کو انہوں نے اپنے ساتھیوں کے بدلے قتل کر دیا۔ انہیں یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ اس قبیلے سے تھے جس کے ساتھ رسول اکرم کا معاہدۂ امن تھا۔ جب اللہ کے رسول کو یہ پتہ چلا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور آپ کے سامنے اس معاملے کو جلد حل کرنے اور ان کے ورثہ کو دیت دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ بچا۔

جن دو لوگوں کو عمرو بن امیہ نے غلطی سے قتل کر دیا، ان کی دیت ادا کرنے اور مسئلہ کو حل کرنے سے متعلق مدد کے لیے اللہ کے رسول نے مدینہ میں بنو نضیر کے یہود سے ملاقات کی۔ بنو نضیر مقتول کے قبیلہ کے حلیف تھے۔ انہوں نے اس معاملے میں ثالثی کرنے اور رسول کی مدد کے لیے حامی بھری تا کہ متعلقہ قبیلے کو دیت دینے کا مناسب حل نکالا جا سکے۔ اس مقصد کے لیے ان کا ایک گروہ مشورے کی غرض سے علاحدہ ہوا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ حل تلاش کر رہا ہے لیکن جلد ہی پتہ چل گیا کہ ان کی بات چیت کا موضوع رسول اکرم کا اکرام اور آپ کی مدد کرنا نہیں، بلکہ آپ کو قتل کرنا ہے۔

یہ یہودیوں کی بڑی غداری اور خیانت تھی۔ اللہ کے نبی کا ان کے ساتھ امن کا معاہدہ تھا اور ان سے مدد طلب کرنے آئے تھے، ان کی مدد کرنے کی بجائے انہوں نے یہ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

منصوبہ بنایا کہ ان کی اس ملاقات اور ان کے کسی گھر کی دیوار سے لگ کر بیٹھنے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے سر پر گھر کے کسی روشن دان سے پتھر گرا دیں اور اپنی امید کے مطابق آپ سے چھٹکارا پا لیں۔

اس دھوکہ اور جرم کی میٹنگ کے بعد عمرو بن جحاش بن کعب نے اس کام کی ذمہ داری لی۔ وہ گھر پر چڑھ گیا تاکہ اس روشن دان سے جس کے نیچے آپ تشریف فرما تھے، آپ کے اوپر چٹان گرا دے۔ لیکن اللہ اپنے رسول کو یہود کا شکار بننے کے لیے نہیں چھوڑ سکتا، چنانچہ آپ کو آگاہ فرما دیا اور جس جرم کی انہوں نے منصوبہ بندی کی تھی، اس کے بارے میں بتا دیا۔ اللہ کے رسول کھڑے ہوئے اور اپنے دونوں ساتھی ابوبکر و علی جو آپ کے ساتھ تھے کو بتائے بغیر تیزی کے ساتھ وہاں سے نکل گئے تاکہ شک پیدا نہ ہو۔ جب وہ دونوں مدینہ لوٹ کر آپ سے ملے تو آپ نے انہیں یہود کے ارادے کے متعلق بتایا۔ رسول اللہ کے قتل کی کوشش بہت ہی سنگین بات تھی۔ چنانچہ مسلمانوں نے بنی نضیر کے بارے میں اپنا موقف بدلا۔ اسی وقت اللہ کے رسول نے انہیں مدینہ سے نکل جانے کا حکم دینے کے لیے قاصد بھیج دیا اور دس دنوں کی مہلت دی۔ اس وقت انہیں سمجھ آئی کہ وہ اپنے ہی جال میں پھنس گئے ہیں۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ جب آپ کوئی فیصلہ کر لیتے ہیں تو اس پر قائم رہتے ہیں، اس لیے ان کے پاس اس فیصلے کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔

لیکن منافقوں کے لیڈر عبداللہ بن ابی نے پھر سے سر ابھارا اور انہیں نہ نکلنے کا پیغام بھیجا۔ ان سے وعدہ کیا کہ ساتھ کہ وہ ان کے دفاع کے لیے دو ہزار افراد بھیجے گا۔ چنانچہ وہ نکلنے کے فیصلے سے پھر گئے اور قلعہ بند ہو گئے اور رسول کو یہ کہلا بھیجا کہ ہم اپنے گھروں سے نہیں نکلیں گے، آپ کو جو کرنا ہے کر لیں[1]۔

[1] السباعی، مرجع سابق، ص 87۔ مزید دیکھیں: ابن قیم، زاد المعاد، ج 2، مرجع سابق، ص 152-153

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اب اللہ کے رسول کے پاس مقابلہ کی تیاری کے علاوہ کوئی صورت نہ تھی۔ چنانچہ اپنے لوگوں کو بنی نضیر سے جنگ کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا تاکہ انہیں معاہدہ اور عرف وعادت کے ساتھ خیانت اور دھوکہ دہی اور اس سے بڑھ کر دستور کو پھاڑنے اور جو امن وسلامتی انہیں اللہ کے نبی نے فراہم کی تھی، اس کی ناقدری کا مزہ چکھائیں۔ مسلمانوں کی فوج نکلی اور بنی نضیر کا محاصرہ کرکے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئی۔ یہود نے کئی دنوں تک اپنے حلیف عبد اللہ بن ابی یا بنی قریظہ کی مدد کا انتظار کیا، لیکن وہ نہیں آئے جیسا کہ بنی قینقاع کے معاملے میں ہوا۔ چھ راتوں کے محاصرہ اور انتظار کے بعد اس شرط کے ساتھ نکلنا قبول کیا کہ رسول ان کی جانیں بخش دیں۔

آپ نے انہیں سلامتی کے ساتھ مدینہ چھوڑنے اور جہاں چاہیں جانے کی اجازت دے دی، لیکن ان لوگوں نے نکلنے سے پہلے اپنے گھر تباہ کر دیے تاکہ اس سے مسلمان استفادہ نہ کریں۔ وہ خیبر کے علاقے کی طرف نکل گئے جب کہ کچھ لوگوں نے شام کی راہ لی۔ ان کے متعلق سورۂ حشر نازل ہوئی جس میں اللہ فرماتا ہے کہ اسی نے اپنے نبی کی خاطر ان سے انتقام لیا ہے اور آپ کے متعلق سازش کے نتیجے میں انہیں نکالا ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ ۚ مَا ظَنَنتُمْ أَن يَخْرُجُوا ۖ وَظَنُّوا أَنَّهُم مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُم مِّنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا ۖ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ۚ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ (2)﴾

ترجمہ: وہی ہے جس نے ان کافر کتابیوں کو ان کے گھروں سے نکالا، ان کے پہلے حشر کے لیے۔ تمہیں گمان نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے، تو اللہ کا حکم ان کے پاس آیا جہاں سے ان کا گمان بھی نہ تھا اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تو وہ اپنے گھروں کو ویران کرتے اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں، تو عبرت حاصل کرو اے نگاہ والو!

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سیرت کے واقعات میں اللہ کی موجودگی کا احساس ہمیشہ مسلمانوں کے لیے اطمینان کا باعث تھا۔ وہ علم و حکمت والا ہے، وہی حالات پیدا کرتا اور انہیں انجام تک پہنچاتا ہے۔ سورہ حشر کی ابتدائی آیات اہل کتاب یہود اور اللہ کے ذریعہ انہیں دی گئی سزا کے ذکر کے لیے خاص کی گئیں، لیکن اللہ نے منافقوں کے کردار کو بھی فراموش نہیں کیا اور اگلی آیتیں ان کے لیے خاص کی گئیں جو ان کے حلیفوں سے کہی باتوں کے کذب اور نفاق کو بتاتی ہیں:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (11) لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِن قُوتِلُوا لَا يَنصُرُونَهُمْ وَلَئِن نَّصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ (12)﴾

ترجمہ: کیا تم نے منافقوں کو نہ دیکھا کہ اپنے بھائیوں کافر کتابیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے بارے میں کبھی کسی کی نہ مانیں گے اور تم سے لڑائی ہوئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر ان کی مدد کی بھی تو ضرور پیٹھ پھیر بھاگیں گے پھر مدد نہ پائیں گے۔

بنی مصطلق کی سرکشی اور منافقوں کا کردار

مدینہ میں مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر رہے بنی مصطلق کی سرکشی کو لگام دینے کی غرض سے رسول کے نکلنے کے علاوہ اس اچانک پیش آنے والی جنگ پر روشنی ڈالنا اس لیے بھی اہم ہے کہ اس سے منافقین کی دھوکہ دہی اور اسلام اور مسلمانوں کو ان سے درپیش

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

خطرات کا ادراک بھی ہوتا ہے اور ان سب سے اہم دشمنوں سے نپٹنے کے متعلق رسول کا حکمت پر مبنی وژن ہے۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ جب رسول اللہ اپنے لوگوں کے ساتھ مدینہ کے باہر سرکشوں کے ایک گروہ کو لگام دینے کے لیے نکلے تو عبداللہ بن ابی آپ کے ساتھیوں میں شامل تھا اور اس کے ساتھ منافقین کی ایک جماعت تھی۔ جب رسول اللہ کے آدمی اس مقام پر پہنچے اور قبیلہ کا محاصرہ کر لیا تو پانی کے کنویں کو لے کر ایک مہاجر اور ایک انصاری کے بیچ اختلاف ہو گیا۔ جب دونوں میں اختلاف بڑھا تو پہلے نے اپنے لوگوں کو آواز دی، اے انصار! اور دوسرے نے کہا اے مہاجرین کی جماعت! قریب تھا کہ قبائلی عصبیت جس کے بارے میں سب سمجھتے تھے کہ ختم ہو گئی اور اب نہیں لوٹے گی پھر بھڑک اٹھے اور دونوں فریق ٹکرا جائیں۔ اسی وقت اللہ کے رسول نے غصہ کے ساتھ مداخلت کی اور فرمایا، یہ کیسی جاہلیت کی بات کر رہے ہو؟ جاہلیت کو چھوڑو، کیوں کہ وہ بری اور بدبودار ہے۔

رسول اکرم نے اس قبائلی پکار کو جاہلی پکار قرار دیا جسے اسلام نے جاہلی تہذیب کے باقی ماندہ اثرات کے طور پر دفن کر دیا تھا۔ اسے "بدبودار" بتایا جو کہ قابل توجہ ہے۔ اس بنیاد پر جو کچھ بھی اختلاف اور نزاع کا سبب بنے، خواہ وہ قبائلی عصبیت ہو، نسلی عصبیت ہو یا مسلمانوں کے بیچ امتیاز، سب بدبودار اور معیوب ہے۔

لیکن عبداللہ بن ابی نے اسے جاہلیت کی راکھ کریدنے اور زخم کھولنے کا موقع سمجھا اور اپنے ماننے والوں کو اکساتا رہا۔ کیا ان لوگوں نے یہ کیا؟ اس سے مراد مہاجرین تھے۔ پھر کہا کہ یہ ہمارے ہی شہر میں ہمارے اوپر غالب ہو گئے اور ہم پر برتری حاصل کر لی۔ پھر انصار سے مخاطب ہو کر کہا، یہ تم لوگوں نے خود کیا ہے، انہیں اپنے شہر میں ٹھہرایا، ان کے ساتھ اپنی دولتیں بانٹیں، بخدا اگر تم نے انہیں اپنی چیزیں نہ دی ہوتیں تو وہ دوسرے شہر چلے جاتے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اس اکسانے کا مقصد مسلمانوں کے خلاف سرکشی اور ان پر معاشی دباؤ ڈالنے کے لیے زکوۃ کی ادائیگی سے منع کرنا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی صفوں میں پھوٹ ڈال دیں اور ان کی وحدت کو کمزور کر دیں۔ پھر اس نے دھمکی دیتے ہوئے قسم کھائی کہ خدا کی قسم اگر ہم مدینہ لوٹ گئے تو طاقتور کمزور کو وہاں سے نکال دے گا۔ اس کی منشا یہ تھی کہ مدینہ سے رسول کو نکال دیں جو کہ وہاں عزت واکرام کے ساتھ تشریف لائے تھے۔

اسی وقت آیت کریمہ نازل ہوئی جو یہ بتاتی ہے کہ رسول کی عزت اور مسلمانوں کی عزت اللہ کی عزت سے ہے۔

﴿يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ (8)﴾

ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ لوٹ گئے تو طاقتور وہاں سے کمزور کو نکال دے گا اور غلبہ تو اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے، لیکن منافقین نہیں جانتے۔

عبد اللہ بن ابی نے اتنے پر بس نہیں کیا، بلکہ رسول اکرم کی شان میں بیہودہ باتیں کہیں جن سے اس کے کفر کا پتہ چل رہا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم جانتے تھے کہ وہ منافق ہے اور فاسقین میں سے ہے، شاید یہ بھی جانتے تھے کہ وہ کافر ہے۔

لیکن نبی اکرم نے جو صرف ظاہر پر حکم لگاتے ہیں اس کی تکفیر نہیں کی، چوں کہ راز کی باتیں تو علوم غیب سے ہیں اور ایمان کی جگہ دل میں ہوتی ہے جس کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا۔ اللہ کے رسول فرماتے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ظاہر پر حکم لگاؤں۔ مسلمانوں کے لیے اس میں بڑا اسبق ہے۔ کیوں کہ نبی اکرم کے اس موقف کی پیروی کا تقاضہ یہ ہے کہ اسلامی سماج کو ظلم وزیادتی اور غلو سے بچائے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جب عمر بن خطاب نے نبی اکرم کے ساتھ ہوئی بدسلوکی کے بارے میں سنا تو بہت زیادہ غضب ناک ہو گئے اور رسول اکرم سے درخواست کی کہ انہیں اس کے قتل کا حکم دیں، رسول اکرم نے انہیں عفو و درگذر کا حکم دیا اور فرمایا ہر گز نہیں اے عمر! کیسا لگے گا جب لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہے ہیں؟

دوسری طرف عبد اللہ بن عبد اللہ اپنے باپ کی بکواس سن کر رسول اللہ کے پاس آئے اور عرض کی۔ میں نے سنا ہے کہ آپ عبد اللہ بن ابی بن مسلول کے قتل کا حکم دے رہے ہیں۔ ان کی مراد اپنے والد سے تھی۔ اگر آپ ایسا کرنے والے ہیں تو مجھے حکم دیں، میں ان کا سر لے کر آپ کے پاس آؤں گا، کیوں کہ مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو گا کہ اپنے والد کے قاتل کو چلتا پھرتا دیکھوں، میں اس کا قتل کر دوں گا اور اس طرح ایک مسلمان کا قاتل ہو جاؤں گا اور جہنم میں چلا جاؤں گا۔ اللہ کے رسول نے جواب دیا، نہیں! انہیں چھوڑ دو، وہ جب تک ہمارے بیچ ہے، ہمیں اس کے ساتھ بہتر معاملہ کرنا چاہیے۔

جب سب لوگ مدینہ لوٹ رہے تھے تو عبد اللہ بن عبد اللہ آگے ہو گئے اور مدینہ کے پاس آ کر اپنے باپ کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ پہنچا تو عبد اللہ بن عبد اللہ نے اس کے سامنے تلوار لہرائی اور قسم کھا کر کہا کہ تم اس وقت تک مدینہ نہیں جا سکتے جب تک محمد ﷺ مدینہ میں داخل نہ ہو جائیں اور تمہیں جانے کی اجازت دید یں۔

باپ کی کمینگی کا بیٹے کی طرف سے یہ بہت زبردست رد عمل تھا۔ یہی ہوا کہ پہلے مدینہ میں سب سے باعزت شخص داخل ہوئے اور پھر عبد اللہ بن ابی منافق داخل ہوا۔

اپنے باپ کے تعلق سے عبد اللہ کا موقف یہ بتاتا ہے کہ مسلمان کس قدر اپنے رسول پر جان چھڑکتے تھے۔ وہ اپنے باپ کی گردن کاٹنے کو بھی تیار تھے اگر رسول اس کا حکم دے دیتے۔ یہ اس محبت کے جذبات کا اظہار تھا جس کا بیج اللہ کے رسول نے ان کے

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دلوں میں بویا تھا۔ لیکن اللہ کے رسول نے اس عظیم منافق کی ان تمام تر حرکتوں کے باوجود انہیں اس کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔

محمد ﷺ نے اس کی بڑی بڑی بدسلوکیوں کا جواب بھی احسان کے ذریعہ دیا اور احسان بھی کیسا! جب وہ موت کے قریب تھا تو اس کے بیٹے اللہ کے رسول کے پاس آئے اور اپنے باپ کے کفن کے واسطے آپ سے آپ کی قمیص مانگی اور اللہ کے رسول نے اسے قمیص دیدی۔ پھر آپ سے یہ درخواست کی کہ اس کی نماز جنازہ پڑھادیں، شاید اللہ اس کی مغفرت فرمادے۔ اللہ کے رسول اس کی نماز جنازہ پڑھانے کی غرض سے چلے بھی گئے۔ حضرت عمر نے عرض کی، یا رسول اللہ! کیا آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کون ہے! رسول اللہ نے جواب دیا کہ اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ (التوبة: 80)

ترجمہ: آپ ان کی معافی چاہیں یا نہ چاہیں، اگر آپ 70 بار ان کے لیے معافی چاہیں تو اللہ ہر گز انہیں نہیں بخشے گا۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے منکر ہوئے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

میں نے یہ سوچا ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھاؤں اور اس کے لیے 70 سے زائد مرتبہ دعائے مغفرت کروں۔

نبی اکرم کے موقف میں اللہ عزوجل کے حکم کی مخالفت نہ تھی، بلکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو عفو و درگذر اور رواداری کا سبق دینا تھا اور یہ مکارم اخلاق کا ایک اہم پہلو ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے عمر کے موقف کی تائید کی اور سورہ توبہ کو مکمل کرنے والے یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ﴾ (التوبة: 84)

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ترجمہ: ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ بے شک وہ اللہ ورسول سے منکر ہوئے اور فسق میں ہی مر گئے۔

خیر جو بھی ہو، بعض علما کا خیال ہے کہ کچھ مشرکوں پر رسول اللہ کے اس عمل کا بہت مثبت اثر ہوا، چنانچہ مدینہ میں اپنے سب سے بڑے دشمن عبد اللہ بن ابی کے ساتھ ان کے اخلاق ربانیہ کا مظاہرہ کرنے کے سبب قریب ایک ہزار مشرکین مسلمان ہو گئے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ساتویں فصل

غزوۂ خندق اور تاریخ کا نیا موڑ

غزوۂ خندق معرکۂ احزاب کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ معرکہ مسلح جنگ سے زیادہ ایمان و عزیمت کا معرکہ تھا۔ اس کے باوجود اس کے نتیجے میں تاریخ اسلامی کا رخ بدل گیا۔ مدینہ سے بنی نضیر کو دربدر کرنے کے بعد وہاں یہود میں بنو قریظہ کے علاوہ کوئی نہیں بچا۔ رسول کے ساتھ معاہدہ کے سبب انہیں مدینہ میں امن وسلامتی اور بقاے باہمی کی ضمانت حاصل تھی۔

لیکن جب بنی نضیر خیبر پہنچے تو وہاں کے یہودیوں نے ان کا بہادروں کا سا استقبال کیا۔ جزیرۂ عرب میں خیبر یہودیوں کا 'جمگھٹا' اور اس زمانے کی صہونیت کا مرکز بن گیا۔ بنو نضیر نے خیبر کے یہودیوں کے ساتھ مل کر ایک بڑا محاذ کھڑا کیا جس میں رسول کے مخالف مشرک قبائل اور قریش بھی شامل ہوئے۔ اس کا واضح مقصد مدینہ میں مسلمانوں پر کاری وار کرنا اور ان کا صفایا کرنا تھا۔

خیبر کے یہودیوں کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ ان کے قائدین کا ایک وفد مکہ بھیجا جائے۔ چنانچہ دو افراد بنی نضیر سے اور دو افراد بنی وائل سے بھیجے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ حیی بن اخطب، کنانہ بن ربیع بن ابی حقیق، ہوزہ بن قیس وائلی اور ابو عمار وائلی تھے۔ یہ لوگ اپنے شیطانی منصوبے کے ساتھ قریش کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ ہم محمد اور ان کے ماننے والوں کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے آپ کے ساتھ ہیں۔ قریش کو اس سے زیادہ کسی چیز کا

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

انتظار نہ تھا۔ چنانچہ ابوسفیان نے ان کا یہ کہہ کر خیر مقدم کیا: خوش آمدید! مرحبا! ہمیں سب سے زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو محمد کی دشمنی میں ہمارے مددگار بنیں[1]۔

قریش کے ایک سردار نے پوچھا: اے یہودیوں کی جماعت! آپ لوگ پہلی آسمانی کتاب والے ہو اور جس سلسلہ میں ہمارا اور محمد کا اختلاف ہے وہ تم جانتے ہو۔ ہمیں بتاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا ان کا؟[2] یہودیوں سے کیے گئے قریش کے اس جاہلانہ سوال سے واضح ہے کہ وہ اپنے بت پرستی کے عقیدے میں شک کا شکار تھے، لیکن یہودیوں سے کس رائے کی توقع تھی؟ کیا وہ حق بول سکتے تھے جبکہ خود اس کے منکر تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے کہا، نہیں تمہارا دین بہتر ہے اور ان کے مقابلے تم حق پر ہو! توحید پرست یہودیوں کے اعتقاد یا فکر کے مطابق جو ایسے دین کے ماننے والے تھے جو خدائے یکتا کی دعوت دیتا ہے اور شرک و گناہ اور بری باتوں سے روکتا ہے، بت پرست لوگ اللہ کے نزدیک کیسے افضل ہو سکتے ہیں، لیکن یہودیوں سے اس کے علاوہ توقع بھی کیا ہو سکتی تھی؟ ان کی کھلی گمراہی اور زمین پر فساد پھیلانے کی طینت نے انہیں اللہ کے دین کا انکار کرنے پر آمادہ کیا اور انہوں نے بت پرست مشرکوں کو مسلمانوں پر فضیلت دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں اپنا فیصلہ ضرور سناتا ہے اور ان پر بار بار لعنتیں بھیجتا ہے۔ چنانچہ سورہ النساء کی یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا (51) أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا (52)﴾ (النساء: 51-52)

---

[1] الواقدی، مرجع سابق، ج1، ص379۔ مزید دیکھیں: ابن ہشام، مرجع سابق، ص185

[2] الواقدی، مرجع سابق، ج1، ص ج1، ص380۔ مزید دیکھیں: دویدار، ج3، مرجع سابق، ص418

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ترجمہ: کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا جو ایمان رکھتے ہیں بت اور شیطان پر اور کافروں سے کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ ہدایت پر ہیں۔ یہ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جنہیں خدا لعنت کرے تو ہر گز اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔

ہوا یوں کہ قبائل کا ایک بڑا محاذ بن گیا۔ اس منصوبے میں مشرکوں کے چار اہم قبائل قبیلۂ غطفان، بنو فزارہ، بنو مرہ اور اشجع قریش کے ساتھ ہو گئے[1]۔ ہجرت کے پانچویں سال کے شروع میں ان مشرک اور یہودی قبائل میں اتحاد ہو گیا جو بعد میں "تحالف الاحزاب" (قبائل کا اتحاد) سے مشہور ہوا۔ ان لوگوں نے معاہدہ کیا کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کیے بغیر اور روئے زمین سے اسلام کو مٹائے بغیر مدینہ سے نہیں لوٹیں گے۔

ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں دس ہزار جنگجوؤں پر مشتمل فوج مدینہ کے لیے نکلی۔ اس فوج کو دس روز کے اندر مکہ اور مدینہ کے بیچ کی چار سو کلومیٹر کی مسافت طے کرنی تھی۔

جب مسلمانوں کو اس لشکر جرار کے نکلنے کے بارے میں پتہ چلا تو انہوں نے اپنی فوج تیار کی جس میں تین ہزار سے زیادہ افراد نہ تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تعداد کا اتنا بڑا تفاوت مسلمانوں کے لیے خوف اور تشویش کا باعث تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے سلمان فارسی کی تجویز کے مطابق مدینہ کے ارد گرد کھلے ہوئے علاقے میں ایک خندق کھودی گئی جس کی لمبائی تقریباً چھ کلومیٹر، گہرائی چار میٹر اور چوڑائی چار میٹر تھی۔ اس دفاعی منصوبے کو دشمنوں کے پہنچنے سے قبل یعنی دس دنوں کے اندر مکمل کرنا ضروری تھا۔

مشہور ہے کہ مدینہ قریب قریب فطری رکاوٹوں اور آتش فشاں چوٹیوں سے گھرا ہوا ہے جو اسے ایک سے زیادہ سمتوں سے تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ مثلاً اونٹ یا گھوڑے ادھر سے نہیں گزر سکتے اور مدینہ میں صرف اسی سمت سے داخل ہونا ممکن ہے جو

---

[1] السباعی، مرجع سابق، ص88

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جبل احد کے متوازی ہے۔ مسلمان رات دن بے مثال محنت کر رہے تھے۔ وہ اپنے ہاتھوں اور دستیاب معمولی اوزاروں سے خندق کھودتے۔ رسول ﷺ خود اس کام میں شریک ہوتے اور ریت اور چٹان ڈھوتے اور اسی طرح سارے صحابہ کرتے۔ عمر بن خطاب اپنے کپڑے میں ریت اور پتھر ڈھوتے کیوں کہ انہیں ڈھونے کے لیے اسباب دستیاب نہ تھے۔ یاد رہے کہ عمر زمانہ جاہلیت میں کوئی معمولی پتھر بھی نہ اٹھا سکتے تھے اگر چہ اس کے عوض انہیں پورے جزیرۂ عرب کا سونا دیدیا جائے۔ لیکن اب وہی عمر نبی اکرم کی تربیت کے طفیل تواضع اور قربانی کی علامت بن گئے۔

جنگجو فوج کے پہنچنے کے ساتھ ہی خندق کی کھدائی بھی پوری ہو گئی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ بہت بڑا حیرت انگیز کارنامہ تھا۔ جب احزاب کی فوج مدینہ پہنچی تو اس نے اپنے سامنے خندق پایا جو اس کے قائدین کے لیے بڑی حیرت اور پس و پیش کا سبب بن گئی جس سے لشکر جرار کا راست حملہ رک گیا۔ جب کہ ان کے غلبے کا دارومدار، جیسا کہ مشہور ہے، دو بنیادی عوامل یعنی کثرت تعداد اور تیز حملے پر تھا۔

چنانچہ صفایا کرنے والا حملہ ممکن نہ ہو سکا۔ ان کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اور جلد نیست و نابود کرنے اور غلبہ حاصل کرنے کی آرزو، آرزو ہی رہ گئی۔ ان کے بڑے منصوبے کے ناکام ہونے کے ساتھ ہی عاجزی اور اندیشوں نے ان کے حوصلوں کو ڈگمگا دیا۔ جیسا کہ ہم نے غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں دیکھا، اس زمانے میں جنگوں کو شکست یا فتح کے انجام تک پہنچنے میں ایک یا دو دن سے زیادہ نہیں لگتے تھے۔ جب کبھی جنگ اس سے زیادہ وقت تک ہوتی تو نئے عوامل اثر انداز ہو جاتے اور پھر اس کے نتائج پورے طور پر نا معلوم ہوتے۔

اس موقع پر اندازہ ہوتا ہے کہ سلمان فارسی کی آمد ایک سوچا سمجھا قدرتی فیصلہ تھی۔ کیوں کہ حقیقت کی تلاش بسیار اور انتھک کوششوں کے بعد اللہ نے انہیں رسول

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سے ملنے اور ان کے ہاتھ پر اسلام لانے کے لیے اسی مہم کی خاطر بھیجا تھا۔ عرب کے نزدیک خندق کے استعمال کا تصور نہیں تھا، لیکن اہل فارس کے نزدیک اس کا استعمال دفاع کے مشہور ذرائع میں سے تھا۔

جب مشرکین اور یہودی سمجھ گئے کہ حملہ کرنا ممکن نہیں ہے تو وہ خندق کے ارد گرد ٹھہر گئے۔ ان کی فوج مدینہ میں داخل ہونے کا راستہ ڈھونڈنے لگی اور وقفہ وقفہ سے فریقین کے بیچ تیروں کی جھڑپ ہونے لگی۔ سچائی یہ ہے کہ دشمنوں کی فوج کو روک دینے کے باوجود مدینہ میں سکون کا ماحول نہیں تھا اور اس کا سبب مسلمانوں کا خوف تھا۔ دشمنوں کی فوج کے مقابلے میں ان کی قلت تعداد کے علاوہ اپنے نبی اور دین، پھر اہل خانہ اور بچوں پر موت اور ذلت کا خوف منڈ لانے کے سبب بہت سے مسلمان بہت تشویش میں تھے۔ اس زمانے میں جنگ کے قیدیوں کو غلام بنا کر بیچ دیا جاتا تھا۔ تشویش کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ خوردنی اشیا کا ذخیرہ کم تھا اور لوگ بھوکے تھے۔

دوسری طرف وقفہ وقفہ کی جھڑپ کے باوجود دشمنوں کے تین جنگجو مدینہ کے اندر گھسنے میں کامیاب ہوگئے۔ ان میں قریش کے دو تاریخی گھوڑ سوار تھے، ایک عمرو بن عبدود جس سے سب گھبراتے تھے اور دوسرا عکرمہ بن ابو جہل۔ میدان میں داخل ہونے کے ساتھ ہی وہ اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے لگا اور دعوت مبارزت دینے لگا۔ جب مسلمانوں کی طرف سے مقابلہ کے لیے نکلنے میں تاخیر ہوئی تو استہزاء کرتے ہوئے چلانے لگا: کیوں ڈر گئے؟ کہاں ہے تمہاری جنت جس کی تم لوگ بات کرتے ہو؟ کیا تم لوگ جنت میں نہیں جانا چاہتے؟ آؤ میں تمہیں جنت میں بھیج دوں! جب کوئی آگے نہیں آیا تو علی ابن ابی طالب آگے بڑھے اور اس کے مقابلے کے لیے نکل پڑے۔ جب عمرو نے علی کو مقابلہ کے لیے بڑھتا ہوا دیکھا تو اس بیس سالہ جوان کو ہلکے میں لیا کہ وہ قریش کے ایسے گھوڑ سوار سے مقابلے کی جرأت کیسے کر رہا ہے جو ایک ہزار جوانوں کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

علی نے اس سے کہا: اے عمرو! تو نے اللہ سے معاہدہ کیا ہے کہ قریش کا کوئی شخص تمہیں کسی دو چیز میں سے ایک اختیار کرنے کو کہے گا تو تم اسے قبول کر لوگے۔ عمرو نے کہا، ہاں! علی نے کہا کہ میں تمہیں اللہ، اس کے رسول اور اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ عمرو نے جواب دیا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ علی نے اس کے جواب میں کہا: پھر میں تمہیں مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔ یہاں تربیت محمدی کا اثر نظر آتا ہے۔ وہ نوجوان جو اس بھیانک گھوڑ سوار کے سامنے اس کے پوتے کی طرح دکھ رہا تھا، اس کے سامنے کھڑے ہو کر پوری ثابت قدمی اور اعتماد کے ساتھ اسے اسلام کی دعوت دیتا ہے اور جب وہ انکار کرتا ہے تو پورے اطمینان کے ساتھ اعصاب پر قابو رکھتے ہوئے اسے مقابلے کی دعوت دیتا ہے۔

عمرو ان کے والد ابو طالب کا دوست تھا۔ چنانچہ ان سے بولا، بخدا میں تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتا۔ علی نے اس کے جواب میں کہا، لیکن بخدا میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے چیلنج سے وہ غصہ میں آگیا اور گھوڑے سے اتر کر اسے ذبح کر دیا۔ اس کا مقصد اس بات کا اظہار تھا کہ وہ تادم مرگ لڑنے کے لیے پر عزم ہے[1]۔ علی اس بھیانک منظر سے نہیں گھبرائے اور اعصاب پر قابو کیے مطمئن رہے۔ ایمان واعتماد سے بھرپور اس جوان اور کبر وغضب سے بھرپور اس بھاری بھرکم مشرک کے بیچ مقابلہ ہوا۔ سب کو علی کی جان کا اندیشہ تھا۔ لیکن شروعاتی کچھ راؤنڈ کے بعد ہی عمرو ہلاک ہو کر گر گیا۔ مسلمانوں نے اس انداز سے تکبیر و تہلیل کی صدا بلند کی گویا انہیں اپنے دیکھے پر یقین ہی نہ ہو۔ اس کے گرنے کے ساتھ ہی قریش کی جاہلیت اور کبریائی کا ایک قلعہ زمین بوس ہو گیا اور بقیہ نے بھاگنے کی کوشش کی، جنہیں صحابہ نے دھر لیا اور ایک کو قتل کر دیا جب کہ مسلمانوں کا دوسرا دشمن عکرمہ بن ابو جہل بچ گیا۔ اس غیر متوقع نتیجہ کا گمان بھی نہیں تھا۔ قریش کی بری

---

[1] ابن ہشام، مرجع سابق، ص 193

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

شروعات مسلمانوں کے لیے بڑی اعصابی جیت ثابت ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد دشمنوں نے دس ہزار درہم کے عوض عمرو کی نعش مانگی۔ اللہ کے رسول نے جواب دیا۔ تم یوں ہی لے لو، ہم مردوں کی قیمت نہیں کھاتے! ان لوگوں نے سوچا کہ مسلمان اپنے مشکل حالات میں اس قسم کی معمولی پیش کش قبول کرلیں گے لیکن اللہ کے رسول نے انہیں شرافت اور عزت نفس کا سبق دیا۔

ایک اور دھوکہ

ٹھیک اسی بیچ ایک بڑی بغاوت ہوئی۔ لگتا ہے کہ مصیبتیں کبھی تنہا نہیں آتیں۔ بنو قریظہ کے یہود کی خیانت اور رسول اکرم کے ساتھ پرامن بقائے باہم کے معاہدے سے الگ ہونے کی خبر پھیل گئی۔ ان لوگوں نے دشمنوں کے ساتھ اتحاد کا اعلان کردیا جس سے مدینہ میں مسلمانوں کے لیے حقیقی خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس واقعہ نے مدینہ کے دفاع میں بڑی سیندھ لگادی۔

قابل توجہ ہے کہ جب حیی بن اخطب جو مسلم دشمنی کے لیے مشہور خیبر کے یہودیوں میں سے تھا، بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد قرظی کے پاس دشمن کی فوج کے ساتھ اتحاد کے لیے بات کرنے کی غرض سے پہنچا تو کعب بن اسد نے شروع میں یہ کہہ کر منع کردیا کہ میں نے محمد کے ساتھ معاہدہ کر رکھا ہے اور یہ معاہدہ میں نہیں توڑ سکتا کیوں کہ میں نے ان میں ہمیشہ صداقت اور وفاداری دیکھی ہے۔ حیی بن اخطب نے جواب دیا۔ افسوس ہے تم پر اے کعب! میں تمہارے پاس دائمی عزت لے کر آیا ہوں۔ میں قریش و غطفان کو لایا ہوں۔ ان لوگوں نے مجھ سے عہد و پیمان کیا ہے کہ جب تک محمد اور اس کے ماننے والوں کو ختم نہیں کردیتے، یہاں سے نہیں جائیں گے۔ کعب نے جواب دیا، قسم خدا کی تم دائمی ذلت لے کر آئے ہو۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو! لیکن جب اس نے وعدہ کیا کہ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اگر قریش اور غطفان پیچھے ہٹ گئے اور محمد پر غلبہ حاصل نہیں کر سکے تو میں تمہارے ساتھ تمہارے قلعہ میں آجاؤں گا اور تمہاری مصیبت میں تمہارا ساتھ دوں گا، تب کعب بن اسد حیی بن اخطب کے ورغلانے میں آگیا اور مسلمانوں سے معاہدہ ختم کرنے اور دشمنوں کے ساتھ اتحاد کا اعلان کر دیا[1]۔

اس طرح اس بات کے صریح اعتراف کے باوجود کہ ان لوگوں نے ہمیشہ محمد ﷺ کو راست گو اور وعدہ کا پابند پایا خود ان کے ساتھ معاہدہ کی پابندی نہیں کی، بلکہ معاہدوں کی دھجیاں اڑا دیں اور دستور مدینہ کو پھاڑ دیا جس نے انہیں امن و سکون کی ضمانت دے رکھی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ دستور مدینہ کی ایک دفعہ مدینہ کے کسی بھی حصہ کو دشمنوں سے خطرہ لاحق ہونے کی صورت میں اس کے مشترکہ دفاع کی صراحت کرتی ہے، ان لوگوں نے پر امن بقائے باہمی کے معاہدہ کو توڑا جس نے انہیں مدینہ کا باعزت اور پر امن باشندہ بنایا تھا اور اس طرح بڑی خیانت کا ارتکاب کیا جس کی انہیں بعد میں مہنگی قیمت چکانی پڑی۔ وہ بہت اچھے سے جانتے تھے کہ بنی نضیر اور ان سے پہلے بنی قینقاع کا کیا انجام ہوا۔ جس کسی نے بھی مسلمانوں کے ساتھ برا کرنے کی کوشش کی، اس کے لیے بالآخر حکم الٰہی کے آگے خود سپردگی کرنے اور قیمت چکانے کے علاوہ کوئی راستہ نہ بچا۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جب اللہ کے رسول نے بنی قریظہ کی خیانت کے بارے میں سنا تو آپ کو برا لگا اور یہودیوں کے فیصلے سے پریشان ہوئے۔ آپ نے ان کے پاس ان کے پرانے دوست سعد بن معاذ کو بھیجا تاکہ وہ انہیں اس فیصلے سے باز آنے کے لیے آمادہ کریں۔ وہ ان کے پاس پہنچے اور انہیں رسول اللہ کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ یاد دلایا۔ انہیں وہ امن و سکون کا ماحول یاد دلایا جو مدینہ میں میسر تھا اور ایسا کچھ بھی کرنے سے منع کیا جس سے مسلمان خطرے میں پڑ جائیں۔ لیکن سعد نے انہیں اپنے فیصلہ پر ثابت قدم اور

[1] ابن ہشام، مرجع سابق، ص190۔ مزید دیکھیں: الجزائری، مرجع سابق، ص199

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جنگ کی تیاری کرتے ہوئے پایا۔ مزید یہ کہ ان کے ساتھ برے طریقے سے پیش آئے اور کہا کہ ہماراان سے کوئی معاہدہ نہیں ہے۔

یقیناً یہودیوں سے اس بات کی توقع نہ تھی کہ وہ مدینہ کے دفاع میں شریک ہوں گے۔ ان سے ایسا کرنے کو کہا بھی نہیں گیا، حالاں کہ دستور مدینہ کی ایک دفعہ کے مطابق وہ اس کے لیے پابند تھے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، لیکن ان کا محض الگ تھلگ رہنا بھی ان حالات میں مسلمانوں کے لیے سود مند ہو سکتا تھا۔ مگر عہد و پیمان سے مکر جانا یہودیوں کی فطرت ہے۔

اس طرح رسول اکرم کے ساتھ ان لوگوں کے معاہدہ ختم کر لینے سے مسلمانوں کے دفاع میں ایک سیندھ لگ گئی، کیوں کہ جنگی طاقتیں بنی قریظہ کے علاقے سے مدینہ میں داخل ہو سکتی تھیں۔ ان لوگوں نے مشرکین کے لشکر کو غذا اور رسد پہنچانا شروع کر دیا جس کا کچھ حصہ مسلمانوں نے لوٹ بھی لیا۔

یہود کی جانب سے قانونی اور اخلاقی معاہدے کے انکار نے مسلمانوں کا اندیشہ مزید بڑھا دیا، صورت حال بہت پریشان کن ہو گئی اور آزمائش بڑھ گئی، یہاں تک کہ ابو بکر نے اس وقت کہا کہ ہمیں مدینہ میں اپنی اولاد اور اہل خانہ کے تعلق سے قریش کے مقابلے بنی قریظہ سے زیادہ ڈر تھا۔ مسلمانوں کے سامنے شرکی قوتوں کا اکٹھا مقابلہ کرنے کے سوائے کوئی چارہ نہیں بچا، لیکن اس سے پہلے ان کے لیے یہ ضروری تھا کہ تجربہ کے عمل سے گزریں۔ اس صورت حال کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں اس طرح بیان کیا ہے۔ ﴿إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا (10) هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا (11)﴾

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ترجمہ: جب کافر تم پر آئے تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے اور جب ٹھٹک کر رہ گئی نگاہیں اور دل حلق کے پاس آگئے اور تم اللہ پر طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی سختی سے آزمائش ہوئی اور خوب جھنجھوڑے گئے۔

سچ مچ وہ ان پر اوپر اور نیچے سے آگئے تھے اور مسلمانوں کو ہر جانب سے گھیر لیا تھا۔ ہم یاد دلادیں کہ قریش کی فوج کی تعداد مدینہ کے تمام باشندوں اور اس کی فوج سے متجاوز تھی۔ اگر خندق نہ ہوتی اور وہ منصوبے کے مطابق راست حملہ کرنے میں کامیاب ہوجاتے تو کاری ضرب لگاسکتے تھے جس کے نتیجے میں پورا مدینہ ہلاک ہوجاتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آخر کار اللہ عزوجل اپنے رسول اور ان کے ماننے والوں کی حفاظت فرماتا ہے کیوں کہ اس نے اپنے رسول کو شکست کھانے یا ذلیل ہونے کے لیے نہیں بھیجا تھا اور مسلمانوں کو ہلاک ہونے کے لیے نہیں پیدا فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس طرح اطمینان دلاتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ مومنوں کے خلاف کافروں کے لیے کوئی راہ نہ نکالے گا"۔ لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ وہ محض مسلمان نہ ہوں، بلکہ سچے پکے مومن ہوں۔ مسلمان اور مومن ہونے میں بہت فرق ہے۔

اللہ کے رسول اس لیے تشریف لائے کہ مومنوں پر رسالت آسمانی کا بوجھ ڈالیں، اس لیے ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ بوجھ سنبھالنے کے لائق ہوں اور یہ بوجھ صرف مومن ہی اٹھاسکتے ہیں، نام کے مسلم نہیں۔ اس لیے اس سوچی سمجھی آزمائش سے گزرنا ان کے لیے ضروری تھا گویا وہ تبدیلی کے لیے لازمی راستہ ہو تاکہ مسلمانوں کے دل پاک صاف ہوجائیں اور ایمان کی اس حالت کو پہنچ جائیں جو اللہ ان کے لیے پسند فرماتا ہے۔

فریقین کے بیچ تیر اندازی کے علاوہ حقیقی مقابلہ نہیں ہوا۔ صورت حال کسی ایسے امر کے انتظار میں تھی جو واقعات اور نتائج کا رخ بدل دے۔ یہ اعصاب کا معرکہ تھا۔ مشرکین کے پاس لشکر جرار تھا لیکن ان کے پاس ایمان نہ تھا جس پر بھروسہ کرتے اور کوئی

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

شک نہیں کہ مسلمانوں کو اللہ کی ذات سے امید تھی اور اس بات کا یقین تھا کہ اللہ انہیں ہر گز رسوا نہیں کرے گا جو اس کے رسول اکرم کی مدد کے لیے جنگ کریں اور شہید ہوں۔

اسی بیچ صحابی رسول سعد بن معاذ کو ایک تیر سے بہت گہرا زخم لگا۔ حالت بہت نازک تھی۔ انہوں نے اپنی مشہور دعا کی، اے اللہ! اگر قریش کی جنگ بچی ہوئی ہے تو مجھے اس کے لیے باقی رکھ کیوں کہ جہاد کرنے کے لیے مجھے اس قوم سے زیادہ پسندیدہ کوئی قوم نہیں جس نے تمہارے رسول کو اذیت دی، انہیں جھٹلایا اور وطن سے نکال دیا۔ اے اللہ اگر ہمارے اور ان کے بیچ یہ جنگ آخری ہے تو مجھے شہادت عطا فرما، تاہم مجھے اس وقت تک موت نہ دے جب تک بنی قریظہ سے میری آنکھ ٹھنڈی نہ ہو جائے[1]۔

اللہ تعالیٰ سعد بن معاذ کی موت سے پہلے ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔ بنی قریظہ کو مسلمانوں سے خیانت کی سزا ملتی ہے اور سعد بن معاذ ان کے قاضی مقرر ہوتے ہیں۔ خندق میں مسلمانوں کی فتح کے بعد قریش کے ساتھ کوئی دوسری جنگ نہیں ہوئی اور اس جھٹکے کے بعد مدینہ پر پھر کبھی چڑھائی نہیں ہوئی۔

سیاسی عوامل کا دخل

دشمنوں کی صفوں میں پھوٹ ڈالنے کی گنجائش تلاش کرنے کے مقصد سے اللہ کے رسول نے قریش کے سب سے بڑے اتحادی قبیلہ، قبیلۂ غطفان کو ان سے علاحدہ کرنے کے بارے میں سوچا۔ آپ نے سوچا کہ قریش سے اتحاد ختم کرنے اور اپنے گھر لوٹ جانے کے عوض انہیں مدینہ کی کھجور کی پیداوار کا نصف دینے کا معاہدہ کر لیں۔ اس طرح دشمنوں کے محاذ کو کمزور کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے یہ تجویز صحابہ کے سامنے رکھی۔ ان میں سعد بن معاذ بھی تھے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا یہ ایسی بات ہے جو آپ کو اچھی لگی اور آپ

[1] الجزائری، مرجع سابق، ص201

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نے ہمارے سامنے پیش فرمائی یا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے جس کی پیروی کے علاوہ ہمارے پاس چارہ نہیں؟

اللہ کے رسول نے جواب دیا: نہیں یہ میری رائے ہے۔ اور بخدا میں ایسا اس لیے سوچ رہا ہوں کیوں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اہل عرب ایک ہی کمان سے یعنی متحد ہو کر تم پر تیراندازی کر رہے ہیں اور ہر طرف سے تم پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ اس لیے میں نے سوچا کہ اس اتحاد کو توڑ دوں۔ سعد بن معاذ نے عرض کی یا رسول اللہ جب ہم اور یہ لوگ شرک اور بتوں کی پرستش میں ملوث تھے تب یہ لوگ ایک کھجور بھی کھانے کی خواہش نہیں پال سکتے تھے۔ اب جب کہ اللہ نے ہمیں اسلام کی عزت بخشی، ہمیں اپنی راہ دکھائی، آپ کے ذریعے اور اس دین کے ذریعے عزت بخشی تو ہم انہیں اپنے مال دیں۔ خدا کی قسم ہم انہیں تلوار کے علاوہ کچھ نہ دیں گے یہاں تک کہ اللہ ہمارا اور ان کا فیصلہ کردے[1]۔

رسول اکرم خود فیصلہ کر سکتے تھے اور اس کے نفاذ کو معترض ہوتے ہوئے کوئی نہیں روک سکتا تھا بلکہ وہ اپنے قائد کے احکام کو خوشی خوشی نافذ کرتے، لیکن رسول اکرم خود سر حاکم نہ تھے، بلکہ اس کے بالکل برعکس استبداد اور من مانی کو روکتے اور اہل استبداد اور من مانی کرنے والوں کو ناپسند فرماتے تھے اور اسی لیے آپ نے اپنے صحابہ کی رائے قبول فرمائی۔ اس رمزیہ قصہ میں جو چیز قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ جنگ اور امن ہر حال میں اسلام میں باہمی مشورہ کو مرکزی اہمیت حاصل ہے جس کا خود رسول اللہ بھی التزام کرتے تھے۔

اس بیچ تقدیر الٰہی نے نعیم بن مسعود غطفانی کو، جو کہ قریش کے حلیف قبیلہ غطفان کے عقلمندوں اور صاحب بصیرت لوگوں میں سے تھے، اللہ کے رسول کے پاس پہنچادیا۔ آپ کے پاس پہنچ کر انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں مسلمان ہو چکا ہوں، لیکن میری قوم کو میرے اسلام لانے کی خبر نہیں ہے۔ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں۔ اللہ کے

---

[1] الواقدی، مرجع سابق، ج1، ص407

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

رسول نے فرمایا: تم ہمارے آدمی ہو۔ اگر تم سے بن پڑے تو ہمارے لیے قریش کے ساتھ معاونت سے دست بردار ہو جاؤ، کیوں کہ جنگ میں دھوکہ جائز ہے۔

نعیم بن مسعود رسول اکرم کی بات سن کر اپنے حصے کا کام کرنے نکل پڑے اور بحیثیت فرد اتحادیوں کی صفوں میں پھوٹ ڈالنے میں ان کا بڑا رول رہا۔ وہ سب سے پہلے بنی قریظہ کے پاس گئے۔ اس قبیلے کے ساتھ ان کا قدیم رشتہ تھا۔ انہوں نے کہا: اے بنی قریظہ! تم جانتے ہو کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں اور تمہارے ساتھ میرا کتنا خاص رشتہ ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہاں ہم جانتے ہیں۔ نعیم بن مسعود نے کہا کہ قریش اور غطفان تمہاری طرح نہیں ہیں۔ مدینہ تمہارا شہر ہے، یہاں تمہاری جائدادیں ہیں، بال بچے ہیں، تم انہیں چھوڑ کر کہیں اور نہیں جاسکتے۔ قریش اور غطفان محمد اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کرنے آئے ہیں جن کی تم محمد کے خلاف مدد کر رہے ہو۔ یہ ان کا شہر نہیں ہے اور ان کے بال بچے یہاں نہیں ہیں۔ اگر انہیں موقع ملا تو اسے بھنائیں گے ورنہ اپنے شہر لوٹ جائیں گے۔ تمہیں اور محمد کو چھوڑ جائیں گے اور تم تنہا ان کا مقابلہ نہیں کرپاؤ گے۔

وہ ان کی رائے سے مطمئن ہوئے اور مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے کہا کہ تمہارے لیے میری تجویز یہ ہے کہ ان کے ساتھ مل کر جنگ نہ کرو جب تک ان کے چنندہ افراد کو اپنے پاس گروی نہ رکھ لو، وہ تمہارے ساتھ تب تک رہیں جب تک تم مسلمانوں پر غالب نہ آجاؤ۔ ان لوگوں نے کہا کہ آپ نے بالکل درست مشورہ دیا ہے۔ نعیم بن مسعود نے ان سے رازداری برتنے کو کہا اور انہوں نے اس کا وعدہ کیا۔

پھر وہ قریش کے پاس گئے اور ابو سفیان سے ملے۔ اس کے ساتھ سرداران قریش تھے۔ نعیم بن مسعود نے کہا آپ اپنے تئیں میری محبت اور محمد کے بارے میں میرے موقف سے واقف ہیں۔ ان لوگوں نے کہا ہاں! نعیم نے کہا کہ مجھے ایک بات معلوم ہوئی ہے تو میں نے آپ کی خیر خواہی میں آپ کو بتانا اپنا فرض سمجھا۔ آپ رازداری برتیں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پھر کہا کہ یہود محمد کے ساتھ اپنے عہد وپیمان توڑنے پر شرمندہ ہیں۔ انہوں نے ان کے پاس اپنے کیے پر ندامت کا اظہار کرنے کے لیے آدمی بھیجا ہے اور ان سے کہا ہے کہ اگر ہم قریش اور غطفان کے چنندہ اشراف کو آپ کے سپرد کریں تاکہ آپ ان کی گردن اڑادیں پھر ہم آپ کے ساتھ باقی ماندہ لوگوں سے جنگ کریں یہاں تک کہ انہیں شکست دیدیں تو آپ ہم سے راضی ہوجائیں گے اور ہم پرانے عہد وپیمان پر لوٹ آئیں گے؟ محمد نے اس بات پر ان سے حامی بھرلی ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ میری نصیحت ہے کہ اگر یہود آپ سے اپنے آدمی گروی رکھنے کو کہیں تو ایک آدمی بھی ان کے پاس نہ بھیجیں۔ ان لوگوں نے اس بات پر شکریہ ادا کیا۔ اب وہ قریش کے اتحادی اور اپنے قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور ان سے وہی کہا جو قریش سے کہا تھا چونکہ وہ اسی قبیلے سے تھے اس لیے ان کے پاس ان کی تصدیق کے علاوہ چارہ نہ تھا۔

ہوا بھی یہی کہ قریش کے سپہ سالار ابوسفیان نے بنی قریظہ کے پاس اگلے دن فیصلہ کن جنگ چھیڑنے کی تیاری کرنے کے لیے اپنا قاصد بھیجا۔ تاریخ اس بارے میں خاموش ہے کہ وہ کس طرح فیصلہ کن جنگ چھیڑنا چاہتا تھا۔ اتفاق سے اگلا دن سنیچر کا تھا۔ چنانچہ بنی قریظہ کے یہود نے جواب دیا کہ پہلی بات تو یہ کہ ہم تمہارے ساتھ سنیچر کو جنگ میں شرکت نہیں کریں گے اور دوسری یہ کہ ہم تب تک جنگ نہ کریں گے جب تک تم اپنے کچھ آدمی ہمارے پاس گروی نہ رکھ دو تاکہ اگر تم ناکام ہوجاؤ تو اس شخص کے مقابلے کے لیے ہمیں تنہا نہ چھوڑ سکو[1]۔ قریش نے یہ پیش کش پوری طرح ٹھکرادی اور آخر کار نعیم بن مسعود کی کوشش کامیاب ہوئی اور دشمنوں کی صفوں میں زبردست پھوٹ پڑ گئی۔

---

[1] ابن ہشام، مرجع سابق، ص 197-198

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

رسول کی گریہ وزاری

جتنی بڑی آزمائش ہوتی ہے اس میں اتنا ہی بڑا اسبق بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔ سیرت نبوی ہمیں بتاتی ہے کہ آزمائش کی گہرائی سے ایمان کا درخت اگتا ہے جو صالحین کے دلوں کو روشن کرتا ہے۔ چنانچہ مسلمان اگر فتح اور مدد چاہیں تو ضروری ہے کہ سچے مومن بنیں، صرف مسلمان ہونا کافی نہیں اور اللہ کی رضا کے مطابق ایمان مطلق اور توحید تک رسائی کے لیے خود کو پاکیزہ کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ قرآن تاکید فرماتا ہے: ﴿وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ یعنی اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

خندق کی آزمائش تاریخ نبوی میں سب سے بڑی آزمائش ثابت ہوئی۔ یہاں معاملہ معرکہ اُحد سے بڑھا ہوا اور زیادہ پیچیدہ تھا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ اس آزمائش کا ایک مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر غیبت اور چغلی کرنے والے خبیث منافق اور مومن ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعہَ خندق ایک بہت بڑے زلزلے کی مانند آیا تاکہ مسلمانوں کو پاک صاف کردے اور وہ ایسے خالص مومن ہو جائیں جیسا ان کا رب چاہتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ کسی قیمتی دھات کو آگ پر پگھلا کر اس میں لگے میل اور غیر خالص اجزا اسے الگ کیا جاتا ہے۔

اللہ کے رسول واقعات کا بہت گہرائی سے مشاہدہ کر رہے تھے اور آپ کا دل رحمت الٰہی کے انتظار میں آسمان سے لگا ہوا تھا۔ آپ اپنے لوگوں کے حوصلے بڑھا رہے تھے اور ان کے دلوں کو امید کی غذا فراہم کر رہے تھے تاکہ وہ اس بڑی آزمائش سے گزر جائیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے مدد کے بغیر ممکن نہ تھا۔ آپ اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا کر رہے تھے۔ اے رب ہمارے، کتاب نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے! دشمنوں کو شکست دے! اے اللہ! انہیں شکست دے اور ہلادے۔ قابل توجہ ہے کہ سختی اور آزمائش کی اس گھڑی میں بھی اللہ کے رسول اپنے ماننے والوں کو آکر بشارت

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دیتے اور فرماتے ہیں قسم خدا کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، وہ تمہاری سختی کو ضرور دور فرمائے گا اور مجھے امید ہے کہ میں بے خوف و خطر خانۂ کعبہ کا طواف کروں گا۔ مجھے اللہ کعبہ کی کنجیاں عطا فرمائے گا اور قیصر و کسریٰ کو ہلاک کرے گا اور ان کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے۔

ہم جانتے ہیں کہ اللہ کے رسول کی پیش گوئیاں سچی ہوتی ہیں، چنانچہ وہ ایک ایک کر کے پوری ہوئیں۔ زمین پر آسمان کا نمائندہ ہونے کے باوصف آپ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتے، خاص کر ایسے احوال میں تو وہی کہتے ہیں جو انہیں اللہ کی جانب سے وحی ہوتی ہے یا الہام ہوتا ہے۔ یہ معرکہ نتیجہ خیز تھا جس سے اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کا فیصلہ ہوا۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان پیش گوئیوں سے مومنوں کے حوصلے بلند ہوئے اور ان کے دلوں کو پہلے سے زیادہ اطمینان ہوا۔ لیکن منافقین جن کے دلوں میں مرض تھا، جب ان لوگوں نے اللہ کے رسول کی باتیں سنیں تو جو کچھ چھپاتے تھے سب ظاہر کر دیا اور مومن و منافق کے بیچ فرق نمایاں ہونے لگا جو اللہ کی منشا تھی۔ کچھ لوگ اپنے گھروں کا اندیشہ بتا کر کھسک گئے جیسے مدینہ کا دفاع صرف مسلمانوں کے گھروں کی حفاظت کرتا، ان کے گھروں کی بالکل نہیں۔

کسی نے رسول اللہ کی بات پر بہت ہی بڑے منافقانہ انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا، محمد ہم سے وعدہ کر رہے ہیں کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے کھول دیے جائیں گے جب کہ آج ہر کسی کو جان کی ایسی پڑی ہے کہ آج رفع حاجت کے لیے جاتے ہوئے بھی امان محسوس نہیں کرتا[1]۔ اسی وقت ان کے رد میں سورۂ احزاب کی یہ آیتیں نازل ہوئیں:

[1] دویدار، ج3، مرجع سابق، ص426

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا (11) وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا (12) وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۖ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا (13)﴾

ترجمہ: وہ جگہ تھی کہ مسلمانوں کی جانچ ہوئی اور خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا ہمیں وعدہ نہ دیا اللہ نے مگر فریب کا۔ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے مدینہ والو! یہاں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں، تم گھروں کو واپس چلو اور ان میں ایک گروہ نبی سے اجازت مانگتا تھا یہ کہہ کر کہ ہمارے گھر بے حفاظت ہیں اور وہ بے حفاظت نہ تھے مگر وہ تو بس بھاگنا چاہتے تھے۔

یہ آیتیں اس حقیقت کا انکشاف کرتی ہیں جس کے بارے میں منافقین خفیہ طور پر سوچ رہے تھے اور اللہ تو راز اور پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے۔ یہ اس بڑی جھنجھوڑ کا پہلا مثبت نتیجہ تھا۔ منافقین مومنوں کی صفوں سے نکل گئے اور صالح مومنین رہ گئے جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کیا تھا اور نبی اکرم کے ساتھ راہ ہدایت پر چلنے کے لیے تیار کیا تھا۔

آسمانی معجزہ

آزمائش اور گھیرابندی کے تین ہفتوں بعد مشیت الٰہی سے فطرت اپنا کام کرنے کے لیے دخل انداز ہوئی اور مسلمانوں کو بچانے میں اپنا کردار ادا کیا۔ جیسی آزمائش تھی، اسی قدر عظیم معجزہ رونما ہوا۔ ایسی تیز و تند آندھی آئی جیسی اس خطے میں پہلے کبھی نہ آئی تھی، پلک جھپکتے ہی آگ بجھ گئی اور خیموں کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کی چیزیں بھی اڑ گئیں اور دشمنوں کے دلوں میں خوف سما گیا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تیز آندھی کے سبب فوجی اور ان کے اونٹ بمشکل اپنے پیروں پر کھڑے ہو پا رہے تھے۔ سردی اور آندھی کی شدت سے بچنے کے لیے خیموں کے بغیر اور کھانا بنانے کے لیے آگ اور اشیائے خورد و نوش کے بغیر ان کے لیے اپنے حصار کو قائم رکھنا بالکل ممکن نہ تھا۔ اس سے بڑھ کر انہیں اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں مسلمانوں کی فوج، جو یہ سمجھ رہی تھی کہ آندھی ان کی مدد کے لیے آئی ہے، موقع کا فائدہ اٹھا کر اٹھ کھڑی نہ ہو اور ان پر ناقابل فراموش وار نہ کر دے۔

آندھی اور ان کے دلوں میں ڈر سما جانے کے سبب ابو سفیان نے فوراً کوچ کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنی حلیف جماعتوں سے مشورہ کیے بغیر ہی اس بات کا حکم صادر کر دیا۔ جلدی جلدی میں وہ سب سے پہلے خود ہی اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور اپنے گروہ کے باقی لوگوں کے چلنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ قرآن کریم کی آیت کریمہ اس بات کی تاکید کے لیے نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور مسلمانوں کو کبھی نامراد نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ سورۂ احزاب میں فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا (9)﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم پر کچھ لشکر آئے تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے۔

مسلمان بیدار ہوئے تو معجزہ اور رحمت و نصرت الٰہی کی صبح تھی۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا، لیکن آندھی تھم گئی تھی، آسمان صاف تھا۔ ان لوگوں نے اپنے دشمنوں کو نہ پایا جیسے کچھ تھا ہی نہیں۔ کچھ بھی نہیں تھا، نہ لوگ، نہ خیمے، نہ اونٹ۔ ہر چیز نظروں سے دور ہو چکی تھی اور ان کا اثر تک باقی نہ تھا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اس وقت مسلمانوں نے محسوس کیا کہ ان پر اللہ کی خاص عنایت ہے۔ انہوں نے رحمت کا مزہ چکھا، دلوں کو سکون ہوا اور غم دور ہوا۔ اللہ کے رسول نے صحابہ کرام کی طرف دیکھا۔ آپ کا چہرہ نور سے چمک رہا تھا۔ آپ نے فرمایا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور دشمنوں کو صرف اسی نے شکست دی تو اب کسی چیز کا خطرہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ اب ہم ان پر حملہ کریں گے، وہ ہم پر حملہ آور نہیں ہوں گے۔

دویدار لکھتے ہیں کہ جنگ احزاب میدان کی لڑائی نہیں تھی۔ کیوں کہ وہاں درحقیقت کوئی آمنا سامنا نہیں ہوا، بلکہ یہ اعصاب کی جنگ تھی، عزائم کی آزمائش اور دلوں کا امتحان تھا۔ اور اسی وجہ سے منافقین ڈر گئے اور مومن فتح یاب ہوئے۔ منافقوں نے جس قدر شک اور کمزوری کا اظہار کیا، مومنوں نے اسی قدر صبر اور یقین کا مظاہرہ کیا جس سے ان کی قوت عزیمت کا پتہ چلتا ہے جو ایمان کے سبب انہیں حاصل ہوئی۔ اللہ نے اس سختی کے ذریعہ انہیں آزمانا اور ان کے ایمان کا امتحان لینا چاہا اور جب وہ آزمائش میں پورے کامیاب ہو گئے تو اللہ نے ان کی جانب اپنی رحمت سے توجہ فرمائی اور اپنے فضل و کرم سے انہیں دشمنوں کے چنگل سے بچا لیا[1]۔ پھر منافقوں کے بارے میں آسمانی موقف بتانے کی غرض سے سورۂ احزاب کی یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا (22) مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (23) لِّيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا (24) وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا (25)﴾

---

[1] دویدار، ج3، مرجع سابق، ص431

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ترجمہ: اور جب مسلمانوں نے کافروں کے لشکر دیکھے تو بولے یہ وہ ہے جس کا وعدہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے دیا تھا اور سچ فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے اور اس سے انہیں نہ بڑھا مگر ایمان اور اللہ کی رضا پر راضی ہونا۔ مسلمانوں میں کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور وہ ذرا نہ بدلے۔ تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا صلہ دے اور منافقوں کو عذاب دے اگر چاہے یا انہیں توبہ دے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اللہ نے کافروں کو ان کے دلوں کی جلن کے ساتھ پلٹایا کہ کچھ بھلا نہ پایا اور مومنوں کے بدلے اللہ نے لڑائی کی اور اللہ زبردست عزت والا ہے۔

سچ مچ اللہ نے مومنوں کو جنگ کے شر سے بچالیا۔ صرف خدا کی عنایت ہی تھی جس نے مسلمانوں کو حقیقی ہلاکت سے بچایا۔ ہاں یہ بات ہے کہ مسلمانوں نے رحمت الٰہی کے نزول کے ایمانی اسباب فراہم کیے۔ چنانچہ اس اجتماعی سختی میں جب اللہ کا امتحان پورا ہوا، منافقین الگ ہو گئے اور مومنین اپنے ایمان پر قائم رہے تو مومنین کو اس بڑی مصیبت سے نکالنے اور انہیں بچانے کے لیے رحمت الٰہی کے نزول کا وقت ہوا۔ جیسا اللہ نے چاہا، وہ پاکیزہ دلوں، ستھری جانوں اور پختہ ارادوں کے ساتھ اس مصیبت سے نکل گئے۔ اب انہیں رسالت محمدی کے تیسرے دور کے لیے تیاری کرنی تھی۔ دعوت کی شروعات مکہ سے ہوئی، دوسرے مرحلے میں مدینہ پہنچی اور آج خندق کے بعد پھر سے مکہ کی طرف لوٹے گی، تاکہ رسالت محمدی کے تیسرے دور کا آغاز ہو اور اس کے ذریعہ اللہ مسلمانوں پر اپنی نعمت کی تکمیل فرمادے۔

بنو قریظہ: خیانت اور سزا

بنو قریظہ کی خیانت اور سزا کے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ پوری تاریخ انسانی میں مشہور ایک یہودی غدر اور عقاب الٰہی کا واقعہ ہے جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا تھا۔ جس طرح بنو نضیر نے نبی اکرم کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی، اسی طرح بنو قریظہ نے رسول اکرم کے ساتھ عہد کی خلاف ورزی کی اور دشمنوں کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ حالاں کہ کفار نے رسول اللہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ان کے ساتھ بنو نضیر اور خیبر کے یہودی قریش کی قیادت میں مسلمانوں کے خلاف ایک ایسی جنگ برپا کر چکے تھے جو روئے زمین سے اسلام کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے تھی۔

کتب سیرت میں مذکور ہے کہ حکم الٰہی سے دشمنوں کی فوج کے نامراد لوٹ جانے کے بعد مسلمان اپنے رسول کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور ہتھیار رکھ دیے۔ اس بڑی آزمائش کے بعد مسلمانوں کو تازہ دم ہونے کی ضرورت تھی اور اہل و عیال کے ساتھ کچھ وقت گزارنا ضروری تھا۔

لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق اسی دن جو کہ بدھ کا دن تھا ظہر کے بعد جبریل علیہ السلام اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ نے ہتھیار ڈال دیے؟ آپ نے فرمایا ہاں! جبریل نے کہا، اے محمد! اللہ عز و جل آپ کو بنی قریظہ کے پاس جانے کا حکم دیتا ہے۔ میں ادھر ہی جا رہا ہوں اور انہیں جھنجھوڑنے والا ہوں۔

یہودیوں پر جنہوں نے مدینہ سے مسلمانوں کے خاتمہ کے لیے دشمنوں کے ساتھ اتحاد کیا تھا اللہ کا غضب نازل ہوا۔ اور اسی لیے اللہ نے اپنے رسول اور ان کے ماننے والوں کو گھیراؤ اور ان پر بیتی سختی کی تکان کے باوجود ایک رات بھی آرام کی مہلت نہ دی اور

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہودیوں کو غداری کی سزا دینے کے لیے ان کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اللہ کے رسول نے اپنے ماننے والوں کو لشکر تیار کرنے اور فوراً نکلنے کا حکم دیا اور علی بن ابی طالب کو سونپی۔

رسول اللہ نے اپنے سپاہیوں سے فرمایا کہ عصر کی نماز بنی قریظہ کے علاقے میں پہنچ کر ہی ادا کریں۔ جب مسلمانوں کا لشکر ان کے گھروں کے قریب پہنچا تو حضرت علی نے انہیں رسول اللہ کی شان میں گالی گلوچ کرتے اور جارحانہ باتیں کہتے ہوئے سنا۔ اس سے پہلے کہ رسول اللہ ان کے علاقے میں پہنچتے، حضرت علی آپ سے جا کر ملے اور درخواست کی کہ ان کے قریب نہ جائیں۔ رسول اللہ نے پوچھا، کیوں؟ میرا خیال ہے کہ تم نے ان سے میری شان میں تکلیف دہ باتیں سنی ہیں! حضرت علی نے کہا، ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کچھ نہ کہتے۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ مسلمانوں کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ یہودیوں کو مدینہ میں یوں ہی چھوڑ دیں اور ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو جب کہ بنی قریظہ نے اپنا موقف بدل کر صرف اس عہد کی خلاف ورزی نہیں کی تھی جس سے انہیں امن و سلامتی کی ضمانت ملی ہوتی تھی، بلکہ محاصروں میں گھرے ہوئے مسلمانوں نے ایسا محسوس کیا جیسے ان کی پیٹھوں میں زہر میں بجھا ہوا خنجر گھونپ دیا گیا ہو۔ اس طرح کی حرکت جنگی حالات میں بہت بڑی خیانت شمار کی جاتی ہے، جس کی نہ تو قوانین اجازت دیتے ہیں نہ ہی عرف عام، تو آسمانی شریعت کیوں کر اس کی اجازت دیتی۔

مسلمانوں کے لشکر نے بنی قریظہ کے علاقہ کو پوری طرح گھیر لیا اور ان سے کہا کہ اپنے آپ کو اللہ کے حکم کے سپرد کر دو۔ ان کے درمیان بچاؤ کی صورت کو لے کر مشورہ شروع ہو گیا۔ تقریباً پندرہ روز کے محاصرہ کے بعد ان لوگوں نے شاس بن قیس کو اپنا نمائندہ بنا کر رسول اللہ سے بات چیت کے لیے بھیجا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہودیوں نے آپ سے درخواست کی کہ ان کے ساتھ بنی نضیر جیسا معاملہ کیا جائے، وہ ہتھیار چھوڑ دیں گے اور اپنے مال، خواتین اور بچوں کے ساتھ نکل جائیں گے لیکن اللہ کے رسول نے اسے نہ مانا۔ شاس نے کہا کہ ہمارے خون بخش دیں اور ہماری خواتین اور بچے ہمیں دیدیں، ہم اپنا مال نہ لیں گے۔ اللہ کے رسول نے یہ پیش کش بھی ٹھکرادی اور اللہ کے حکم کے سامنے خود سپردگی کے لیے کہا۔ وہ اپنی جماعت کے پاس پہنچا اور نبی اکرم کا فیصلہ سنایا۔ انہیں پورے طور پر یقین ہو گیا کہ اب ان کے سامنے اللہ کے حکم کے سامنے خود سپردگی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں بچا ہے۔ ایسے وقت میں ان کے لیڈر کعب بن اسد نے ان سے بات کی۔ یہ وہی ہے جس نے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ اس نے محمد ﷺ کے اندر وفاداری اور سچائی کے خلاف کبھی کچھ نہ دیکھا۔ اس نے اپنے لوگوں سے کہا۔ میری پاس تین رائے ہے، جس پر چاہو عمل کرو۔ یا تو ہم اس شخص کی تصدیق کریں اور مسلمان ہو جائیں۔ خدا کی قسم تم پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ وہ اللہ کے نبی اور پیغمبر ہیں اور یہی تم اپنی کتاب میں پاتے ہو۔ اس طرح تمہاری جانیں، تمہاری خواتین اور بچے بچ جائیں گے۔ لیکن ان لوگوں نے یہ کہہ کر اس رائے کو ٹھکرادیا کہ ہم توریت کے حکم کی کبھی خلاف ورزی نہ کریں گے۔

اس نے ان سے کہا کہ اگر انکار کر رہے ہو تو آؤ ہم اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کرتے ہیں پھر محمد اور اس کے ساتھیوں کے مقابلے کے لیے ننگی تلواریں لیے نکلتے ہیں اور کوئی دقیقہ نہ اٹھار کھیں گے یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور محمد کے بیچ فیصلہ کر دے۔ اگر وہ ہمیں ہلاک کر دے تو ہم ایسے حال میں مریں گے کہ ہمیں اپنے بعد اپنی نسل کا خوف نہ ہو گا اور اگر ہم غالب آگئے تو میری عمر کی قسم، عورتیں اور بچے تو ہمیں مل جائیں گے۔ ان لوگوں نے کہا کہ اگر ہم ان بے چاروں کو قتل کر دیں پھر جینے کا کیا فائدہ؟

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پھر کعب نے ان کے سامنے تیسری صورت پیش کی اور کہا کہ اگر تم میری یہ رائے نہیں مانتے ہو تو آج کی رات سنیچر کی رات ہے۔ محمد اور اس کے ساتھی بے خوف ہوں گے، ہم ان پر اچانک حملہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے مقدس دن سنیچر کو خراب کر دیں؟ اور اس وقت کعب نے چیختے ہوئے کہا، تم میں کا کوئی مرد پیدائش سے لے کر آج تک ایک رات کے لیے بھی عقلمند نہیں رہا۔

اخیر میں ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی صورت نہ بچی کہ وہ حکم الٰہی کا سامنا کریں۔ اس رات چار یہودی مسلمان ہوئے، جن میں سے تین کا تعلق بنی قریظہ سے نہیں تھا۔ البتہ چوتھا ان میں سے تھا۔ وہ مسلمان ہوا اور چلا گیا پھر اس کا پتہ نہیں چلا۔ اللہ کے رسول نے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جسے اللہ نے اس کی وفاداری کے سبب نجات دی۔ صبح میں بنو قریظہ نے رسول اللہ کے حکم کے سامنے خود سپردگی کر دی، رسول اللہ کے پاس اوس کے کچھ لوگ آئے اور آپ سے درخواست کی کہ ان کی سزائیں کچھ تخفیف کر دی جائے۔ آپ نے فرمایا: اے اوس والو کیا تم یہ پسند نہ کرو گے کہ تمہارے درمیان تم میں کا ہی کوئی شخص فیصلہ سنائے؟ ان لوگوں نے کہا، کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ اوس کا سردار سعد بن معاذ ہے۔

وہ لوگ زخمی سعد بن معاذ کو جو کہ غزوۂ خندق میں بہت زیادہ زخمی ہو گئے تھے مسجد نبوی کے قریب واقع ان کے خیمہ سے بنی قریظہ کے علاقے میں لے کر آئے تاکہ ان کے بارے میں فیصلہ کر دیں۔ جب انہوں نے طرفین سے فیصلہ کو قبول کرنے کا عہد لے لیا تو کہا کہ جو لوگ ہتھیار اٹھا سکتے ہیں انہیں قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا جائے۔ رسول نے فرمایا کہ اے سعد تو نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ سنایا جو کہ ساتوں آسمان کے اوپر سے اللہ کا فیصلہ ہے۔ یہی ہوا بھی کہ مردوں کو قتل کر دیا گیا اور باقی کو قید کر لیا گیا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کتنے لوگوں کو قتل کیا گیا، اس کی صحیح تعداد کا علم نہیں۔ اس سلسلے میں دس سے زیادہ روایات ہیں۔ ان میں سے کچھ تو اسرائیلی روایات ہیں جو کہ جھوٹ اور تحریف کے لیے مشہور ہیں اور حدیث و سیرت کی بعض کتابوں میں بھی در آئی ہیں۔ کچھ نے کہا کہ 80 لوگ تھے اور کچھ نے کہا کہ 300 سے زیادہ لوگ تھے۔

لیکن مسلمانوں کے نزدیک جو صحیح ہے وہ یہ کہ ان کی تعداد 23 سے زیادہ نہیں تھی اور یہی بات عقل سے لگتی ہوئی معلوم ہوتی ہے خاص کر یہ دیکھتے ہوئے کہ قتل کیے جانے سے پہلے وہ مدینہ کے ایک چھوٹے گھر میں قید کیے گئے تھے جس میں غالباً 20 سے زیادہ لوگوں کے سمانے کی گنجائش نہ تھی۔

خیر جو بھی ہو، قتل کا حکم نافذ ہونے کے بعد رسول اللہ نے ان کے مکانات ضرورت مند مسلمانوں میں بانٹ دیے۔ ٹھیک اسی رات جب بنی قریظہ کے بارے میں فیصلہ سنایا اور اللہ نے ان کی آرزو پوری فرمائی، سعد بن معاذ انتقال فرما گئے۔ انہوں نے اللہ سے یہ دعا مانگی تھی کہ انہیں تب تک موت نہ دے جب تک بنی قریظہ سے ان کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہو جائے۔

خیانت کرنے والے کی سزا ہر شریعت میں موت ہے۔ قابل توجہ ہے کہ یہ خدائی فیصلہ جو ان کے ساتھ ہوا وہ خود توریت میں بھی موجود ہے۔ توریت کے صحیفہ باب استثراع کی بیسویں فصل میں ہے:

"جب تم شہر سے قریب جاؤ تا کہ اس سے جنگ کرو، تو اسے صلح کی دعوت دو، اگر وہ تمہاری صلح کی دعوت قبول کرلے اور تمہارے لیے اپنے دروازے کھول دے تو وہاں موجود سب لوگ تمہارے تابع فرمان ہوں گے اور تمہاری غلامی کریں گے اور وہ تمہارے ساتھ مصالحت نہ کرے بلکہ تمہارے ساتھ جنگ کرے تو اس کا محاصرہ کرلو کیوں کہ رب نے اسے تمہارے ہاتھوں ہلاک ہونا مقدر کیا ہے تو سارے مردوں کے سر قلم کردو۔ رہ گئے

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بچے، خواتین اور جانور اور جو کچھ بھی شہر میں ہے سب غنیمت ہیں تو انہیں اپنے لیے غنیمت بنالو"[1]۔

دویدار سوال کے انداز میں لکھتے ہیں: کیا یہ ممکن تھا کہ اس کے بعد بھی مسلمان یہودیوں کی طرف سے بے خوف ہوجائیں؟ اور انہیں اپنے پڑوس میں رہنے دیں کہ وہ ان کے راز جان لیں اور ان کے دشمنوں میں عام کریں؟ کیا یہ عقلمندی تھی کہ انہیں بھی ایسے ہی نکال دیں جیسے ان سے پہلے بنی نضیر کو نکالا تھا تاکہ وہ آزاد اور بے لگام زمین پر پھریں اور قبائل کو ان کے خلاف بھڑکائیں اور گروہ بنائیں کہ وہ ان کے گھر میں ان سے جنگ کریں جیسے بنو قریظہ نے معرکۂ مدینہ میں کیا جو اسلام اور مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے قریب تھا اور جس سے مسلمان معجزہ کے سبب ہی بچ پائے؟ ایسی صورت میں کیا مسلمانوں کے لیے کچھ غلط تھا کہ انہوں نے خود ہی ان غداروں کا خود سپردگی تک محاصرہ کیے رکھا پھر ان سب کو اسی طرح ہلاک کر دیا جیسے وہ غدار انہیں ہلاک کرنا چاہتے تھے؟[2]

طوفان کے بعد سناٹا

جنگ خندق اور بنی قریظہ کے صفایا کے بعد دوسری تمام سیاسی اور عسکری آندھیاں تھم گئیں اور مسلمانوں نے اپنی چھوٹی سی ریاست میں پائیداری اور سکون محسوس کیا۔ اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی ریاست کے قیام کا تجربہ پورے طور پر پختہ ہوا اور اپنے کمال کو پہنچا۔

محمدی ریاست کی تاسیس کو پانچ سال بھی نہیں ہوئے تھے۔ یہ مدت وقت کے لحاظ سے بہت معمولی تھی، لیکن تجربہ اور کامیابی سے بھرپور تھی۔ اس کے نتیجے میں سماجی

---

[1] دویدار، صور من حیاۃ الرسول، ج3، مرجع سابق، ص441

[2] مرجع سابق، ص435

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پائیداری، ایمانی مضبوطی اور روحانی ارتقاء کا حصول ہوا۔ اس طرح جزیرۂ عرب میں اسلام کی پوزیشن مستحکم ہوئی اور اس ریاست کے لیے پورے جزیرۂ عرب کو شرک اور مشرکین کی نجاست سے پاک کرنے کی غرض سے ٹھوس اقدامات کرنے کا وقت آیا۔

اس اثناء میں قریش کی دو اہم شخصیت، خالد بن ولید اور عمرو بن عاص نے اسلام قبول کیا اور اسلام کے حق میں بہت سود مند ثابت ہوئے۔ عمرو بن عاص کے اسلام لانے کے متعلق ابن ہشام بہت ہی بے مثال واقعہ ذکر کرتے ہیں۔ پتہ نہیں جدید کتب سیرت نے اس واقعہ کو کیوں چھوڑدیا۔ ہوا یوں کہ جنگ خندق کے بعد عمرو بن عاص نے حبشہ میں نجاشی بادشاہ کے پاس رہنے کا فیصلہ کیا۔

ابن ہشام کے مطابق وہ خود ساختہ جلاوطنی میں رہ کر صورت حال کے واضح ہونے کا انتظار کرنا چاہتے تھے اور یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں اور مشرکوں کے معاملات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔ وہ اپنے بعض دوستوں سے ملے اور انہیں اپنی تجویز سے یہ کہہ کر مطمئن کیا کہ میری رائے ہے کہ ہم نجاشی سے ملیں اور اس کے پاس رہیں۔ پھر اگر محمد ہماری قوم پر غالب آجائیں تو ہم نجاشی کے پاس ہی رہ جائیں گے۔ کیوں کہ اس کے ماتحت رہنا اس سے بہتر ہے کہ ہم محمد کے ماتحت رہیں اور اگر ہماری قوم محمد پر غالب آگئی تو ہمیں ان سے خیر ہی پہنچے گا۔ سب نے اس پر اتفاق کیا اور نجاشی بادشاہ کی پسند کے کچھ تحائف لے کر حبشہ چلے گئے۔ جب وہ حبشہ پہنچے تو عمرو بن عاص بادشاہ سے ملنے گئے جس کے ساتھ ان کی پرانی دوستی تھی۔ جیسے ہی وہ بادشاہ کے محل میں داخل ہوئے، رسول اللہ کے قاصد عمرو بن اُمیہ ضمیری نکل رہے تھے۔ بادشاہ اپنے مہمان سے بڑے ہی اچھے انداز میں ملا اور "دوست، آپ کا خیر مقدم ہے"، کہتے ہوئے مخاطب ہوا۔ محبتانہ بات چیت کے بعد عمرو بن عاص نے کہا کہ میں نے آپ کے پاس سے ایک شخص کو نکلتے دیکھا ہے۔ وہ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہمارے دشمن کا قاصد ہے۔ آپ اسے ہمیں دیدیں کہ ہم اس کا قتل کردیں۔ بادشاہ کو اپنی سماعت پر یقین نہ آیا اور بہت سخت ناراض ہو گیا۔

عمرو بادشاہ کے اس سخت رد عمل سے گھبرا گئے اور معذرت کرنے کی کوشش کی، لیکن بے سود رہی۔ بادشاہ اپنے پرانے دوست سے ایسی بات سن کر ناراض اور مایوس رہا پھر سوالیہ انداز میں جواب دیا: آپ مجھ سے ایسے انسان کے قاصد کو قتل کی غرض سے مانگ رہے ہیں جس کے پاس ناموس اکبر یعنی جبریل آتا ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس آتا تھا؟ عمرو نے کہا: اے بادشاہ! کیا وہ ایسے ہیں؟ نجاشی نے جواب دیا، اے عمرو! خدا رحم کرے، میری بات مانو اور ان کی پیروی کر لو، کیوں کہ وہ خدا کی قسم حق پر ہیں اور وہ اپنے مخالفین پر ضرور غالب آئیں گے جیسے موسیٰ فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آئے تھے۔ عمرو نے نجاشی سے پوچھا، کیا آپ اسلام پر میری بیعت لیں گے؟ نجاشی نے جواب دیا ہاں! عمرو نے اپنا ہاتھ پھیلایا، نجاشی نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا اور عمرو نے ان کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی[1]۔

یہ بہت ہی مثالی واقعہ ہے کہ ایک ایسا شخص جو "داهية العرب" (عرب کا عقلمند) کے طور پر مشہور ہے وہ ایک ایسے بادشاہ کے ہاتھ پر اسلام لائے جس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ مسیحی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ نے اپنے اسلام کے بارے میں اعلان نہ کیا تھا اور عمرو بن عاص نہیں جانتے تھے کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے۔ بہر حال، یہ واقعہ جس قدر حیران کن ہے، اسی قدر ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ نجاشی کو اسلام کی کس قدر معرفت تھی اور اس عظیم بادشاہ کے دل میں رسول اکرم کی کیا قدر و منزلت تھی۔ عمرو بن عاص اس کے پاس حالت شرک میں آئے تھے، دل میں مسلمانوں کے لیے عداوت اور شر پسندی تھی، لیکن مسیحی بادشاہ کے

---

[1] ابن ہشام، مرجع سابق، ص225

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

محل سے مسلمان ہو کر نکلے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ نجاشی کا اس مضبوطی سے رسول اکرم کا دفاع کرنا اور اس قدر پختہ یقین کہ محمد ﷺ دشمن پر غالب آئیں گے، جیسے حضرت موسیٰ اپنے دشمنوں پر غالب آئے اور اسی بنیاد پر عمرو کو محمد ﷺ کی پیروی کی نصیحت کرنا پھر اپنے ہاتھ پر عمرو کے اسلام قبول کرنے کے لیے رضامندی، یہ اس بات کے ثبوت ہیں کہ نجاشی سچا مسلمان تھا، لیکن کسی وجہ سے اس نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھنا بہتر سمجھا۔

عمرو بن عاص بادشاہ کے پاس سے نکل کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچے اور اپنا اسلام پوشیدہ رکھا۔ پھر حبشہ سے نکل گئے۔ مدینہ کے راستے میں ان کی ملاقات خالد بن ولید سے ہوئی۔ چھوڑ دیا اور مدینہ کے راستے میں خالد بن ولید سے ملاقات ہوئی۔ ان سے پوچھا اے ابو سلیمان، کہاں جا رہے ہو؟ خالد نے جواب دیا، اے عمرو اب راستہ واضح ہو گیا ہے اور مجھے پتہ چل گیا ہے کہ محمد ﷺ نبی ہیں۔ میں مسلمان ہونے جا رہا ہوں۔

عمرو نے کہا کہ میں بھی تو مسلمان ہی ہونے آیا ہوں، اس طرح خالد بن ولید اپنے ساتھی عمرو بن عاص کے ساتھ نبی اکرم کے پاس آئے اور دونوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ کہا جاتا ہے کہ خالد بن ولید نے حضرت ابوبکر کو اپنا ایک خواب بتایا جو ان کے اسلام لانے کا سبب بنا۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک چٹیل زمین پر زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں قحط آیا ہوا ہے۔ انہوں نے ایک راستہ دیکھا جو ایک سرسبز و شاداب زمین کی طرف جاتا ہے۔ وہ اس پیغام کو سمجھ گئے اور خیر کی جانب جانے والا راستہ چن لیا اور مدینہ چلے گئے۔

خالد بن ولید کا مسلمان ہونا اسلام اور مسلمانوں کے لیے مددگار ثابت ہوا۔ جہاں عمرو بن عاص اسلام میں سیاست کے عبقری ہوئے وہیں خالید بن ولید عالمی سطح پر سب سے اہم عسکری عبقری شخصیت کے طور پر ابھرے۔ انہوں نے 100 جنگیں کیں اور سب میں فتحیاب رہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عراق کو فارسی استعمار اور شام کو روم کے قبضہ سے آزاد کرانے اور سلطنت اسلامیہ کی زمینی توسیع میں آپ کا بہت بڑا رول رہا۔ یہ دونوں فتوحات تاریخ اسلامی کی ابتدائی فتوحات میں سب سے اہم ہیں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

آٹھویں فصل

سفر عمرہ اور بیعت

جب اسلامی ریاست نے سماجی استحکام حاصل کر لیا اور پائیدار ہو گئی تو مشرکین کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور ان کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ جب مسلمانوں نے مدینہ سے دشمنوں کا صفایا کر دیا اور امن و سلامتی کو یقینی بنالیا تو اللہ کے رسول نے ان قبائل کے خلاف تادیبی کارروائی کے لیے ٹکڑیاں بھیجیں جنہوں نے معرکۂ خندق میں شرکت کی تھی۔ ان ٹکڑیوں نے انہیں قابو میں کر لیا۔ پھر تمام دشمنان اسلام کو ایک کے بعد ایک قابو میں کرنے اور کمزور کرنے کے لیے آپ نے تیاری کی۔

جب مسلمانوں نے بڑی کامیابیاں حاصل کر لیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے عمرہ کی غرض سے مکہ جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ظاہر ہے یہ معمولی بات نہ تھی، مکہ قریش کے قبضے میں تھا، پھر مسلمانوں کے دلوں کو عزیز یہ خواب کیوں کر پورا ہوتا؟ سبھی مسلمان خوش ہو گئے خاص کر مہاجرین جو اس خواب کے پورا ہونے کی صورت میں اپنے اس وطن کی زیارت کر پاتے جہاں وہ پیدا ہوئے تھے، جہاں سے انہیں ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا تھا اور سات سال پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد سے جہاں جا نہیں سکے تھے۔

اللہ کے رسول نکلے۔ آپ کے ساتھ قریب 1400 مرد و زن تھے۔ آپ اپنے لوگوں کے ساتھ عمرہ کا لباس پہن کر نکلے۔ ذاتی ہتھیار کے علاوہ جنگ کے ہتھیار ساتھ نہ تھے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ایک لمبے سفر کے بعد حدیبیہ کے علاقہ میں پہنچے جو مکہ سے صرف دس کیلو میٹر کی دوری پر ہے۔ وہاں اپنے خیموں اور قربانی کے جانوروں کے ساتھ قیام پذیر ہوئے۔

جیسے ہی قریش نے محمد ﷺ کے مقام حدیبیہ پہنچنے کی خبر سنی، اپنی فوج کو تیار ہونے کو کہا۔ مشرکوں نے سمجھا کہ محمد ﷺ جنگ کے ارادے سے آئے ہیں۔ وہ ملاقات کے لیے تیار ہوئے اور قبیلۂ خزاعہ کے کچھ لوگ آپ کے پاس آپ کی آمد کا سبب پوچھنے کے لیے پہنچے۔ آپ نے انہیں بتایا کہ خانۂ کعبہ کی زیارت اور عمرہ کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔

وہ لوگ لوٹے اور قریش سے کہا کہ تم لوگ محمد ﷺ کے معاملے میں جلدی کرتے ہو۔ وہ جنگ کرنے کے ارادے سے نہیں بلکہ خانۂ کعبہ کی زیارت کی غرض سے آئے ہیں۔ لیکن قریش نے اتنے پر اکتفا نہ کیا۔ چنانچہ وہ بولے، نہیں، خدا کی قسم! وہ ہماری مرضی کے بغیر اس میں زبردستی داخل نہیں ہوسکتے۔ ہم سے عرب کے لوگ کیا کہیں گے! قریش کی ساری پریشانی یہ تھی کہ عرب والے کیا کہیں گے!

پھر عروہ بن مسعود اللہ کے رسول کے پاس آئے اور بتایا کہ قریش ہرگز مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ وہ جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ عروہ کی توجہ اس محبت واحترام کی جانب پڑی جس کا صحابۂ کرام اپنے رسول کے ساتھ مظاہرہ کر رہے تھے۔ سچ مچ اللہ کے رسول اور آپ کے صحابہ کے بیچ تعلق کی نوعیت سب کے لیے باعث رشک اور حیران کن تھی۔

جب عروہ قریش کے پاس پہنچے تو پھر سے اس بات پر زور دیا کہ محمد ﷺ جنگ کی غرض سے نہیں بلکہ زیارت کی غرض سے آئے ہیں۔ پھر کہا کہ اے قریش کے لوگو! میں

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کسریٰ، قیصر اور نجاشی سب سے ان کے ملکوں میں ملا ہوں، خدا کی قسم! میں نے کسی قوم میں کسی بادشاہ کا وہ مقام نہ دیکھا جو محمد کا ان کے صحابہ کے نزدیک ہے[1]۔

اسی بیچ رسول اللہ نے عثمان بن عفان کو بھیجا جو کہ بنی امیہ سے تھے، یعنی ابو سفیان کے رشتہ داروں میں سے تھے اور قریش کے نزدیک ان کا ایک مقام تھا۔ مقصد یہ تھا کہ وہ قریش کو زیارت کی نوعیت اور امن کے بارے میں اطمینان دلائیں۔ انہوں نے دوبارہ اس بات پر زور دیا کہ مسلمانوں کے پاس ہتھیار نہیں ہیں اور وہ صرف عمرہ کے ارکان ادا کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔ لیکن انہوں نے نہ مانا اور کہا کہ اگر آپ کعبہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو کر سکتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طواف کرنے سے پہلے میں ہر گز طواف نہ کروں گا۔

انتظار کے مرحلہ میں ہی قریش نے چالیس گھوڑ سواروں کی ایک فوج مسلمانوں کو ہراساں کرنے کے مقصد سے بھیجی۔ لیکن وہ جیسے ہی پہنچے، مسلمانوں نے انہیں گھیر لیا اور انہیں قید کر کے ان کے ہتھیار لے لیے۔ تھوڑی دیر بعد رسول اللہ نے انہیں آزاد کر دینے اور ان کے ہتھیار واپس کرنے کا حکم دیا تاکہ قریش کو مسلمانوں کی بہتر نیت کا پیغام جائے۔ دوسری طرف جب عثمان بن عفان نے رسول اللہ کے پاس لوٹنے کا ارادہ کیا تو قریش نے انہیں روک لیا اور جلد ہی ان کے قتل کی افواہ پھیل گئی۔

جب نبی اکرم نے یہ خبر سنی تو آپ نے اپنے ماننے والوں کو جنگ کی بیعت لینے کے لیے بلایا۔ بہر صورت مکہ میں داخل ہونے کے لیے رسول کے ہاتھوں پر سب نے بیعت کی۔ حالات چاہے جیسے بھی رہے ہوں، لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ رسول کے قاصد کو قتل کر دیا جائے اور مسلمان حرکت میں نہ آئیں۔ اسی وقت بیعت کی تعریف و تحسین میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

---

[1] ابن ہشام، مرجع سابق، ص286

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الفتح: 10)

ترجمہ: وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ سے ہی بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ تو جس نے عہد توڑا تو اس نے اپنے بڑے عہد کو توڑا اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۔

رسول کی بیعت اللہ سے بیعت ہے اور اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ یعنی وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ سے ہی بیعت کر رہے ہیں۔ نبی اکرم نے بیعت کرنے والوں سے جنت کا وعدہ کیا۔ جس کسی نے بھی مسلمانوں کی پہلی جنگ، جنگ بدر میں شرکت کی، اس کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کیے گئے اور جس کسی نے مقام حدیبیہ میں بیعت کی، اس کی مغفرت ہو گئی۔ یہ بیعت بعد میں مسلمانوں کے بیچ ہر بیعت اور معاہدے کے لیے شرعی اور اخلاقی سند کی طرح سمجھی گئی۔

جب قریش نے بیعت کی خبر سنی تو انہیں یقین ہو گیا کہ مسلمانوں نے ہر حال میں مکہ میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ان سے زیادہ مسلمانوں کے عزم و ارادے کو کون جانتا تھا۔ انہوں نے اسی وقت عثمان کو اپنے لوگوں کی طرف لوٹ جانے کی اجازت دیدی۔ عثمان بن عفان رسول اللہ کے پاس صحیح سلامت پہنچ گئے۔ رسول اللہ ان کے زندہ پہنچنے سے بہت زیادہ خوش ہوئے عثمان بن عفان کا مقام اگر قریش کے نزدیک بڑا تھا تو مسلمانوں کے نزدیک اور بھی بڑا تھا، خاص کر اس وجہ سے بھی کہ آپ رسول اللہ کے داماد تھے۔

رسول اللہ کو قریش کے سخت موقف کے بارے میں بتانے کے بعد عثمان بن عفان نے اپنا ہاتھ رسول کے ہاتھ پر رکھ دیا اور مکہ میں داخل ہونے کی بیعت کی لیکن جلد ہی یہ پتہ چلا کہ مکہ میں داخل ہونے کے متعلق رسول اللہ اور آپ کے ماننے والوں کے عزم

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مصمم کا ادراک ہونے کے بعد قریش کے موقف میں نرمی آئی ہے۔ انہوں نے جلد ہی ایک دوسرا قاصد رسول اللہ کے پاس بھیجا۔ اس بار سہیل بن عمرو تھے۔ رسول اللہ انہیں بہت اچھے سے جانتے تھے۔ جب رسول اللہ نے انہیں آتے دیکھا تو فرمایا کہ ان لوگوں نے صلح کا ارادہ کرلیاہے تبھی انہیں بھیجاہے۔ ﴿وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (61)﴾ (الأنفال: 61)

ترجمہ: اور اگروہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔

سہیل بن عمرو مشروط صلح کا اختیار لے کر آئے۔ قریش نے انہیں اس بات کا معاہدہ کرنے کو کہا تھا کہ مسلمان اس سال مکہ نہیں جائیں گے بلکہ اگلے سال جائیں گے۔ ان کی توجیہ یہ تھی کہ ایسی صورت میں عرب یہ نہیں کہیں گے کہ محمد وہاں جبراً داخل ہو گئے۔ قریش اور مسلمانوں کے بیچ دیرینہ دشمنی کے پیش نظر رسول اللہ نے موقف کو سمجھ لیا اور صلح کے کاغذات لکھوانے پر موافقت کرلی اور لکھنے کے واسطے علی بن ابی طالب کو بلایا۔ دستاویز میں درج ذیل دفعات تھیں:

رسول اللہ نے فرمایا: لکھو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"، قریش کے قاصد سہیل بن عمرو نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ رحمٰن کون ہے اس لیے "باسمک اللھم" لکھو۔ رسول نے فرمایا، لکھو "باسمک اللھم"۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی لکھا۔ پھر رسول اللہ نے فرمایا، لکھو "ھذا ما قاضی علیہ رسول اللہ" (یہ وہ بات ہے جس پر رسول اللہ نے صلح کی) تو سہیل نے کہا کہ بخدا اگر ہم جانتے کہ آپ رسول اللہ ہیں تو ہم نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکتے نہ آپ سے جنگ کرتے، اس لیے لکھو "محمد بن عبداللہ"۔ رسول اللہ نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ ہوں، اگرچہ تم مجھے جھٹلاؤ، پھر رسول اللہ نے فرمایا، لکھو "ھذا ما صالح علیہ محمد بن عبداللہ و سہیل بن عمرو"۔ (یہ وہ دستاویز ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے صلح کی)۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

1- دس سال تک جنگ اٹھا رکھی جائے گی۔ لوگ اس مدت میں امن و سکون سے رہیں گے اور ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے۔

2- قریش کا جو کوئی شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد ﷺ کے پاس آئے گا، اسے وہ انہیں واپس کر دیں گے، لیکن اگر محمد کے ساتھیوں میں سے کوئی قریش کے پاس آئے گا تو اسے وہ واپس نہیں کریں گے۔

3- جو کوئی محمد کے ساتھ عہد و پیمان اور معاہدہ کرنا چاہے وہ کرسکتا ہے اور جو قریش کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے وہ کرسکتا ہے۔

4- آپ اس سال لوٹ جائیں گے اور ہماری مرضی کے خلاف مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ اگلے سال آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سواری کرنے والے ہتھیار کے ساتھ تین دن کے لیے مکہ آئیں گے[1]۔

معاہدہ ہو گیا۔ لیکن عمر بن خطاب اور ان کے ساتھ چند صحابہ ان رعایتوں سے خوش نہیں تھے جو رسول اللہ نے قریش کو دی تھیں، خاص کر معاہدہ کی دوسری دفعہ سے۔ اسی طرح قریش کے مندوب کے ذریعہ "محمد رسول اللہ" لکھنے سے منع کرنے سے صحابہَ کرام میں بہت ناراضگی ہوئی۔ گویا محمد ﷺ نے ایسے مسلمات میں سمجھوتہ کرلیا ہو جن کو چھوا نہ جاسکتا ہو۔

عمر ابو بکر کے پاس آئے اور کہا، اے ابو بکر کیا محمد ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا کہ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، کیوں نہیں؟ کیا وہ مشرک نہیں ہیں؟ جواب دیا، کیوں نہیں؟ پھر ہم کو

---

[1] ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد، ج2، مرجع سابق، ص171

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کس بنا پر ان کے مقابلے میں ذلت دی جاتی ہے؟ تو ابو بکر نے کہا، اس پر قائم رہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

پھر عمر رسول اللہ کے پاس آئے اور وہی سوالات کیے۔ رسول اللہ نے جواب دیا۔ "میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں ہر گز اس کی حکم عدولی نہ کروں گا اور وہ مجھے ہر گز ضائع نہیں کرے گا"۔ رسول اللہ کی یہ شان نہیں کہ یہ جانے بغیر کہ اللہ ان سے راضی ہے، اس قسم کے معاملات میں تصرف کریں۔ لیکن جس بات سے صورت حال خراب ہو گئی وہ یہ کہ ٹھیک اسی بیچ ابو جندل بن سہیل مشرکین کے بیچ سے بھاگ کر مسلمانوں سے فریاد کرتے ہوئے آئے۔ طرفہ یہ کہ وہ قریش کے اسی مندوب سہیل بن عمرو کے بیٹے تھے جو رسول اللہ سے بات چیت کر رہے تھے۔ وہ اسلام لا چکے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ جانا چاہتے تھے۔

سب حیران تھے، ان کے والد سہیل بھی اور مسلمان بھی۔ سہیل نے رسول اللہ سے کہا کہ ہم نے معاہدے پر دستخط کیے ہیں اور اس کی دوسری دفعہ اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ جو کوئی قریش سے بھاگ کر آپ کے پاس آئے گا اسے آپ لوٹا دیں گے اور آپ اس بات سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ رسول اللہ نے فرمایا، تم نے سچ کہا۔

رسول اللہ خود ابو جندل کے پاس گئے اور فرمایا: "اے ابو جندل صبر کرو اور بھروسہ رکھو۔ اللہ تمہارے لیے اور تمہارے کمزور ساتھیوں کے لیے کشادگی پیدا فرمانے والا ہے اور راستہ نکالنے والا ہے۔ ہم نے قریش کے ساتھ ایک صلح نامہ پر دستخط کیے ہیں اور اس پر ایک دوسرے کو اللہ کا عہد دیا ہے۔ ہم انہیں دھوکہ نہیں دے سکتے۔" اس طرح رسول اللہ نے ہمیں اس بات کی تاکید کی کہ عہد و پیمان کا احترام اور اس کی پابندی اسلام کے مسلمہ اصولوں میں سے ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جیسا متوقع تھا، آسمان سے مبارک بادی نازل ہوئی اور سورۂ فتح اتری: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (1) لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا (2) وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا (3)﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے تمہیں روشن فتح عطا کی، تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلے اور پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کردے، تمہیں سیدھی راہ دکھادے اور اللہ تمہاری زبردست مدد فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے صلح کو فتح گردانا، کیوں کہ اس سے پہلا اور سب سے بڑا یہ فائدہ ہوا کہ تاریخی دشمن کے ساتھ امن و سلامتی حاصل ہوئی اور یہ بذات خود ایک تاریخی کامیابی تھی۔ جب وہ صلح کے لیے جھکے تو رسول اللہ بھی اس کے لیے آمادہ ہوگئے۔ رسول ہمیں اس بات کی تعلیم دیتے ہیں کہ صلح کی خاطر جھکنا عین حکمت ہے، کیوں کہ یہ بھی ایک کامیابی ہے اور اس میں سب کے لیے بہتری ہے۔ مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ حتی الامکان اس کے لیے کوشش کرے۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے حق میں اس فیصلے کے بہت سے مثبت نتائج سامنے آئے۔

ایک تو یہ کہ مشرکین نے اسلامی ریاست کا اعتراف کیا اور اس سے اسلامی ریاست کی پوزیشن مستحکم ہوئی۔ اسی طرح اس مصالحت سے امن کے دس سال مل گئے جس میں مسلمانوں کو اسلام مخالف قبائل کو قابو کرنے اور فتح مکہ کے لیے راستہ ہموار کرنے کا موقع مل گیا۔

دوسرے یہ کہ صلح کے سبب امن و سلامتی کی عام فضا قائم ہونے سے عرب قبائل کو اسلام میں رضاکارانہ طور پر داخل ہونے کی چھوٹ مل گئی۔ چنانچہ جلد ہی قبیلۂ بنو خزاعہ جو کہ مکہ کے قریب آباد تھا رضاکارانہ طور پر اسلام میں داخل ہو گیا۔ ان حصولیابیوں پر

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اللہ عزوجل کی مبارک بادی نے چار چاند لگادیے۔ سورۂ فتح نازل ہوئی جس میں مکہ مکرمہ پر ہونے والی فتح مبین کی بشارت تھی۔

شروع میں کچھ صحابہ اس فیصلے کی حکمت کو نہیں سمجھ سکے اور آپس میں پوچھنے لگے، جب ہم کعبہ میں داخل نہ ہوسکے تو یہ فتح کیسے ہوئی! ظاہر ہے کہ سب لوگ اس معاہدہ کے دوررس نتائج کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ وہ ظاہر پر حکم لگا رہے تھے اور اللہ اور اس کے رسول کی نظر حقائق اور اس کے دوررس نتائج پر تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں ناپسند لگے جب کہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو)۔

جلد ہی ان پر واضح ہو گیا کہ رسول اللہ نے جو کچھ کیا وہ ایک بڑی سیاسی کامیابی تھی۔ عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ آیت فتح نازل ہونے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس دن میں نے جو کچھ کہا اس کی مغفرت کے لیے میں اب بھی صدقہ کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور روزے رکھتا ہوں۔

مسلمان قریب دس دن یا کچھ زیادہ عمرہ کے سفر پر رہے جو عملی طور پر مکمل نہ ہوا۔ معاہدہ ہونے کے بعد ان کے لیے مدینہ لوٹنا ضروری ہو گیا۔ رسول اللہ نے عمرہ مکمل ہونے کے بعد کے ارکان ادا کیے، گویا عملاً عمرہ پورا ہو گیا۔ بہرحال اللہ انہیں عمرہ کا ثواب دے گا کیوں کہ انہوں نے اس کی نیت کی تھی اور اسلام میں کسی کام کی سچی نیت پر خود اس کام کا ثواب ملتا ہے۔ ہر انسان کو وہ ملتا ہے جس کی وہ نیت کرے۔

رسول اللہ نے عمرہ کا احرام اتارا، سر مونڈایا، گویا عمرہ کے ارکان پورے کر لیے۔ جب مسلمانوں نے رسول اللہ کا یہ عمل دیکھا تو انہوں نے بھی احرام بدلے اور اپنے روز مرہ کے لباس پہنے اور ایسا محسوس کیا جیسے اپنا عمرہ پورا کر لیا۔ پھر واپس مدینہ لوٹ گئے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مدینہ کے لیے کوچ کرنے کے کچھ ہی دیر بعد ابو بصیر نامی ایک شخص مسلمان ہو کر قریش سے بھاگا ہوا رسول اللہ کے پاس آیا۔ قریش نے صلح کی دستاویز کی صراحت کے مطابق اس کی طلب میں اپنے دو آدمی بھیجے۔ اللہ کے رسول نے اسے ان کو واپس کر دیا۔ لیکن راستہ میں ابو بصیر نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا جبکہ دوسرا بھاگ گیا۔ ابو بصیر کے بارے میں ابو جندل بن سہیل جن کو پہلے مقام حدیبیہ میں قریش کو واپس کر دیا تھا کو خبر ملی اور وہ ان سے مل گئے۔

اس کے بعد جو کوئی بھی مسلمان ہوتا وہ قریش سے بھاگ کر ابو بصیر کے پاس چلا جاتا۔ جلد ہی ان لوگوں نے قریش کے خلاف ایک چھوٹی فوج بنالی جو قریش کے تجارتی قافلوں کو لوٹ لیتی۔ قابل توجہ ہے کہ جب قریش ان کے سے نمٹنے سے عاجز آگئے تو رسول اللہ کو خط لکھ کر صلح کی اس دفعہ کو کالعدم کرنے کی درخواست کی جس کے تحت قریش سے بھاگے ہوئے مسلمانوں کو مکہ واپس کرنا ضروری تھا۔ اس کی بجائے قریش نے یہ درخواست کی کہ انہیں مدینہ میں پناہ دیں اور انہیں اپنی طرف سے امان دیدی۔

سورۃ فتح کی آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا (24)﴾

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے وادی مکہ میں بعد اس کے کہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے۔

اس طرح رسول اللہ کا وعدہ پورا ہوا جو انہوں نے ابو جندل سے کیا تھا کہ اللہ جلد ہی تمہارے لیے اور کمزوروں کے لیے کشادگی پیدا فرمائے گا اور راہ نکالے گا۔ اس کے بعد مکہ سے مسلمانوں کی ہجرت عام بات ہو گئی، ان سے قریش تعرض نہیں کرتے۔ وہ جب چاہتے مدینہ چلے جاتے اور اپنے بھائیوں کے ساتھ امن و سکون کے ساتھ رہتے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اہل فارس عراق، بحرین اور یمن کے کچھ حصوں پر قابض تھے اور اہل روم پورے شام کے علاقے پر قابض تھے۔ فریقین نے اپنے زیر اقتدار علاقوں پر حاکم مقرر کر رکھے تھے۔ عام طور پر وہ انہیں علاقوں کے ہوتے تھے جہاں انہیں حاکم بنایا جاتا تھا۔ یہ علاقے ان دونوں بادشاہوں میں سے کسی ایک کے سیاسی اور مذہبی اثر کے تابع ہو گئے تھے۔ چنانچہ عراق، بحرین اور یمن میں اگر مجوسیت عام تھی تو اہل شام و مصر کی اکثریت مسیحیت پر تھی اور قسطنطنیہ مصر کے قبطی بادشاہوں کا تقرر کرتا تھا۔

قریش کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کرنے کے بعد رسول اللہ دو اہم بنیادی مہم کے لیے فارغ ہو گئے، ایک تو جزیرۂ عرب میں یہود و مشرکین کی شکل میں موجود دشمنان اسلام سے نپٹنے کے لیے اور دوسرے بادشاہوں اور امیروں کے پاس اپنے قاصدوں کو اسلام کی دعوت کے خطوط لے کر بھیجنے کے لیے۔

جن کو خطوط بھیجے گئے ان کی اہمیت اور ان کے توجہ طلب جوابات کے پیش نظر ہم یہاں چار خطوط پر روشنی ڈالیں گے۔ وہ ہیں مصر میں قبطیوں کے بادشاہ مقوقس، فارس کے بادشاہ کسریٰ، حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور روم کے بادشاہ ہرقل۔ رسول اللہ کے قاصد حاطب بن ابی بلتعہ خط لے کر مصر کے قبطیوں کے بادشاہ کے پاس گئے۔ مقوقس نے احترام کے ساتھ خط قبول کرنے کے بعد قاصد سے پوچھا: اگر وہ نبی ہیں تو اپنے مخالفین کے لیے بد دعا کیوں نہیں کرتے اور انہیں اپنے شہر سے نکال کیوں نہیں دیتے؟ حاطب نے جواب دیا: جب عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے انہیں قتل کرنے کے لیے پکڑ لیا تو انہیں کس چیز نے ان کی ہلاکت کے لیے بد دعا کرنے سے روکا تھا؟ مقوقس نے کہا، اچھا جواب ہے۔ آپ صاحب حکمت ہیں جو ایک صاحب حکمت کے پاس سے آئے ہیں۔

حاطب نے کہا کہ اللہ کے نبی نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب سے سخت قریش ثابت ہوئے، سب سے بڑے دشمن یہود اور سب سے قریبی نصاریٰ۔ میری زندگی کی قسم حضرت عیسیٰ کے بارے میں حضرت موسیٰ کی بشارت ایسی ہی ہے جیسی کہ حضرت محمد ﷺ کے بارے میں حضرت عیسیٰ کی بشارت۔ ہم قرآن کی دعوت ایسے ہی دیتے ہیں جیسے کہ اہل توریت کو آپ انجیل کی دعوت دیتے ہیں[1]۔ مقوقس نے عیسائیوں کے بارے میں اسلام کے مثبت نظریے کو سمجھ لیا لیکن مسلمان نہیں ہوا۔ اس نے دعوت کو احترام کے ساتھ قبول کیا اور رسول اللہ کو مثبت جواب دیا۔ جہاں مقوقس جیسے مسیحی شخص نے حسب توقع نرمی اور حسن اخلاق کا برتاؤ کیا، وہیں شاہ فارس کسریٰ کا جواب انتہائی جاہلانہ تھا اور یہ حماقت اس کا تخت لے ڈوبی۔ اس کے پاس عبد اللہ بن حذافہ سہمی خط لے کر گئے تھے۔

اس زمانے کے بادشاہ رعایا سے برتر ہو کر معبودوں کی طرح برتاؤ کرتے تھے۔ جب عبد اللہ بن حذافہ پہنچے اور بادشاہ کے پاس گئے تو اس کے ارد گرد کھڑے اہل فارس معمولی لباس زیب تن کیے اس شخص کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے جو محل میں بادشاہوں کے آداب اور پروٹوکول کی پرواہ کیے بغیر سیدھا چل رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک عصا تھا جس کا وہ چلتے ہوئے سہارا لیتے تھے اور محل کے پتھر پر اسے مارتے جا رہے تھے جس سے ایسی آواز نکل رہی تھی جو خدائے فارس کی ہیبت ختم کرتی معلوم ہو رہی تھی۔

سب کے سب اس نادار عربی شخص کو حیرت واستعجاب کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ انہیں اپنے دیکھے پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ جب ان سے بادشاہ کو سجدہ کرنے کو کہا گیا تو انہوں نے کہا ہم مسلمان اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرتے اور بنا جھکے ہی خط سپرد کر دیا۔ رسول اللہ نے عزت و کرامت کے معاملے میں اپنے ماننے والوں کی اس قسم سے تربیت کی ہوئی تھی۔

---

[1] الغزالی، محمد، فقہ السیرۃ، دار القلم، دمشق، 2006، ص 358

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

خط کا متن اس طرح تھا: ''اللہ کے رسول محمد کی طرف سے عظیم فارس کسریٰ کے لیے، سلامتی اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور یہ گواہی دی کہ اللہ وحدہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور نہ ہی کوئی اس کا شریک ہے اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اللہ کی دعوت دیتا ہوں، کیوں کہ میں سارے لوگوں کے لیے اللہ کا رسول ہوں جسے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ زندوں کو ڈرائے اور کافروں پر اتمام حجت ہو جائے۔ مسلمان ہو جاؤ، سلامتی پا جاؤ گے۔ اگر انکار کیا تو مجوسیوں کا گناہ بھی تمہارے ذمہ ہو گا۔''

بادشاہ کا خون کھول رہا تھا۔ جیسے ہی رسول اللہ کا خط اسے پڑھ کر سنایا گیا وہ اس عربی امی نبی پر غصہ سے پھٹ پڑا جو شاہوں کے شاہ کو مخاطب کر کے تبدیلی دین کی دعوت دے رہے تھے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنا نام اس کے نام پر مقدم رکھا تھا۔ یہ شخص کیسے ایسی جرأت کر سکتا ہے جب کہ میں نجران، بحرین اور عراق وغیرہ عرب ممالک کے حکمراں مقرر کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے خط پھاڑ دیا اور عبد اللہ کو دھتکار دیا[1]۔ جب رسول اللہ کو پتہ

---

1 بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ عبد اللہ بن حذافہ سہمی اور قیصر روم کے بیچ ایک اور اہم واقعہ پیش آیا۔ ہجرت کے انیسویں سال عمر بن خطاب کے عہد خلافت میں مسلمانوں کے ایک گروہ کے ساتھ عبد اللہ روم میں قیدی بنا لیے گئے۔ شاہ روم نے انہیں آزادی کے بدلے نصرانیت قبول کرنے کی پیش کش کی، لیکن عبد اللہ نے یہ پیش کش ٹھکرا دی۔ اس پر باشاہ نے انہیں دھمکایا اور مارا پیٹا۔ پھر جس طرح ان کے سامنے میں دو قیدیوں کو کھولتے تیل میں ڈال دیا تھا ویسی ہی سزا کی انہیں بھی دھمکی دی۔ عبد اللہ نے تب بھی انکار کر دیا۔ اب قیصر نے کہا کہ اگر تم میرا سر چوم لو تو میں تمہیں معاف کر دوں گا، اس پر انہوں نے کہا کہ میں ایسا کرنے کو تیار ہوں اگر تمام قیدیوں کو معاف کر دو۔ قیصر نے یہ بات مان لی اور ایسا ہی ہوا۔ جب عبد اللہ مدینہ لوٹے اور عمر بن خطاب کو یہ واقعہ سنایا تو آپ نے کہا کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ عبد اللہ کا سر چومے اور اس کی شروعات میں کرتا ہوں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

چلا کہ کسریٰ نے آپ کے خط کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے تو فرمایا: "مزق اللہ ملکہ" یعنی اللہ تعالیٰ اس کی بادشاہت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

دوسری طرف جزیرۂ عرب میں مسلمانوں کے دشمن یہود و مشرکین رسول اللہ اور کسریٰ سے متعلق خبروں پر خوشی کے مارے نظر رکھے ہوئے تھے۔ انہیں لگا کہ رسول اللہ اور ان کے ماننے والوں سے دشمنی کے لیے کسریٰ ہی کافی ہو گا اور اس طرح وہ ان سے اور ان کی رسالت سے چھٹکارا پا جائیں گے۔ کسریٰ جسے اس کی جہالت اور غرور نے اندھا کر دیا تھا، اس نے یمن کے امیر "باذان" کو کہلا بھیجا کہ اپنے دو سخت ترین آدمیوں کو بھیجے تاکہ وہ اس شخص کو لے کر اس کے پاس پہنچیں جو نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے اور اسے مخاطب کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یمن کا حاکم باذان بھی اپنے مجوسی آقا کی طرح بے وقوف تھا۔ اس نے اس کے حکم کے نفاذ میں ذرا بھی تردد نہیں کیا اور اپنے دو سخت ترین لوگوں کو بھیج دیا تاکہ وہ نبی اکرم کو لے کر ان کے بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔

واقعتاً وہ دونوں مدینہ کے لیے نکلے، لیکن اسی بیچ اللہ نے اپنے رسول کی دعا قبول فرمائی، چنانچہ بادشاہ کے بیٹے "شیرویہ" نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور حکومت پر قابض ہو گیا۔ جب یہ دونوں سپاہی مدینہ پہنچے اور رسول اللہ سے ان کے ساتھ کسریٰ کے پاس چلنے کو کہا تو رسول اللہ نے فرمایا، ہلاکت ہو تمہارے لیے! کس نے تم دونوں کو حکم دیا ہے؟ ایک نے جواب دیا ہمارے رب نے ہمیں حکم دیا ہے۔ رسول اللہ نے ترجمان سے کہا، اسے کہہ دو کہ میرے رب نے کل اس کے رب کو مار دیا۔ جب یمن کے گورنر "باذان" کو کسریٰ کے قتل کی خبر ملی، جیسا کہ رسول اللہ نے انہیں بتایا تھا تو وہ اور اس کے ہم نوا مسلمان

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہو گئے۔ شیخ محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد اسلام نصرانی اور مجوسی دونوں گروہوں میں بہت زیادہ پھیل گیا[1]۔

سیرت مبارکہ کے مطالعہ سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ ہر جنگ اور بحران کے بعد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نئی فتح عطا کرتا ہے اور اسلام مزید پھیلتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد ہی حضرت عمر کے عہد میں اسلامی فوج تیار ہوتی ہے جو ہمیشہ کے لیے فارسی سلطنت کا خاتمہ کردیتی ہے۔

تیسرا خط رسول اللہ کے دوست اور حبشہ کے قابل احترام بادشاہ اصحمہ کے نام تھا جس کا لقب نجاشی تھا اور جو اسلام کے بارے میں جعفر بن ابی طالب کے ذریعہ متعارف ہوا جب وہ مسلمانوں کے پہلے گروہ کے ساتھ ہجرت کرکے حبشہ پہنچے تھے۔ وہ مہاجر مسلمانوں کے طرز زندگی سے واقف تھا۔ ان کا سلوک قریب سے دیکھا تھا۔ ان کی عبادتیں، معاملات اور راست گوئی دیکھی تھی، اس لیے ذہنی طور پر قبول اسلام کے لیے تیار تھا۔

یاد رہے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے عمرو بن عاص کو اسلام قبول کرنے کے لیے قائل کیا تھا اور وہ اس کے ہاتھوں پر مسلمان ہوگئے تھے۔ کتب سیرت میں ہے کہ رسول اللہ نے جن کو خطوط بھیجے ان میں اسلام لانے والے یہ پہلے شخص ہیں۔ مانا جاتا ہے کہ وہ جعفر بن ابی طالب کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرچکے تھے جب وہ ہجرت کرکے حبشہ گئے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ نجاشی نے اپنے راہبوں اور پادریوں پر مشتمل ایک وفد رسول اللہ سے ملنے اور دین اسلام کی معرفت حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ وفد آیا تو رسول اللہ نے خود ان کی خدمت کی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم خدمت کے لیے کافی ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے میرے صحابہ کی خاطر تواضع کی، میں چاہتا ہوں کہ میں بھی ان کی خاطر تواضع کروں۔ اس طرح رسول اللہ نے مہمانوں کا خاص خیال رکھنے کے علاوہ

---

[1] غزالی، مرجع سابق، ص361

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہمیں تواضع اور وفاشعاری کا بھی درس دیا۔ یہ اخلاق نبوی کی ایک اور مثال ہے۔ پھر رسول اللہ نے جب ان کے سامنے قرآن کی بعض آیتیں پڑھیں تو وہ مسلمان ہو گئے۔ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (52) رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ (53)﴾ (آل عمران: 52-53)

ترجمہ: پھر جب عیسیٰ نے ان کے اندر کفر پایا تو کہا کہ اللہ کی راہ میں کون میرے مددگار ہیں؟ حواریوں نے کہا ہم دین خدا کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل کیا اور رسول اللہ کی پیروی کی تو تو ہمیں گواہوں کے زمرے میں لکھ دے۔

رسول اللہ اور نجاشی کے بیچ تعلق اور محبت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے اپنے سرکش دشمن اور سردار قریش ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ سے اپنا نکاح کرانے کے لیے نجاشی کو اپنا وکیل بنایا۔ ام حبیبہ اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئی تھیں، لیکن ان کے شوہر حبشہ میں نصرانی ہو گئے اور وہیں مر گئے۔

رسول اللہ نے سوچا کہ انہیں اللہ کی راہ میں ہجرت کی مشقت اٹھانے کا بدلہ عطا کریں اور نکاح کے اعزاز سے نوازیں تاکہ وہ ام المؤمنین بن جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ نجاشی نے رسول اللہ کے وکیل کی حیثیت سے ام حبیبہ سے آپ کا نکاح کرادیا اور انہیں آپ کی طرف سے چار سو دینار بطور مہر دیے۔ نجاشی نے ایک ایسا نیک کام کیا جو دونوں کے بیچ باہمی محبت اور دوستی پر دلالت کرتا ہے[1]۔

جب جعفر بن ابی طالب کی معیت میں مہاجرین مدینہ آتے ہیں تو ان کے ساتھ ام حبیبہ بھی آتی ہیں۔ کتب سیرت میں مذکور ہے کہ جب اسی سال، یعنی نوویں ہجری میں،

---

[1] دویدار، صور من حیاۃ الرسول، ج3، مرجع سابق، ص266

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نجاشی کی وفات ہوئی تو رسول اللہ نے فرمایا "آج ایک نیک آدمی مر گیا۔ آؤ اپنے بھائی اصحمہ کی نماز جنازہ پڑھو"۔ چنانچہ سب مسجد گئے اور ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی[1]۔ یہ سب جانتے ہیں کہ غائبانہ نماز جنازہ مسلمانوں کی ہی پڑھی جاتی ہے۔ اس سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ نجاشی کے اسلام کے متعلق دلائل صحیح ہیں۔ لیکن اصحمہ کے بعد جو نیا بادشاہ ہوا اور نجاشی کے ہی لقب سے بنایا گیا، مسلمانوں کے ساتھ اس کی مرحوم بادشاہ جیسی مودت و محبت تو دور، دوستی کے مراسم بھی نہ تھے۔

سیرت نبوی میں غور کرنے والا شخص اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ رسول اللہ اپنے تمام دشمنوں کے ساتھ حکمت، احترام اور رواداری کے ساتھ پیش آئے تھے۔ اس سے قول باری تعالیٰ: ﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے) کی مطابقت ہوتی ہے۔ اگر رسول اللہ عمر بھر سب کے ساتھ اس شرافت کے ساتھ پیش آئے تو تقاضائے حکمت کے وقت تو اس طرح کا معاملہ یقینی تھا۔

اگلا خط جو رسول اکرم نے بحرین کے امیر منذر بن ساوی کے پاس بھیجا، جو کہ مجوسی اور کسریٰ کا پیروکار تھا، اس میں حکمت اور احترام کا نمونہ موجود ہے۔ اس خط میں لکھا تھا: "اے منذر! تم دنیا میں عظیم عقل کے مالک ہو، خیال رکھو کہ آخرت کے معاملہ میں کوتاہ عقل نہ ہو جاؤ۔ مجوسیت بدترین مذہب ہے۔ اس میں نہ تو عرب کی عزت ہے نہ اہل کتاب کا علم ہے۔ وہ ان سے نکاح کرتے ہیں جن سے نکاح پر شرم آنی چاہئے اور اس کا گوشت کھاتے ہیں جس کا گوشت کھانے سے بچنا چاہئے۔ وہ دنیا میں اس آگ کو پوجتے ہیں جو آخرت میں انہیں کھائے گی۔ تم عقل و خرد سے کام لیتے ہو تو غور کرو کہ وہ شخص جو دنیا میں

[1] دویدار، صور من حیاۃ الرسول، ج3، مرجع سابق، ص266۔ مزید دیکھیں: ابن قیم، ہدایۃ الحیاری، دار الکتاب العربی، بیروت، 2005، ص59

جھوٹ نہیں بولتا کیا تمہیں اس کی تصدیق نہیں کرنا چاہئے۔ جو خیانت نہیں کرتا کیا اسے امانت نہیں سونپنا چاہئے اور جو وعدہ خلافی نہیں کرتا، اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے؟"

علاء بن حضرمی خط لے کر منذر کے پاس پہنچے۔ عقل اور سمجھ داری پر مبنی اس دعوت میں اسے قائل کرنے والی بات نظر آئی تو اس نے بحرین کے باشندوں پیش اسلام پیش کیا، کچھ مسلمان ہو گئے اور کچھ مجوسیت اور یہودیت پر قائم رہے، اس لیے ان پر جزیہ عائد کیا گیا[1]۔

اسی وقت رسول اللہ نے عمرو بن عاص کو جلندی کے دو بیٹے جیفر اور عبد کے پاس، جو اس وقت عمان کے بادشاہ تھے، اسلام کی دعوت کی غرض سے بھیجا۔ دونوں نے رسول اللہ کے قاصد کی دعوت پر لبیک کہا اور خوشی خوشی اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ پہلا ملک تھا جو بغیر پس و پیش کے مسلمان ہو گیا۔ رسول اللہ نے ان لفظوں میں ان کے لیے دعا کی "اللہ تعالیٰ اہل غبیراء پر رحم کرے، یہ لوگ مجھے دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لے آئے"۔

ہرقل کے سوالات

ہم چاہتے ہیں کہ رسول اللہ کے خطوط کا سلسلہ بیزنطی سلطنت کے بادشاہ ہرقل کو بھیجے گئے خط کے ذکر کے ساتھ ختم کریں۔ اجمالی طور پر اس کا بھی مضمون وہی تھا جو دوسروں کو بھیجے گئے خطوط کا تھا، لیکن قابل توجہ امر رسول اللہ کے تئیں ہرقل کا خاص خیال تھا:

اس کے پاس خط لے کر دحیہ بن خلیفہ کلبی گئے۔ دحیہ پہنچے اور خط اسے سپرد کر دیا۔ اس وقت ہرقل بیت المقدس کی زیارت کے لیے گیا ہوا تھا۔ ہرقل کا ردعمل انتہائی قابل توجہ تھا اور ذہانت و سیاسی شعور پر مبنی تھا۔ اس نے مال کے ذریعہ رسول اللہ کے قاصد کی

---

[1] الغزالی، محمد، مرجع سابق، ص361

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عزت افزائی کی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے انہیں اس وہم میں ڈالا کہ اس نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ پھر انہیں رخصت کردیا۔

لیکن اس سے زیادہ اہم رسول اللہ کے بارے میں اس کے سوالات ہیں۔ رسول اللہ کا خط پڑھنے کے بعد اس نے اپنے فوجی افسروں کو ملک شام میں کسی ایسے شخص کا پتہ لگانے کا حکم دیا جس کا رسول اللہ سے خاندانی رشتہ ہو، تاکہ وہ اس سے رسول اللہ کی زندگی اور ان کی دعوت کے بارے میں پوچھ سکے۔ کافی تلاش کے بعد انہیں غزہ میں قریش کے ایک تجارتی گروہ کی خبر ملی، تو وہ انہیں ہرقل کے پاس لے آئے۔

جب ہرقل سے ان کی ملاقات ہوئی تو اس نے ان سے پوچھا کہ نسب کے اعتبار سے تم میں کون رسول اللہ سے زیادہ قریب ہے؟ ان میں ابوسفیان تھے، جنہوں نے کہا کہ وہ رسول اللہ کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ ہرقل نے باقی لوگوں کو کام پر جانے کا حکم دیا اور ابوسفیان کو اپنے پاس روک لیا۔ پھر اس کے ساتھ لمبی بات چیت ہوئی، اس سے خاص اہتمام سے پُر زبان میں رسول اللہ کی شخصیت، صفات، عادات اور آپ کی دعوت کے بارے میں پوچھنے لگا۔ پھر ابوسفیان کے ساتھ ہوئی اپنی بات چیت کی یوں تلخیص کی:

میں نے تم سے ان کے نسب کے بارے میں پوچھا۔ تم نے کہا کہ تمہارے بیچ ان کا نسب اچھا ہے۔ رسول ایسے ہی اپنی قوم کے صاحب نسب گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی اور نے بھی یہ دعویٰ کیا؟ تم نے کہا، کبھی نہیں۔ میں نے کہا کہ اگر ان سے پہلے کسی اور نے یہ دعویٰ کیا ہوتا تو میں کہتا کہ اس شخص نے کوئی نئی بات نہیں کہی ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا ان کے آباء میں کوئی بادشاہ تھا؟ تم نے کہا کوئی نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص اپنے آباء کی بادشاہت کا طلبگار ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا کبھی تم نے ان کے دعوائے نبوت سے پہلے ان پر جھوٹ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کی تہمت لگائی؟ تم نے کہا، کبھی نہیں۔ میں نے کہا کہ جو بندوں کے معاملے میں جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا کے معاملے میں کیوں کر جھوٹ بولے گا۔

پھر میں نے پوچھا کہ قوم کے اشراف ان کی پیروی کرتے ہیں یا کمزور لوگ؟ تم نے کہا کہ کمزور لوگ۔ میں نے کہا کہ رسول کے پیروکار ایسے ہی ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ ان کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے تو تم نے کہا کہ بڑھ رہی ہے۔ میں نے کہا کہ ایمان کا معاملہ ایسا ہی رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ مکمل ہو جاتا ہے۔

پھر میں نے پوچھا کہ کیا کوئی ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد مرتد بھی ہوتا ہے؟ تم نے جواب دیا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ ایمان جب دلوں میں گھر کر جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ دھوکہ دیتے ہیں؟ تم نے بتایا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ رسول دھوکہ نہیں دیتے۔

پھر میں نے پوچھا کہ رسول تمہیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ تم نے کہا کہ وہ حکم دیتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، وہ بتوں کو پوجنے سے روکتے ہیں اور نماز، سچائی اور پاکدامنی کا حکم دیتے ہیں۔ تو جو تم کہہ رہے ہو اگر وہ سچ ہے تو وہ میرے دونوں قدموں کی جگہ کے مالک ہو جائیں گے۔ مجھے پتہ تھا کہ وہ آنے والے ہیں، لیکن سوچا نہیں تھا کہ تم میں سے ہوں گے۔ پھر ہرقل نے یہ کہہ کر اپنی بات پوری کی کہ اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا[1]۔

اس طرح کے بصیرت پر مبنی نتائج اور تعریفات کے باوجود نامعلوم اسباب کی بناء پر ہرقل مسلمان نہیں ہوا جبکہ اس نے ایک طرح سے پیش گوئی کر دی تھی کہ اس کی فوج کو مسلمانوں سے شکست ملے گی۔ ہوا بھی یہی کہ کچھ ہی سالوں بعد اسلامی فوج کے ذریعہ بیت

[1] الملیباری، مرجع سابق، ص271

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

المقدس کو بیزنطی سلطنت سے آزاد کرانے کے بعد حضرت عمر بن خطاب بیت المقدس کے پادریوں سے اس کی کنجیاں لینے پہنچ گئے۔

خیبر-جزیرہ کے یہودیوں پر تسلط اور عمرہ کی ادائیگی

صلح کے ذریعہ قریش کو راستے سے ہٹانے کے بعد مسلمان خیبر کے یہودیوں سے نمٹنے کے لیے فارغ ہو گئے جنہوں نے سارے قبائل کو ان کے خلاف اکسار کھا تھا۔ یہ لوگ اور بنو نضیر غزوۂ خندق کی اصل وجہ تھے جس نے مسلمانوں کو ہلاکت کے قریب پہنچا دیا تھا۔ جزیرۂ عرب میں ان کی موجودگی مسلمانوں کے لیے دائمی خطرہ اور سازش کا اڈہ بنتی جا رہی تھی۔

ہجرت کے ساتویں سال کی ابتدا میں مسلمانوں کی فوج خیبر کی طرف نکلی جو کہ مدینہ سے قریب سو کلو میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ در حقیقت قریش کے ساتھ مسلمانوں کے صلح کر لینے کے بعد یہود بھی مسلمانوں کی طرف سے جنگ کی توقع کر رہے تھے۔ چنانچہ وہ چند محفوظ قلعوں میں رہ رہے تھے۔ ان کے پاس فوج اور ضروری اسلحہ جات تھے اور مسلمانوں کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھے۔

جب فوج پہنچی تو اللہ کے رسول نے قیادت اپنے چچازاد بھائی علی بن ابی طالب کو سونپ دی جو کہ اب اسلام کے ایک مشہور ہیرو ہو گئے تھے جب کہ عمر کی تیسری دہائی میں ہی تھے۔ علی اپنے لشکر کے ساتھ اہل خیبر کے قلعوں کی جانب بڑھے اور تمام قلعوں کو گھیر لیا۔ قریب بیس دنوں تک ان کا گھیراؤ کیے رکھا۔ پھر ایک کے بعد ایک قلعوں کو مسمار کرنا شروع کیا۔ جنگ بہت لمبی نہیں چلی تھی کہ سارے قلعے مسمار ہو گئے اور خیبر کے لشکر میں سے جو بچ گیا، اس نے خود سپردگی کر دی جب کہ 90 سے زیادہ لوگ مارے گئے۔

ان لوگوں نے نبی اکرم کے سامنے پیش کش رکھی کہ انہیں اہل و عیال سمیت اس خطے سے نکلنے دیا جائے اور جان کے عوض وہ مسلمانوں کے لیے اپنی املاک چھوڑ جائیں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

رسول اللہ نے یہ پیش کش مان لی۔ لیکن اس درخواست کے بعد ان لوگوں نے یہ تجویز رکھی کہ اگر ممکن ہو تو انہیں کھجور کی نصف پیداوار کے سالانہ ٹیکس کے عوض خیبر میں رہنے دیا جائے۔ رسول اللہ کو ان کی اس پیش کش میں مسلمانوں کے لیے بھلائی نظر آئی تو اس پر رضامند ہو گئے۔

جیسے ہی فدک کے یہودیوں نے خیبر کے یہودیوں کا حال سنا تو انہیں اچھی طرح سبق سمجھ میں آگیا اور اسی قسم کے انجام کا ڈر ہوا۔ چنانچہ جلدبازی میں جنگ کی نوبت آئے بغیر کھجور کی پیداوار کا نصف بطور ٹیکس دینے کے عوض صلح کی پیش کش لے کر اپنا قاصد بھیجا، جیسا خیبر کے یہودیوں نے کیا تھا۔ رسول اللہ نے ان کی پیش کش مان لی اور معاہدہ ہو گیا۔

اس طرح مسلمان قریش کے بعد اپنے سب سے خطرناک دشمنوں کو روکنے میں کامیاب ہوئے اور سب نے یہ سمجھ لیا کہ پورے جزیرۂ عرب میں اب مسلمانوں کو ہاتھ لگانا کسی کے بس میں نہیں۔ کمزوری اور لاچاری کے دن ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے۔

دوسری طرف ہجرت کے ساتویں سال یعنی عمرہ ادا کرنے کی مسلمانوں کی پہلی کوشش کو ایک سال گزرنے کے بعد اور ٹھیک اسی مہینہ میں جس میں مشرکین نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا، مسلمان معاہدہ کے مطابق عمرہ کی قضا ادا کرنے کے لیے نکلے۔

مسلمان سلامتی کے ساتھ مکہ میں داخل ہو گئے۔ قریش نے اپنے دروازے بند کر لیے اور کچھ اس ڈر سے پہاڑ کی طرف چلے گئے کہ کہیں مسلمانوں سے سامنا نہ ہو جائے۔ رسول اللہ نے تین دن مکہ میں گزارے۔ قریش کے کچھ لوگ پہلی بار بڑی حیرت واستعجاب کے ساتھ عمرہ کے ارکان، طواف اور نماز کا منظر دیکھ رہے تھے۔

مکہ میں قیام کے دوران رسول اللہ نے میمونہ بنت حارث سے شادی کی۔ اس وقت حویطب بن عبدالعزی رسول اللہ کے عمرہ کی مدت ختم ہونے کے بارے میں بتانے

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

آیا۔ رسول اللہ نے فرمایا: تمہارا کیا بگڑ جائے گا اگر میں تمہارے سامنے شادی کرتا، پھر ہم کھانے کا اہتمام کرتے اور تم شرکت کرتے۔ اس نے بے شرمی سے جواب دیا، ہمیں تمہارے کھانے کی کوئی ضرورت نہیں، نکل جاؤ یہاں سے۔

رسول اللہ مکہ میں اپنی موجودگی کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ شاید اپنے دشمنوں کو ولیمہ میں بلا کر طرفین کے جمود کو توڑ سکیں۔ لیکن ان لوگوں نے اپنی طرف بڑھے دست شرافت کو ٹھکرا دیا اور مسلمانوں نے مدینہ لوٹنے کا فیصلہ کر لیا۔

موتہ: شجاعت اور ایمان کی مثال

موتہ شام میں واقع ایک گاؤں ہے۔ ان دنوں شام کی حدود میں شام، فلسطین، لبنان اور اردن آتے تھے۔ موتہ آج اردن کی حدود میں واقع ہے۔ دیگر بلاد شام کی طرح موتہ بھی اس زمانے میں روم کی سلطنت کے تابع تھا۔ اس کے انتظامات غسانی مسیحی امراء دیکھتے تھے۔ انہیں بنیز نطینی قیصر ان کے علاقوں پر امیر مقرر کرتا تھا اور یہ بادشاہ کے تابع ہوتے تھے۔ جس طرح رسول اللہ نے دیگر بادشاہوں کے پاس خط لے کر اپنے قاصد بھیجے اسی طرح بصری کے گورنر حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس بھی دعوت اسلام کا خط لے کر ایک قاصد بھیجا۔ راستے میں موتہ بستی میں ان کی ملاقات شام میں قیصر کے ایک گورنر شرحبیل بن عمرو غسانی سے ہوئی۔ جب اسے پتہ چلا کہ آپ رسول اللہ کے قاصد ہیں تو اس نے آپ کو قتل کر دیا۔ ہم جانتے ہیں کہ قاصد کا قتل ہر تہذیب میں ایک بڑا مسئلہ ہے اور یہ تو رسول اللہ کے قاصد کا قتل تھا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جب رسول اللہ کو اس بات کی خبر ملی تو آپ نے 3000 افراد پر مشتمل ایک فوج تیار کی اور قیادت زید بن حارثہ کو سونپی[1]۔ فوج کو حکم دیا کہ اگر زید ہلاک ہو جائیں تو ان کے بعد قیادت رسول اللہ کے چچازاد بھائی جعفر بن ابی طالب سنبھالیں اور وہ ہلاک ہو جائیں تو قیادت عبداللہ بن رواحہ سنبھالیں۔

پھر رسول اللہ نے فوج کو اپنی مشہور وصیت کی: ”میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور ساتھی مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ کافروں کے خلاف اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔ دھوکہ نہ کرو اور نہ زیادتی کرو۔ کسی بچے، عورت یا بوڑھے شخص کو نہ مارو اور نہ اس کو جو گرجا گھر میں علاحدگی اختیار کر لے۔ کھجور کے باغ سے چھیڑ چھاڑ نہ کرو، نہ کسی درخت کو کاٹو اور نہ کسی عمارت کو مسمار کرو۔“

رسول اللہ نے اسلام کے جنگی قوانین کا خلاصہ پیش کر دیا۔ یہ باتیں عدل، احترام انسانیت اور فطرت کے اقدار و اصول ہیں اور یہ سب خلقِ الٰہی سے ہیں۔ بلاشبہ یہ باتیں ہمارے

---

[1] زید بن حارثہ کا واقعہ کئی اعتبار سے اہم اور غور و فکر کا متقاضی ہے۔ رسول اللہ نے روم کا مقابلہ کرنے کے لیے فوج کی قیادت ایسے شخص کو کیوں سونپی جو کہ معروف لوگوں میں سے نہ تھے، وہ بھی جنہیں حضرت خدیجہ نے آپ کو ہبہ کیا تھا اور آپ نے آزاد کر کے منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا؟ آج انہیں 3000 افراد پر مشتمل لشکر کی قیادت سونپ رہے ہیں جن میں آپ کے چچازاد بھائی اور اسلام کے ہیرو جعفر بن ابی طالب اور عرب کے مشہور سپہ سالار خالد بن ولید بھی تھے! اس کا جواب اس بات میں پوشیدہ ہے کہ یہاں بھی رسول اللہ ایک خاص سبق دے رہے ہیں اور وہ یہ کہ آپ کے نزدیک سبھی برابر ہیں، زید، جعفر اور خالد بن ولید میں کوئی فرق نہیں۔ ہر کسی کے لیے آپ کے دل میں ایک خاص مقام ہے لیکن اللہ کے نزدیک سبھی کنگھے کے دانت کی طرح برابر ہیں۔ اپنی وفات سے قبل رسول اللہ اسامہ بن زید بن حارثہ کو 17 سال کی عمر میں روم سے دوسری بار جنگ کے لیے فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجتے ہیں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اس عہد میں بھی مشہور عالمی قوانین اور جنگی اصول کی روح ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ترقی یافتہ قوانین جو اس عہد بعید میں نافذ تھے، انہیں آج کی مغربی تہذیب کے عہد میں روندا جارہاہے۔

لشکر نکلا۔ خود رسول اللہ نے انہیں رخصت کیا۔ جب وہ معان کے علاقہ میں پہنچے تو انہیں خبر ملی کہ قیصر نے ان کے لیے دو لاکھ فوجیوں پر مشتمل ایک عظیم لشکر تیار کر رکھا ہے، جن میں ایک لاکھ فوجی روم کے ہیں اور ایک لاکھ عرب نصرانی ہیں۔ ایک روایت ہے کہ اس نے مارب کے علاقہ میں فوجی چھاؤنی بنا رکھی تھی۔ مسلمان مقام معان میں دوران رک کر صورت حال کا جائزہ لیتے رہے۔ یقیناً معاملہ آسان نہ تھا۔ مسلمانوں کی چھوٹی فوج اتنے بڑے لشکر جرار کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے؟ کیا ہم رسول اللہ کی رائے لینے کے لیے انہیں خط لکھیں یا انہیں مدد کے لیے بلالیں۔ اسی کشمکش کے بیچ فوج کے تیسرے سپہ سالار عبداللہ بن رواحہ آگے بڑھے اور اپنی مشہور بات کہی۔ ہم دشمن کا مقابلہ تعداد، قوت یا کثرت کے ذریعہ نہیں کریں گے۔ ہم تو ان کا مقابلہ اس دین کے ذریعہ کریں گے جس کے ذریعہ اللہ نے ہمیں اعزاز بخشا ہے۔ نکل پڑو کیوں کہ ہمارے لیے دو نیکیوں میں سے ایک یقینی ہے، یا تو فتح یا پھر شہادت![1] مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوگئے اور ایمان کے علاوہ طاقت و قوت یا کسی اور چیز کی پروا کیے بغیر جنگ شروع کر دی۔

لگاتار تین دنوں تک اور ایک روایت کے مطابق سات دنوں تک نادرالمثال بہادری کے ساتھ جنگ چلتی رہی۔ پہلے سپہ سالار زید بن حارثہ شہید ہوگئے اور ان کے بعد جعفر بن ابی طالب نے قیادت سنبھالی۔ وہ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے دونوں ہاتھ کٹ گئے جبکہ وہ ابھی عمر کی تیسری دہائی میں تھے۔ بعض سیرت نگار لکھتے ہیں کہ جب وہ

---

[1] ابن ہشام، مرجع سابق، ص318

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

گر پڑے تو عبداللہ بن عمر نے انہیں پینے کے لیے پانی پیش کیا اور انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ میرا روزہ ہے۔

بعض سیرت نگار کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میرا روزہ ہے اور میں جنت میں ہی افطار کروں گا۔ دوسرے ہیرو کی طرح وہ بھی شہید ہو گئے اور تربیت نبوی کی تجلیات کا مظہر ایک سبق چھوڑ گئے۔ مشیت الٰہی دیکھیے کہ جعفر مدنی ہجرت کے ساتویں سال یہود خیبر کی شکست کے بعد یعنی اس جنگ سے کچھ دن قبل ہی ہجرت حبشہ سے لوٹے تھے۔ رسول اللہ نے ان کا یہ کہہ کر خیر مقدم کیا تھا کہ مجھے پتہ نہیں کہ مجھے خیبر کی فتح کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کی واپسی کی۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ حبشہ سے شہید ہونے اور اپنے خالق کے پاس بلند رتبہ پانے کے لیے ہی لوٹے تھے۔ پھر تیسرے قائد عبداللہ بن رواحہ شہید ہو گئے۔ اگلی صبح خالد بن ولید نے فوج کی قیادت سنبھالی۔ ان کی فوج پورے دن لڑتی رہی۔ دوسرے دن صبح خالد بن ولید نے فوج کی جگہ، عسکری ترتیب اور جھنڈے بدل دیے۔ جب روم والے بیدار ہوئے اور فوج کا نیا منظر دیکھا تو انہیں گمان ہوا کہ مسلمانوں کو مدد پہنچ گئی ہے، چنانچہ وہ پیچھے ہٹ گئے۔ موقع کا فائدہ اٹھا کر خالد بن ولید نے اپنی فوج کو سلامتی کے ساتھ وہاں سے نکال لیا۔

حیران کن امر یہ ہے کہ بعض کتب سیرت کے مطابق مسلمانوں کی صرف 12 جانیں ضائع ہوئیں، جبکہ دشمنوں کی فوج کا بڑا نقصان ہوا۔ کتب سیرت میں ہے کہ رسول اللہ تک جنگ کی خبریں پوری تفصیل کے ساتھ پہنچ رہی تھیں گویا آپ اپنی نظروں کے سامنے دیکھ رہے تھے۔

رسول اللہ صحابہ کرام کو مسجد نبوی میں جنگ کی تفصیلات بتا رہے تھے۔ آپ انہیں جنگ کے مناظر بتا رہے تھے اور شہید ہونے والوں کے نام شمار کرا رہے تھے۔ یقیناً صحابہ کرام اپنی فوج کے تعلق سے بہت پریشان تھے لیکن خالد بن ولید انہیں لے کر سلامتی کے ساتھ لوٹ گئے۔ رسول اللہ ان کی واپسی سے بہت خوش ہوئے اور انہیں سیف اللہ کا

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لقب عطا کیا۔ اس نادر المثال بہادری اور قربانی کے باوجود اہل مدینہ مسلمانوں کے جنگ چھوڑ کر لوٹنے سے خوش نہیں تھے اور جس فوج میں ان کے بیٹے اور مرد شامل تھے اس کی واپسی پر سخت احتجاج کیا۔ جب فوج سے ان کا سامنا ہوا تو وہ یہ نعرے لگا رہے تھے، "اے بھگوڑے، اے بھگوڑے! کیا تم اللہ کی راہ سے بھاگ آئے ؟"

لیکن رسول اکرم پچاس گنا بڑی فوج کے سامنے اپنی چھوٹی سی فوج کی ثابت قدمی پر فخر محسوس کر رہے تھے جو دشمنوں کو سخت نقصان پہنچائے بغیر واپس نہیں ہوئی۔ چنانچہ آپ نے اہل مدینہ سے کہا کہ وہ بھگوڑے نہیں ہیں، ان شاء اللہ دوبارہ حملہ آور ہوں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ فوج خود اپنی حصولیابیوں کے ساتھ پیچھے ہٹی، اس لیے یہ شکست نہیں بلکہ فتح تھی۔ کیوں کہ فوج کی حفاظت اور اسے لے کر سلامت لوٹنا بھی بذات خود فتح ہے۔ البتہ اہل مدینہ کی فوج پر برہی اگرچہ صحیح نہیں تھی، لیکن حقیقت میں وہ اس جذبۂ قربانی کا مظہر تھی جو اس وقت مسلمانوں کے نزدیک شرافت اور عزت و کرامت کے جذبات کا حصہ تھی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس چھوٹی سی فوج نے اپنی جنگی روح کے سبب خود روم کے سربراہوں میں دہشت و حیرت پیدا کر دی۔ وہ مسلمانوں کے جنگی ارادوں اور شہادت کی محبت سے اچھی طرح واقف ہو گئے۔ خالد بن ولید اور ان کے سپاہی عنقریب ہی ان سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ آخری بات یہ کہ مسلمانوں کی فوج نے اہل جزیرہ کے ہوش و حواس پر اپنی دہشت بٹھادی۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نویں فصل

مکہ: ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی

اس سال یعنی ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کا منصوبہ نہیں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین کا سال بنایا۔ اس سال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فتح مکہ کا وعدہ پورا کر دیا۔ یہ حتمی فتح اور مکہ کو مشرکین اور ان کے بتوں سے پاک کرنے کا سال تھا، تاکہ مکہ عہد ابراہیمی کی طرح پھر سے اپنی حرمت و جلال کے ساتھ توحید کا ربانی قلعہ بن جائے، شریعت اسلامیہ کے ذریعہ پاک ہو جائے اور محمدی عبادتوں کے طفیل بابرکت ہو جائے۔

جیسا کہ پیچھے مذکور ہوا، رسول اللہ نے ہجرت کے چھٹے سال مقام حدیبیہ میں قریش کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کیے اور اس کی دفعات کی پوری طرح پاسداری کی۔ کیوں کہ رسول زمین پر اللہ کے قاصد ہوتے ہیں، وہ عہد شکنی نہیں کرتے، دھوکہ نہیں دیتے اور نہ جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ برائیاں انبیاء و رسل کی فطرت میں نہیں ہوتیں، بلکہ اللہ کے عام نیک بندوں کی طبیعت میں بھی نہیں ہوتیں۔

لیکن ہوا یوں کہ قبیلۂ خزاعہ کے ایک شخص نے پرانے خاندانی اختلافات کے سبب بنی بکر کے ایک شخص پر زیادتی کر دی۔ قبیلۂ خزاعہ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوا تھا اور رسول اللہ کے اتحادیوں میں شامل ہو گیا تھا۔ یہ قبیلہ مکہ کے اطراف میں رہ رہا تھا۔ اس کے برعکس قبیلۂ بنی بکر نے ان ہی دنوں قریش کے ساتھ اتحاد کا معاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ فتنہ پھوٹ پڑا اور دونوں قبیلے برسرپیکار ہو گئے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اس وقت قریش نے رسول اللہ کے ساتھ کیے معاہدہ کو توڑا اور اپنے حلیف بنی بکر کے ساتھ ہو گیا اور ہتھیاروں کے ذریعہ ان کی مدد کی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے بعض افراد بشمول صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل قبیلہ خزاعہ کے خلاف جنگ میں شامل ہو گئے۔ جب خزاعہ کے کئی افراد ہلاک ہو گئے اور انہیں نیست و نابود ہو جانے کا خطرہ لاحق ہوا تو جان بچانے کے لیے اس امید پر کعبہ میں پناہ گزیں ہو گئے کہ مزید قتل سے بچ جائیں گے۔ خزاعہ کے ایک شخص نے بنی بکر کے نوفل نامی شخص کو آواز دے کر کہا، اے نوفل! ہم بیت الحرام میں داخل ہو گئے ہیں۔ تم اپنے خدا سے ڈرو! نوفل نے جواب میں کہا کہ آج کے دن کوئی خدا نہیں۔

بنی بکر نے خانۂ کعبہ کی حرمت کا بھی خیال نہیں رکھا اور حرم شریف میں بھی اپنے دشمنوں کو مارتے رہے۔ جلد ہی خزاعہ نے اپنے قاصد عمرو بن سالم خزاعی کو رسول اللہ کے پاس بھیجا تاکہ آپ کو صورت حال کی سنگینی سے آگاہ کرے اور مدد مانگے۔ رسول اللہ نے یہ کہہ کر مدد کا وعدہ کیا "اے عمرو! تمہاری مدد ضرور کی جائے گی"۔

مسلمانوں کے رسول اپنے مسلم بھائیوں کو یا جن لوگوں نے آپ کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا، ان کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ قریش عہد شکنی کریں اور انہیں اس کی سزا نہ ملے۔ اپنے غرور کے سبب قریش نے بصیرت سے کام نہ لیا اور اپنے کیے کے نتائج کا اندازہ نہیں کیا، وہ بھی رسول اللہ کے معاملے میں جب کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا، اسے رسول اللہ کبھی برداشت نہیں کریں گے۔ اس عہد شکنی کے سبب رسول اللہ قریش کے ساتھ امن کے معاہدے سے آزاد ہو گئے۔

ہم جانتے ہیں کہ اس معاہدے کو دو سال کے قریب ہی ہوئے تھے، لیکن یہ دو سال اسلامی سلطنت کے لیے حصولیابیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اس بیچ اسلام اور زیادہ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پھیلا اور جزیرہ کے یہود مدینہ کے مسلمانوں کے اقتدار کے سامنے سر نگوں ہوگئے، پہلے تو یہود خیبر ہوئے، پھر یہود فدک ہوگئے۔ مسلمانوں کی شہرت اور ان کی فتوحات کا چرچہ پورے خطے اور اس کے اطراف میں ہو گیا اور سب کے سب مسلمانوں کو احترام کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔

اس معاملے میں تاخیر کی گنجائش نہ تھی۔ رسول اللہ نے لشکر تیار کرنے کا حکم دیا اور کوچ کرنے کی تیاری شروع ہو گئی۔ لشکر کا رخ اور اس کے اہداف صیغۂ راز میں رہے، یہاں تک کہ رسول اللہ کے سب سے قریب ابوبکر، عمر اور علی بھی واقف نہ تھے۔ قریش کو مسلمانوں کی تیاری کا علم نہ تھا لیکن وہ خوب جانتے تھے کہ محمد ﷺ تکبر ور عونت میں کیے گئے ان کے اعمال کی سزا انہیں اپنے طریقے سے ضرور دیں گے۔

اسی بیچ سردار قریش ابوسفیان بن امیہ رسول اللہ سے ملنے کے لیے جلدی سے مدینہ پہنچا۔ اسے امید تھی کہ شاید قبیلۂ خزاعہ کے ساتھ ہوئے زدوکوب سے پیدا شدہ حالات سے نپٹنے کا کوئی حل نکلے اور شاید معاہدۂ امن کی تجدید بھی ہو جائے۔ وہ ایسا شخص تھا جو حقیقی خطرہ محسوس کیے بغیر حرکت میں نہیں آتا تھا۔

مدینہ پہنچ کر وہ سب سے پہلے اپنی بیٹی ام حبیبہ کے گھر گیا جنہوں نے حبشہ میں اپنے شوہر کی موت کے بعد نبی اکرم سے شادی کرلی تھی۔ لیکن وہ اس سے اس طرح نہیں ملیں جس کی اسے توقع تھی۔ بلکہ جب اس نے ان کے برابر میں بستر پر بیٹھنا چاہا تو زمین پر بچھا بستر سمیٹ لیا۔ اسے یہ بہت عجیب لگا۔ اس پر وہ بولیں کہ یہ رسول اللہ کا بستر ہے اور تم ایک مشرک اور ناپاک آدمی ہو۔ اس نے جواب دیا، قسم خدا کی مجھ سے دور ہونے کے بعد تم کو جادو یا اس قسم کی کوئی بیماری لگ گئی ہے اور سر پیٹتے ہوئے ان کے گھر سے نکل گیا۔

وہ نبی اکرم کے پاس گیا لیکن آپ نے ملنے سے منع کر دیا۔ پھر وہ ابوبکر کے پاس گیا کہ رسول اللہ سے اس کی سفارش کر دیں مگر انہوں نے بھی منع کر دیا۔ پھر عمر کے

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پاس گیا، انہوں نے بھی منع کر دیا۔ اس نے محسوس کیا کہ معاملہ بہت مشکل ہے اور آخری کوشش کے طور پر علی بن ابی طالب کے پاس گیا اور بولا، اے علی! تم رشتے میں میرے سب سے قریبی ہو، میں تمہارے پاس ایک حاجت کے تحت آیا ہوں، میں نامراد ہر گز نہ لوٹوں گا، اس لیے تم رسول اللہ سے میری سفارش کرو۔

علی نے جواب دیا تمہارے لیے ہلاکت ہو اے ابو سفیان! رسول اللہ نے فیصلہ کرلیا ہے اور ہم اس معاملے میں دخل اندازی نہیں کرسکتے[1]۔ علی کا جواب سن کر وہ اپنی کوششوں سے مایوس ہو گیا اور اسے محسوس ہوا کہ سارے راستے بند ہو گئے ہیں، چنانچہ نامراد مکہ لوٹ گیا۔

لوٹ کر اس نے قریش کو بتایا کہ معاملہ بہت خطرناک ہے اور اب ہر قسم کے انجام کے لیے تیار رہیں۔ ہوا بھی یہی کہ ہجرت کے آٹھویں سال 10 رمضان کو دس ہزار افراد پر مشتمل مسلمانوں کا لشکر مدینہ سے مکہ کی سمت نکلا۔

جب لشکر مکہ کے قریب پہنچا تو راستے میں رسول اللہ سے آپ کے چچا عباس ملے جو مکہ سے اپنے اسلام کا اعلان کرنے کی غرض سے آرہے تھے۔ رسول اللہ نے فرمایا، آپ آخری مہاجر ہیں اور میں آخری نبی ہوں۔ جب عباس نے فوج کی تعداد دیکھی تو کہا قریش کی خیر! اس سے پہلے کہ وہ رسول اللہ کے پاس آکر امان مانگ لیں، اگر رسول اللہ زبردستی مکہ میں داخل ہو گئے تو قریش کی ہمیشہ کے لیے ہلاکت یقینی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی

اسی رات طاقت کی ایک ہیبت ناک نمائش کے طور پر فوج نے اپنے عظیم پڑاؤ کے ارد گرد آگ روشن کی۔ اس خطہ نے پہلے کبھی اس کی نظیر نہ دیکھی تھی۔ جب قریش نے

---

[1] ابن ہشام، مرجع سابق، ص 336

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہ آگ دیکھی جو پورے شہر مکہ کو محیط تھی تو وہ خوف اور حیرت میں پڑ گئے اور پیغام نبوی ان تک خوب اچھی طرح پہنچ گیا۔ سردار قریش ابوسفیان نے کہا کہ میں نے اس سے زیادہ آگ کبھی نہ دیکھی تھی۔

اس طرح موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی پوری ہوئی جب انہوں نے کہا تھا "رب کا نور طور سینا سے آیا، کوہ ساعیر سے طلوع ہوا اور فاران کی چوٹی سے چمکا۔ اس کے ساتھ دس ہزار نیک بندے آئے اور اس کے دائیں ہاتھ میں روشن شریعت تھی" (سفر تثنیہ 23/2)۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے عظیم ربانی مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے نبی کے ساتھ چلنے کے لیے منتخب کیا تھا۔ یہ مکہ کو آزاد کریں گے اور اسے شرک اور بت پرستی سے پاک کریں گے۔

شام کے وقت عباس جائزہ لینے کے ارادے سے چھاؤنی سے نکلے۔ راستے میں ان کی ملاقات ابوسفیان سے ہوئی جو چھاؤنی کے ارد گرد چکر کاٹ رہا تھا۔ عباس نے اس سے کہا، دیکھو رسول اللہ دس ہزار لوگوں کے ساتھ آئے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ آپ مجھے کیا کرنے کا مشورہ دیتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اب میرے ساتھ آؤ، میں تمہارے لیے رسول اللہ سے امان مانگوں گا۔ کیوں کہ اگر وہ تمہیں پا گئے تو تمہاری گردن اڑا دیں گے۔

ابوسفیان کو ذرا بھی پس و پیش نہیں ہوا۔ وہ خوب سمجھ رہا تھا کہ عباس کا کیا مطلب تھا۔ چنانچہ وہ عباس کے ساتھ سوار ہوا اور دونوں رسول اللہ کے پاس گئے۔ لیکن رسول اللہ اس رات ان دونوں سے نہیں ملے اور عباس سے فرمایا کہ اسے لے کر کل آئیں۔ عباس اسے لے کر اگلی صبح پہنچے اور سردار قریش رسول اللہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔

اسی وقت عباس نے رسول اللہ سے چپکے سے کہا کہ یہ فخر پسند آدمی ہے اس لیے آپ کچھ ایسا کر دیں جس پر یہ فخر محسوس کرے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ یہ مکہ چلا جائے اور مکہ والوں سے کہے کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے، جو مسجد حرام

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

میں چلا جائے اسے امان ہے اور جو اپنا دروازہ بند کر لے اسے امان ہے۔ رسول اللہ نے اپنے دشمنوں کے سردار کو ایک ایسا شرف عطا کیا جس کی اسے توقع نہ تھی اور ابوسفیان کا گھر امن وسلامتی کی پناہ گاہ بن گیا۔

پھر عباس کو حکم دیا کہ اس سے قبل کہ ابوسفیان جا کر اپنی قوم تک نبی اکرم کا پیغام پہنچائے، دونوں مکہ کی سرحد کے پاس رکے رہیں۔ چنانچہ دونوں نے انتظار کیا اور تھوڑی دیر بعد ان کے سامنے سے فوج گزرنے لگی۔ ہر ٹکڑی اپنے قبیلے کی نمائندگی کر رہی تھی اور اپنے قبیلے کا جھنڈا لیے ہوئے تھی۔

جب بھی کوئی ٹولی گزرتی، ابوسفیان اس کے بارے میں پوچھتے، اور عباس انہیں ہر قبیلہ کا نام بتاتے۔ رسول اللہ کی فوج میں ان تمام قبائل کی شرکت سے ابوسفیان کو بڑی حیرت ہوئی۔ اخیر میں رسول اللہ سبز دستہ کی قیادت کرتے ہوئے گزرے۔ یہ لشکر کا سب سے بڑا حصہ تھا، جس میں مہاجرین اور انصار سبھی شامل تھے۔

ابوسفیان نے اس دستہ کے بارے میں پوچھا تو عباس نے بتایا کہ یہ مہاجرین اور انصار کا دستہ ہے۔ یہ منظر بڑا ہی ہیبت ناک تھا۔ ابوسفیان نے عباس سے کہا، اے ابوالفضل خدا کی قسم! تمہارے بھتیجے کا ملک بہت بڑا ہو گیا ہے۔ عباس نے جواب دیا کہ یہ نبوت ہے! اس نے کہا ہاں۔ پھر عباس نے اس سے کہا اب تم اپنی قوم کے پاس جاؤ اور جو دیکھا ہے بتا دو۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ مکہ لوٹ کر قریش کو آنکھوں دیکھا حال بتاتا، اس کے پاس سے ایک فوجی دستہ کے سربراہ سعد بن عبادہ کا گزر ہوا۔ سعد نے اس کی جانب متوجہ ہو کر کہا کہ آج اللہ نے قریش کو ذلیل کیا۔ جب رسول اکرم کو سعد کی بات کی خبر ملی تو غضبناک ہو گئے اور فرمایا، آج کا دن رحمت کا دن ہے۔ یہ وہ دن ہے جس میں کعبہ کو عظمت

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ملی۔ آج کے دن اللہ نے قریش کو عزت بخشی اور اسی وقت علی کو حکم دیا کہ سعد سے جھنڈا لے لیں۔

رسول اکرم نے انتقام کی دھمکی کے نعروں کو روک دیا، کیوں رسول رحمت انتقام کے لیے نہیں آئے تھے۔ وہ تو امن کا پیغام لے کر آئے تھے۔ یہ وہ عظیم موقع ہے جب نبی اکرم رحمت و محبت کے حقیقی پیغام کا مظاہرہ کریں گے، اسلام کے حقیقی پیغام کا مظاہرہ کریں گے، اسلام کی حقیقت، مکارم اخلاق اور عفو و درگذر کا مظاہرہ کریں گے اور نبی اکرم کے اس سلوک سے اہل مکہ اسلام قبول کر کے عزت پائیں گے۔ نبی اکرم کی خواہش تھی کہ فتح امن کے کے ساتھ حاصل ہو جائے۔ چنانچہ آگے کہیں گے کہ آج کا دن نیکی اور وفا کا دن ہے۔ آپ نے اس بات پر زور دیا کہ مکہ میں ایک قطرہ خون بھی نہ بہے۔

دوسری طرف جو کچھ دیکھا تھا، اس سے متاثر ہو کر ابو سفیان گئے اور اپنی قوم سے کہا۔ یہ محمد ہیں جو تمہارے پاس وہ لے کر آئے ہیں جو تم نے کبھی دیکھا نہیں۔ جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے، جو مسجد میں داخل ہو جائے اسے امان ہے اور جو اپنے گھر میں گھس کر دروازہ بند کر لے، اسے امان ہے۔ اس کی بیوی ہند بنت عتبہ اس کے برابر میں تھی، اس نے اس کی داڑھی پکڑی اور چلائی: اس چربی دار شخص کو مار ڈالو، اللہ برا کرے قوم کے اس سردار کا!

ابو سفیان نے اس کی پروانہ کی اور کہنے لگا۔ یہ تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ محمد تمہارے پاس ایسا لشکر لے کر آئے ہیں جیسا تم نے کبھی نہیں دیکھا ہو گا۔ جب قبیلہ کا سردار خود ہی لوگوں کو ڈرا رہا تھا تو جن کو ڈرا رہا تھا ان کا کیا حال ہو گا؟ چنانچہ لوگ آناً فاناً گھروں میں

گھس گئے اور دروازے بند کرلیے۔ کچھ لوگ رسول اللہ کے حکم کے مطابق مسجد حرام میں چلے گئے[1]۔

رسول اللہ نے اپنے لشکر کو چار بڑے گروپ میں بانٹا اور ہر قائد کو ہدایات دیں کہ کس گروپ کو کس راستے سے مکہ میں داخل ہونا ہے، مقصد یہ تھا کہ سارے گروپ مکہ میں اس کے چاروں راستوں سے ایک ہی وقت میں داخل ہوں۔ رسول اللہ نے انہیں سخت احکامات دیے کہ ہتھیار کا بالکل سہارا نہ لیں سوائے اس صورت کے جب اپنا دفاع کرنا ہو۔ مسلمانوں کا لشکر پرامن یا قریب قریب پرامن طریقے سے داخل ہوا۔

تین گروپ کو کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، چنانچہ وہ پرامن طریقے سے داخل ہوگئے۔ البتہ چوتھا گروپ جو خالد بن ولید کی قیادت میں تھا، اسے اطراف شہر میں ایک گروہ کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس گروہ کی قیادت مشرکین کا آخری سرکش عکرمہ بن ابوجہل کر رہا تھا۔ خالد اس گروہ کو سر کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس کے 14 افراد قتل ہوئے اور باقی بھاگ گئے، بھاگنے والوں میں عکرمہ بھی تھا۔ جب نبی اکرم کو خبر ملی تو اس مبارک دن میں خلاف خواہش واقعہ پیش آنے سے غمگین ہوئے، لیکن صورت حال کو سمجھ گئے۔

فاتح کی سجدہ ریزی

فاتح مکہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ میں داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے مہاجرین وانصار کا بڑا گروہ تھا اور ان کے پیچھے باقی لوگ تھے۔ رسول اللہ دس ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر مکہ میں داخل ہوئے، لیکن فاتحانہ شان سے نہیں گئے۔ دشمنوں پر فتح کے سبب اتراتے

---

[1] ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد، ج2، مرجع سابق، ص 220۔ مزید دیکھیں: الجزائری، مرجع سابق، ص 259-261

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہوئے آپ نے سر بلند نہیں کیا تھا اور نہ فتح عظیم کے نشہ میں تلوار لہراتے ہوئے یا دھمکاتے ہوئے داخل ہوئے۔

آپ نے تواضع کے ساتھ سجدہ کیا اور اللہ کا شکریہ ادا کیا، مکہ مکرمہ کی عظمت اور اللہ کے نزدیک اسکے مرتبہ کے سبب آپ نے سجدہ کیا۔ وہ رونگٹے کھڑے کرنے والا منظر تھا جو اپنے اندر تمام دینی جذبات اور بلند اخلاق لیے ہوا تھا۔ پوری انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں۔

رسول اللہ نے مکہ مکرمہ کی حرمت و کرامت بحال کردی اور اس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی روحانیت لوٹادی۔ آپ نے مکہ میں داخل ہوتے ہی اپنے ہاتھ میں عصا لیے اونٹ پر سوار ہو کر خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔ جب بھی 350 بتوں میں سے کسی کے پاس سے گزرتے اسے اپنے عصا سے دھکا دے دیتے تاکہ گر کر ٹوٹ جائے۔ آپ ”جاء الحق وزہق الباطل“ (حق آیا اور باطل مٹ گیا) کا ورد کر رہے تھے۔ پھر آپ نے کعبہ کو اندر سے صاف کرنے اور بتوں سے خالی کرنے کا حکم دیا۔ جب کعبہ بت پرستی اور شرک کے آثار سے پاک وصاف ہو گیا تو آپ اندر تشریف لے گئے اور تحیۃ المسجد الحرام کی نماز پڑھی۔

پھر آپ نکل کر کعبہ کے دروازے پر لوگوں کی بھیڑ کے سامنے کھڑے ہو گئے جو حقیقی امان کے احساس اور اطمینان کی سانس لینے کے بعد اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ سب کعبہ کے ارد گرد فاتح مکہ کا پہلا خطبہ سننے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ آپ نے خطبہ میں فرمایا: ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور دشمنوں کے گروہوں کو تنہا شکست دی۔ پھر فرمایا، اے جماعت قریش! اللہ نے تمہارے اندر سے جاہلیت کا غرور اور آباء پر فخر ومباہات کو دور کر دیا ہے۔ انسان آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے ہیں۔“ پھر آپ نے سورۃ حجرات کی یہ آیت کریمہ تلاوت کی: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓاْ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (13)﴾

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں گروہوں اور قبیلوں میں بانٹا تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ بے شک اللہ علم والا اور خبر والا ہے۔

پھر رسول اللہ نے اپنے مغلوب دشمنوں سے اپنا مشہور سوال پوچھا، اے جماعت قریش! تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟ لوگوں نے کہا کہ ہمیں خیر کی امید ہے، آپ شریف آدمی ہیں اور شریف انسان کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہ نے ان سے فرمایا: آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں۔ جاؤ، تم سب آزاد ہو۔ اس طرح مکہ میں سلامتی اور سکون کا ماحول ہو گیا۔

فاتح مکہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوئے اور تمام اہل مکہ کو عام معافی دے دی۔ اپنے ان دشمنوں کو معاف کر دیا جنہوں نے آپ سے جنگ کی اور بار بار قتل کرنے کی کوشش کی، بلکہ روئے زمین سے اس دین کو ہی نیست و نابود کرنے کے درپے تھے جو دین آپ لے کر آئے تھے۔ لیکن جب آپ مکہ میں فاتح ہو کر داخل ہوئے تو انتقام کے بارے میں نہیں سوچا بلکہ اخلاق محمدیہ کا مظاہرہ کیا اور حیرت انگیز طور پر عفو و درگذر کے اصول کو نافذ کیا۔

یاد کیجئے اس پہلے خطبہ کو جو رسول اللہ نے مدینہ پہنچنے کے دوسرے دن دیا تھا جب آپ نے میدان میں کھڑے ہو کر لوگوں کو سلامتی اور محبت کو عام کرنے کی دعوت دی تھی۔ انہیں بھائی چارہ اور صلہ رحمی کا درس دیا تھا اور ان ہی روحانی بنیادوں پر اپنے شہر کی بنیاد رکھی تھی اور آج قریب ایک دہائی کے بعد جب فاتح ہو کر مکہ داخل ہوئے ہیں تو سب کو معاف کر دیا ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مکہ میں فتح کے خطبہ میں آپ نے حلال و حرام کی بات نہیں کی، نہ لوگوں کو جہنم، عذاب یا برے انجام سے ڈرایا بلکہ لوگوں کو اسلام کے جوہر اور بنادی اقدار کے بارے میں بتایا، مساوات، عدل اور احترام انسانیت کے بارے میں بتایا۔ انہیں بھید بھاؤ اور نسل پرستی ختم کرنے کے بارے میں کہا اور اس طرح ان کے دلوں سے تکبر اور جاہلیت کی روح نکال لی اور سلام و محبت کی تہذیب کا بیج بودیا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اہل مکہ مسلمانوں کے لشکر کے داخل ہونے اور ان کے رہنما کی فتح سے بہت زیادہ پریشان اور ڈرے ہوئے تھے۔ لیکن ان سے پہلی ملاقات میں ہی انہوں نے روح نبوت کی تجلیات اور اس کی بلندی کو محسوس کرلیا، ان کے دل مطمئن ہوگئے اور مکہ مکرمہ میں سلامتی کا پہرہ ہوگیا۔ جلد ہی رسول اکرم نے ان کے دلوں میں جگہ بنالی۔

اس حکیمانہ سلوک اور بھلی برتاؤ کا اثر یہ ہوا کہ قریب قریب سبھی اہل مکہ اسلام اور نبی اسلام کی محبت میں رضاکارانہ طور پر اسلام میں داخل ہوگئے۔ امن اور محبت کے پیاسے دلوں نے بے پس و پیش اسلام قبول کرلیا۔ رسول اللہ نے انہیں اپنے متواضع سلوک اور ربانی پیغام کے ذریعہ اسیر کرلیا۔

دوسری طرف جب رسول اللہ کو کعبہ کی چابیاں سونپی گئیں تو آپ نے عثمان بن طلحہ کے بارے میں پوچھا جس کا خاندان زمانۂ جاہلیت میں ایک لمبے عرصہ سے چابیوں کا ذمہ دار تھا۔ چنانچہ عثمان آئے اور رسول اللہ نے انہیں یہ کہہ کر چابیاں لوٹادیں کہ اے عثمان! یہ تمہاری چابیاں ہیں۔ آج کا دن نیکی اور وفاشعاری کا دن ہے، جب رسول اللہ نے انہیں چابیاں لوٹادیں تو انہیں وہ بات یاد دلائی جو قریب بیس سال قبل ان سے کہی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہاں مجھے یاد ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں[1]۔

---

[1] ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد، ج2، مرجع سابق، ص222

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عثمان نے اپنا وہ قصہ دہرایا جو رسول اللہ کے ساتھ بعثت کے ابتدائی زمانہ میں پیش آیا تھا۔ جب رسول اکرم اس کے پاس کعبہ میں داخل ہونے کے ارادے سے آئے تو عثمان ان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور انہیں کعبہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ عثمان واقعہ کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے ان سے سخت کلامی کی، انہیں برا بھلا کہا تو انہوں نے اس دن میرے بارے میں ایک خواب دیکھا۔ رسول اللہ نے ان سے کہا تھا۔ اے عثمان! ایک دن یہ چابی تم میرے ہاتھ میں دیکھو گے اور اسے میں جسے چاہوں گا دوں گا۔ عثمان کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اس دن قریش ہلاک اور ذلیل ہو جائیں گے تو رسول اللہ نے جواب دیا تھا، نہیں بلکہ قریش اس دن باعزت ہوں گے اور آباد ہو جائیں گے۔

پھر فاتح مکہ کعبہ کے باہر بیٹھ کر ان سے ملنے لگے جو اسلام پر آپ کی بیعت کرنے آئے تھے۔ جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو عورتوں کی باری آئی۔ ان میں ہند بنت عتبہ بھی تھی جس نے آپ کے چچا کا سینہ چاک کر کے جگر چبالیا تھا۔ وہ ڈر اور شرم کے مارے اپنی شناخت چھپانے کی کوشش میں اپنا چہرہ ڈھانپ کر آئی لیکن جیسے ہی وہ کچھ بولی، رسول اللہ نے اسے پہچان لیا اور فرمایا، کیا تم ہند ہو؟ اس نے کہا ہاں! میں ہند ہوں۔ جو ہوا اسے معاف کر دیں، اللہ آپ کو معاف کرے گا۔ اس نے آپ کی بیعت کی اور چلی گئی۔ رسول اللہ نے اسے کوئی تکلیف دہ بات نہیں کہی۔

بلال: مکہ کی پہلی اذان

جب نماز ظہر کا وقت ہوا، رسول اللہ نے بلال کو اذان دینے کو کہا۔ تاریخ میں پہلی بار بلال خانۂ کعبہ پر چڑھے اور اللہ کا نام بلند کرنا شروع کیا۔ قریش اس منظر کو دیکھنے کے لیے حیرت واستعجاب سے گھر سے باہر نکل آئے۔ یہ بلال ہے، وہی غلام جسے مکہ میں بہت

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تکلیف دی گئی جو تکلیف کے سبب موت کے قریب پہنچ گیا تھا اور آج وہی کعبہ کے اوپر سے لاالہ الااللہ کی صدائیں بلند کر رہا ہے۔

اس طرح اسلام نے ان کے پاس بلال کو آزاد اور باعزت لوٹایا جو لوگوں کو اپنے خالق کو سجدہ کرنے کے لیے بلا رہے تھے۔ کچھ مشرکین اذان سن رہے تھے، لیکن انہیں اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ کچھ لوگوں کی طرف سے جاہلی اور نسلی تکبر میں ملا ہوا رد عمل سامنے آیا۔ چنانچہ عکرمہ کی بہن جویریہ بنت ابوجہل نے کہا، اللہ نے میرے باپ کو عزت بخشی جو کعبہ کے اوپر سے بلال کے ہنہنانے کی آواز نہ سنی۔

دوسری طرف کعبہ کے صحن میں قریش کے کچھ افراد کا ایک گروپ بیٹھا ہوا تھا۔ اس میں سردار قریش ابوسفیان بھی تھا۔ خالد بن اسد نے کہا کہ اللہ نے میرے والد کو عزت بخشی جو یہ دن نہیں دیکھا۔ اس کے ساتھی حارث بن ہاشم نے کہا کہ خدا کی قسم اگر مجھے پتہ ہوتا کہ وہ حق پر ہے تو میں ضرور اس کی پیروی کرتا۔ پھر ابوسفیان نے کہا، میں کچھ نہیں کہوں گا کیوں کہ اگر کچھ بولوں گا تو یہ کنکریاں رسول اللہ کو بتادیں گی۔ کچھ ہی منٹ ہوئے تھے کہ رسول اللہ ان کے پاس پہنچے اور ان سے فرمایا کہ مجھے پتہ ہے تم لوگ کیا کہہ رہے تھے۔ پھر آپ نے انہیں بتایا کہ وہ کیا باتیں کر رہے تھے۔ جس پر حارث نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں[1]۔

کتب سیرت میں فتح مکہ کے بعد سہیل بن عمرو کا بیان مذکور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر میں داخل ہوا اور دروازہ بند کرلیا اور محمد ﷺ کے بارے میں اپنا موقف یاد کرنے لگا جب صلح حدیبیہ کے معاہدہ کے وقت ان سے بات چیت کر رہا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ میں نے جنگ بدر و جنگ احد میں قریش کے لشکر میں مسلمانوں سے جنگ کی، پھر اپنے بیٹے عبداللہ بن سہیل سے کہا کہ رسول اللہ کے پاس جاکر میرے لیے پناہ مانگے۔ عبداللہ رسول

[1] ابن ہشام، مرجع سابق، ص350

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اللہ کے پاس گئے اور عرض کی کہ اللہ کے رسول! کیا آپ انہیں امان دیں گے؟ آپ نے جواب دیاہاں! اسے اللہ کی امان ہے۔ پھر آپ اپنے آس پاس کے لوگوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ "جو کوئی بھی سہیل بن عمرو سے ملے، اسے بری نظر سے نہ دیکھے۔ میری زندگی کی قسم! بے شک سہیل عقل و شرف والا ہے۔ سہیل جیسا آدمی اسلام سے نابلد نہیں"۔ رسول اللہ نے انہیں صرف امان نہ دی بلکہ ان کی طرف بری نظر سے دیکھنے سے بھی لوگوں کو منع کیا۔ جب ان کا بیٹے لوٹ کر آئے اور انہیں بتایا جو رسول اللہ نے فرمایا تھا تو بولے، قسم خدا کی وہ چھوٹے تھے تب بھی نیک تھے، بڑے ہیں تب بھی نیک ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ سہیل اب تک مشرک تھے اور مکہ والوں کے گروہ کے ساتھ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ قابل توجہ ہے کہ رسول اللہ نے معافی عطا کی اور اس کے بارے میں کوئی منفی رائے قائم نہیں کی، بلکہ اس کی عقل اور مرتبے کا احترام کیا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ سرکش مشرکین کے خلاف جنگ حنین میں انہیں اپنے ساتھ شرکت کی اجازت دی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ساتھ رسول اللہ کے سلوک نے ان کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی اور وہ رضا کارانہ طور پر مسلمان ہو گئے۔ یہاں بھی ہمیں رسول اللہ نے اللہ کے صریح حکم "لا اکراہ فی الدین" (دین میں کوئی زبردستی نہیں) کو نافذ کرنے کی تعلیم دی۔

اسلام کے مشہور دشمن عکرمہ بن ابو جہل کا ایک واقعہ ہے۔ یہ اس سرکش گروپ میں تھا جس نے خالد بن ولید کے گروپ کے مکہ میں داخل ہونے میں مزاحمت کی۔ جب خالد ان پر غالب آگئے تو وہ جدہ کے قریب شعیبہ کے بندرگاہ سے سمندری سفر کی کوشش میں بھاگ گیا، لیکن اس کی بیوی ام حکیم مسلمان ہو گئی۔ اس نے نبی اکرم کو جا کر بتایا کہ اس کے شوہر کو جان کا خطرہ لاحق ہے، اس لیے وہ بھاگ گیا ہے۔ اس نے رسول اللہ سے درخواست کی کہ اسے امان دیدیں۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ اسے امان ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وہ اسے تلاش کرنے نکلی اور جب اسے شعیبہ کے بندر گاہ میں پایا تو اس سے بولی اے چچا کے بیٹے! میں تمہارے پاس اس شخص کے پاس سے آئی ہوں جو سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا، سب سے نیک اور سب سے بہتر انسان ہے، اس لیے خود کو ہلکان نہ کرو۔ میں نے رسول اللہ سے تمہارے لیے امان مانگی اور انہوں نے ہمیں امان دیدی ہے۔ عکرمہ کو اس شخص سے معافی ملنے پر جس کے قتل کے لیے اس نے پوری زندگی صرف کردی حیرت ہوئی، لیکن اس بات کا یقین دلانے کے بعد اسے اطمینان کے ساتھ مکہ لے آئی۔ عکرمہ کے پہنچنے سے پہلے رسول اللہ کو اس کی آمد کا علم ہو گیا اور آپ نے اپنے ماننے والوں سے فرمایا کہ تمہارے پاس عکرمہ مسلمان ہو کر اور مہاجر ہو کر آئے گا۔ تم اس کے باپ کو گالی نہ دینا، کیوں کہ میت کو گالی دینے سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ گالی مردے کو نہیں پہنچتی[1]۔

رسول اللہ نے صرف اسے معاف نہیں کیا بلکہ اس بات کا بھی خیال رکھا کہ اس کے جذبات مجروح نہ ہوں اور وہ مسلمانوں سے کوئی ایسی بات نہ سنے جس میں اس کے والد کے تئیں ناگواری کے جذبات ہوں۔

مکہ پہنچتے ہی اس کی بیوی اسے رسول اللہ کے پاس لے گئی اور اس نے اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا۔ رسول اللہ نے اس کی یہ کہہ کر عزت افزائی فرمائی کہ "آج تم مجھ سے کوئی بھی چیز مانگو جو میں کسی کو دے سکتا ہوں، تو میں تمہیں ضرور دوں گا۔" عکرمہ نے کہا کہ میں نے آپ سے جو دشمنی کی یا آپ کے سامنے یا غائبانے میں کوئی بات کہی، اس کے

---

[1] یہاں اس بات کی جانب اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل ان سات لوگوں میں سے تھے جن کا خون نبی اکرم نے مکہ میں مباح کردیا تھا، جن لوگوں نے اسلام سے جنگ کی اور اسے سخت نقصان پہنچایا۔ ان میں وحشی بھی تھا جس نے حضرت حمزہ کو قتل کیا اور ہند بنت عتبہ بھی تھی جس نے ان کی نعش کو مسخ کیا لیکن جب وہ مسلمان ہو گئے تو اللہ کے رسول نے سب کو معاف کردیا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لیے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ نے اس کے ہر قول و فعل کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کی۔

عکرمہ مسلمان ہو گئے اور اللہ کی راہ میں بہت بڑے مجاہد ثابت ہوئے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ سب سے شدید دشمن آپ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے صحابی ہو گئے۔ عابد وزاہد ہو گئے اور جہاد کرتے کرتے شہید ہوئے۔ اس سے بڑی بات یہ کہ انہوں نے رسول اللہ کے سامنے خود سے اس بات کا عہد کیا کہ میں نے اسلام دشمنی میں جتنا مال خرچ کیا، اس کا دو گنا اللہ کی راہ میں خرچ کروں گا اور اسلام کے خلاف جس قدر جنگ کی ہے، اس سے کہیں زیادہ اسلام کے لیے کروں گا۔ سچ مچ انہوں نے اپنا عہد پورا کیا، اپنا سارا مال مسلمانوں کے لیے خرچ کر دیا اور زندگی بھر پرچم اسلام کی بلندی کے لیے جہاد کرتے رہے۔ وہ سنہ 15 ہجری میں خالد بن ولید کی قیادت میں روم کے خلاف یرموک کی جنگ میں شہید ہو گئے۔ ان کا ایک دلچسپ واقعہ مذکور ہے۔ وہ یہ کہ جب جنگ تیز ہو گئی تو وہ اپنے گھوڑے سے اتر گئے اور اپنی نیام توڑ کر دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے۔ جب خالد بن ولید نے یہ منظر دیکھا تو ان سے کہا اے بھائی! ایسا نہ کرو، تمہارا قتل مسلمانوں پر گراں گزرے گا۔

عکرمہ نے جواب دیا، خالد تم دور ہو جاؤ! میں نے اپنی جان پر کھیل کر رسول اللہ کے خلاف جنگ کی تو کیا اب اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ میں بچا کر رکھوں گا؟ پھر مسلمانوں کو آواز دی کہ موت پر کون بیعت کرے گا؟ چنانچہ ان کے چچا حارث بن ہشام بن مغیرہ، ضرار بن ازور اور چار سو مسلمانوں نے بیعت کی۔ ان لوگوں نے بے مثال بہادری کے ساتھ جنگ کی۔ کہا گیا ہے کہ اس تاریخی جنگ میں وہ سب کے سب شہید ہو گئے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہم نے رسول اللہ کی سیرت کے اسباق کی حیثیت سے چند واقعات کا ان کی اہمیت کے پیش نظر ذکر کیا تاکہ ہم جان سکیں کہ اپنے ایسے دشمنوں کے ساتھ جنہوں نے آپ کا اور آپ کی رسالت کا خاتمہ کرنے کی حتی الوسع کوشش کی، آپ نے کیسا برتاؤ کیا اور جب آپ نے ان کے ساتھ عفو ودر گذر اور احترام کا معاملہ کیا اور سب کو معاف کر دیا تو وہ کس طرح اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والے نیک بندے بن گئے، بلکہ ہر کسی نے اپنی جگہ پر بے مثال جہاد کیا اور سب نے اسلامی سلطنت کے پرچم تلے شہادت کا جام پیا۔

یہاں تک کہ وحشی کے لقب سے مشہور وہ حبشی غلام جس نے رسول اللہ کے چچا حضرت حمزہ کو جنگ احد میں شہید کیا جب آپ کے پاس مسلمان ہو کر آیا تو آپ نے اسے معاف کر دیا لیکن یہی وہ اکلوتا شخص ہے جس سے رسول اللہ نے فرمایا، چلے جاؤ، مجھے اپنا چہرہ نہ دکھانا۔ اس نے اپنی پوری زندگی گزار دی اور پھر کبھی رسول اللہ کے سامنے نہ ہوا۔

وہ اسلامی لشکر میں سپاہی بن گیا اور مرتدین کے خلاف جنگ میں ابو بکر صدیق کے لشکر میں اسے شریک ہونا نصیب ہوا۔ سیرت کی بعض کتابوں کے مطابق وحشی نے ہی اس جنگ میں نبوت کا دعوی کرنے والے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا۔ اس نے کہا، میں نے اگر قتل کیا ہے تو سب سے بہتر انسان حمزہ اور سب سے بدتر انسان مسیلمہ کو قتل کیا ہے۔ وہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب کے قتل کے لیے اللہ سے معافی مانگتا تھا۔

فتح مکہ کے بعد جو تھوڑے دن رسول اللہ نے مکہ میں گزارے انہیں دنوں میں ایک دن آپ طواف کعبہ کے لیے تشریف لے گئے۔ فضالہ بن عمیر نامی ایک شخص آپ کے پیچھے لگ گیا جو آپ کے قتل کے ارادے سے آپ کے پیچھے چل رہا تھا۔ اس نامراد نے اللہ کے رسول اور فاتح مکہ کے قتل کے بارے میں سوچنے کی جرأت کی جب کہ آپ کے پیچھے دس ہزار لوگ تھے اور قریب قریب سبھی مکہ والے ایمان لا چکے تھے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ وہ باقی ماندہ بدترین مشرکین میں سے ایک تھا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وہ جیسے ہی رسول اللہ سے قریب ہوا، آپ نے اسے پہچان لیا، حالاں کہ اسے دیکھنے کے لیے آپ اس کی طرف مڑے بھی نہیں تھے۔ آپ نے پیچھے دیکھے بنا اس سے پوچھا، کیا تم فضالہ ہو؟ اس نے جواب دیا، ہاں رسول اللہ! میں فضالہ ہوں۔ آپ نے اس سے فرمایا، تمہارے دل میں کیا چل رہا تھا؟ فضالہ نے جواب دیا، کچھ بھی نہیں، میں تو اللہ کو یاد کر رہا تھا۔ اس کی اس بات پر رسول اللہ ہنس پڑے اور فرمایا اللہ سے معافی چاہو۔

پھر رسول اللہ اس کی جانب متوجہ ہوئے اور اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا۔ جلد ہی اس کے دل کو سکون مل گیا اور اس کے چہرے پر تبدیلی اور انشراح کے آثار نمایاں ہوئے۔ کچھ گھڑی بعد رسول اللہ نے اسے چھوڑ دیا اور بغیر کچھ بولے آگے بڑھ گئے۔ فضالہ اسی جگہ جوں کا توں کھڑا رہا۔ پھر جلدی سے اپنے گروپ کے لوگوں کے پاس پہنچا اور انہیں پورا واقعہ بتایا اور ان سے کہا، قسم خدا کی جیسے ہی انہوں نے اپنا ہاتھ میرے سینے سے ہٹایا، اللہ کی مخلوقات میں کوئی چیز میرے نزدیک ان سے زیادہ محبوب نہ رہی۔

فتح مکہ کے بعد بھی رسول اللہ راحت وسکون کی سانس نہیں لے پائے کیوں کہ مدینہ واپسی سے قبل دوسری بڑی مہمات آپ کے انتظار میں تھیں۔ ان میں سب سے بڑی مہم آپ کی دعوت کو ٹھکرا کر حنین کے علاقہ میں آپ سے جنگ کے لیے تیار مشرکین کے بڑے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلامی لشکر کی قیادت تھی۔ چنانچہ آپ نے اس سرکشی کا خاتمہ کیا۔

جب آپ نے تمام تر مہمات سر کرلیں اور مکہ میں تاریخی کامیابیوں سے بھرپور تھوڑی مدت گزار لی تو آپ نے انصار کو کہتے سنا کہ جب اللہ نے محمد پر اپنی زمین کشادہ کر دی ہے تو اپنے گھر لوٹ گئے ہیں، اب وہیں رہیں گے اور مدینہ کو بھول جائیں گے۔ رسول اللہ نے انہیں جواب دیا، اللہ کی پناہ! میری زندگی اور موت سب تمہارے بیچ ہے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

معرکہ حنین و طائف کے بعد آپ انصار کے ساتھ مدینہ منورہ لوٹ گئے جو کہ اسلامی سلطنت کی راجدھانی بنا۔

مدینہ واپسی

فتح مکہ پورے جزیرہ کے لیے فتح ثابت ہوئی۔ جب اللہ کا وعدہ پورا ہو گیا، رسول کی آرزو بر آئی اور اہل قریش مسلمان ہو گئے اور جزیرۂ عرب سے جاہلیت کا عہد ختم ہو گیا، اور جب آٹھ سال پر محیط کامیابیوں پر رسول اللہ نے فتح مکہ کا تاج پہنایا، اس کے بعد کچھ ہی ہفتوں میں قبائل ایک لڑی میں جڑ گئے۔ ان کے سامنے قریش کی اہمیت تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ بچا اور پورا جزیرۂ عرب رسول اللہ کے تابع ہو گیا۔ اس طرح جزیرۂ عرب پہلی اسلامی ریاست بن گیا۔ دنیا کے نقشے پر مسلمانوں کو ایک مستحکم اور امتیازی جغرافیائی وجود ملا اور مدینہ اس کی راجدھانی اور صدر ریاست کی قیام گاہ بنا، پھر پے درپے وفود آنے لگے۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ ہجرت کے نویں سال کے نصف اخیر میں وفود کی تعداد 90 ہو گئی۔

اکثر وفود جزیرہ کے اطراف و جوانب سے اپنے اسلام کا اعلان کرنے یا پھر اسلامی ریاست کے حق میں اپنی حمایت کا اعلان کرنے آتے۔ فطری طور پر وہاں کچھ ایسے خطے بھی تھے جس نے اپنے اعتقادات اور اپنے مذاہب پر باقی رہنا بہتر سمجھا اور ان پر ان کے دفاع کے عوض ٹیکس عائد کیا گیا، البتہ سارے کے سارے خطے اسلامی ریاست کے تابع ہو گئے۔

رسول اکرم ان وفود کو دین اسلام سمجھاتے، دین و ایمان کے ارکان بتاتے، فرائض اور دیگر مذہبی امور کی تعلیم دیتے اور اس کے بعد اسلام لانے نہ لانے کا اختیار ان کے اوپر چھوڑ دیتے۔ یاد رہے کہ مسلمان فاتح تھے اور اپنی قوت کی بلندی پر تھے، اس لیے وہ جس پر جو چاہتے لازم کر سکتے تھے، لیکن اس کے باوجود رسول اللہ نے کسی کو اسلام میں داخل

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہونے کے لیے مجبور نہیں کیا۔ جب وہ رضاکارانہ طور پر مسلمان ہوجاتے تو ان کے اوپر ان میں سے ہی کسی کو امیر مقرر کردیتے، اگر ان کا موجودہ امیر ہی اہل ہوتا تو اسے ہی باقی رکھتے۔ جب وہ واپس جاتے تو انہیں دین کی تعلیم دینے اور سنن و واجبات کی توضیح کے لیے ان کے ساتھ اپنا ایک نمائندہ بھیجتے[1]۔

قابل توجہ ہے کہ جب نجران کے عیسائیوں کے وفد نے مسجد نبوی میں عبادت کرنا چاہی تو بعض صحابہ نے انہیں روکنے کی کوشش کی، لیکن جب رسول اللہ کے پاس ان کی درخواست پہنچی تو آپ نے انہیں اپنی مسجد میں عبادت کی اجازت دیدی اور فرمایا "دعوھم یصلوا" (انہیں عبادت کرنے دو)۔ اس قدر حکمت اور رواداری میں اسلامی مسیحی بھائی چارہ کی دلیل ملتی ہے۔ تاریخ آگے چل کر اس بھائی چارہ کی حقیقت پر شواہد پیش کرتی ہے اور ہم ان خلفا کے عہد میں جو کہ علوم محمدی سے سیراب تھے اور نبوی وراثت یعنی علوم نبوت جن کی رگوں میں جاری تھے، یہ دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کا انسانی اور اخلاقی برتاؤ کیسا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ کے مطابق وہ دینی بھائی اگرچہ نہ تھے لیکن بحیثیت انسان بھائی تھے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ خلفاء بیت المال کا ایک حصہ عمر دراز اور تنگ دست عیسائیوں کے لیے سوشل سیکورٹی کے طور پر مختص کرتے تھے۔ اس سے بڑی بات عمر بن خطاب کے پوتے عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ اسلامی ریاست میں مسلمانوں کے بیت المال سے عیسائی جوانوں کی شادی پر مال خرچ کرتے تھے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ قرض کی ادائیگی سے عاجز یہودیوں اور عیسائیوں کے قرض بھی بیت المال سے ادا کرتے تھے۔ یہی حقیقی چہرہ ہے اسلام محمدی کا جس کی ہم بات کرتے ہیں۔

---

[1] دویدار، صور من حیاۃ الرسول، مرجع سابق، ج4، ص211

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

حجۃ الوداع: اے اللہ گواہ ہو جا!

دوسری طرف ہجرت کے دسویں سال موسم حج میں رسول اللہ نے حج کا ارادہ رکھنے والوں کے ساتھ فریضۂ حج کی ادائیگی کا فیصلہ کیا۔ رسول اللہ محسوس کر رہے تھے کہ اب موت قریب ہے۔ انہوں نے اس بات کا اشارہ کیا تھا کہ یہ ان کا آخری حج ہو گا۔ جزیرۂ عرب کے ہر چہار جانب سے قبائل اس امید پر جمع ہو گئے کہ انہیں اپنے رسول کے ساتھ اس مخصوص حج میں شرکت کا شرف عظیم اور ثواب میسر ہو جائے۔ قبائل مدینہ میں جمع ہو گئے اور حاجیوں کی تعداد ایک لاکھ ہو گئی۔ کچھ نے یہ تعداد کم اور کچھ نے زیادہ بتائی ہے۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ جزیرۂ عرب نے اتنا بڑا مجمع پہلی بار دیکھا تھا۔

حجۃ الوداع ایک دینی، تربیتی اور تعلیمی حج تھا۔ یہ کسی اور حج کی طرح نہیں تھا، یہ آسمانی شریعتوں کی تکمیل اور زمین پر رسول اللہ کی مہم کے انجام تک پہنچنے کا حج تھا۔ قبائل جیسے ہی اپنے رسول کے پیچھے پیچھے نکلے، لبیک اللھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک، ان الحمد والنعمۃ لک کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ جب رسول اللہ اپنے قافلے کے ساتھ مکہ کے قریب مقام ذوالحلیفہ پہنچے تو حجاج کا مجمع وہاں قیام پذیر ہوا۔ صبح کو سب نے اپنے معلم اور مربی کی طرح احرام باندھے، حج کی نیت کی اور دعائیں پڑھیں۔ مسلمان دعاؤں کا ورد کر رہے تھے اور ہر قدم پر اپنے نبی کی پیروی کر رہے تھے۔

سب مناسک حج کی ادائیگی کے لیے نکلے۔ جب رسول اللہ نے کعبہ کو دیکھا تو بارگاہ رب العزت میں عرض گزار ہوئے، اے اللہ! اس گھر کی عزت و عظمت اور ہیبت میں اضافہ فرما! حج و عمرہ کرنے والوں کی عزت و عظمت، اعزاز و اکرام اور نیکی میں اضافہ فرما! پھر آپ نے حج کے ارکان ادا کیے اور دعائیں کیں۔ صحابۂ کرام آپ کی تعلیمات کو عملی طور پر نافذ کر رہے تھے تاکہ یہ تعلیمات ان کے شعور کا حصہ بن جائیں اور ان کی عبادت و ریاضت کا بنیادی جز قرار پائیں۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پھر حج نبوی کے مناسک کی تکمیل کے طور پر خطبۃ الوداع کی باری آئی۔ اس میں رسول اکرم بیت الحرم، صحابہ کرام اور مسلمانوں کو الوداع کہہ رہے تھے۔ یہ تبلیغ رسالت اور اللہ کی جانب سے سونپی گئی مہم کی ادائیگی کی گواہی تھی۔ آپ نے مسلمانوں کو الوداع کہا اور انہیں اس بات پر گواہ بنایا کہ آپ نے آسمانی رسالت لوگوں تک پوری کی پوری پہنچادی۔ خطبۃ الوداع میں مذکور ہوا اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا مہینہ اور کون سا دن ہے؟

لوگوں نے کہا ہم حرمت والے دن، حرمت والے مہینے اور حرمت والے شہر میں ہیں۔ آپ نے فرمایا، تمہارے خون اور مال ودولت تم پر قیامت تک کے لیے تمہارے اس شہر میں، تمہارے اس مہینے میں تمہارے اس دن کی حرمت کی طرح حرام ہیں۔ یقیناً تم اپنے رب سے ملوگے تو وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ کیا میں نے تمہیں پیغام الٰہی نہیں پہنچا دیا؟ لوگوں نے کہا،ہاں! آپ نے فرمایا،اے میرے رب تو گواہ ہوجا۔ پھر سورۃ توبہ نازل ہوئی:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (36)﴾

ترجمہ: بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ ہے اللہ کی کتاب میں جب سے اس نے آسمان وزمین بنائے، ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ یہ سیدھا دین ہے، تو ان مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو اور مشرکوں سے ہر وقت لڑو جیسا کہ وہ تم سے ہر وقت لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔

آپ نے اپنا خطبہ اس بات پر زور دیتے ہوئے جاری رکھا کہ جس کے پاس کوئی امانت ہو وہ اسے لوٹادے اور انہیں حکم دیا کہ جس کسی کے ذمہ کسی کا قرض ہو وہ قرض خواہ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کو لوٹادے۔ پھر سود کو حرام قطعی قرار دیا اور اسے جاہلیت کا عمل بتایا، پھر اس بات پر خطبہ مکمل کیا کہ یہ سیدھا دین ہے۔ اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور میرے بعد کافر نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارو۔ کیا میں نے پیغام الٰہی نہیں پہنچا دیا؟ لوگوں نے کہا ہاں! آپ نے کہا اے اللہ تو گواہ ہوجا!

پھر مسلمانوں کو عورتوں کا مرتبہ اور احترام یاد دلایا۔ چنانچہ فرمایا، تم نے عورتوں کو اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمات سے ان کی شرم گاہوں کو حلال کیا ہے، اس لیے عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو۔ آگے فرمایا، اے لوگو! مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اور کسی کے لیے بھی اس کے بھائی کا مال اس کی مرضی کے بغیر جائز نہیں۔ اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارے باپ ایک ہیں۔ تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے ہیں۔ یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر تقویٰ کے علاوہ کوئی فضیلت نہیں۔ کیا میں نے پیغام الٰہی نہیں پہنچا دیا؟ لوگوں نے کہا ہاں! آپ نے کہا اے اللہ! تو گواہ ہوجا!

پھر آپ نے کچھ کام کرنے اور کچھ سے باز رہنے کو کہا اور فرمایا میں نے تمہارے بیچ ایک واضح چیز چھوڑی ہے جس پر مضبوطی سے قائم رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، وہ چیز اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہے۔ تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو کیا کہو گے؟ لوگوں نے کہا، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے رب کی تعلیمات ہم تک پہنچائی، تبلیغ رسالت کا حق ادا کیا اور نیک کام کی نصیحت کی۔ آپ نے انگلی آسمان کی جانب اٹھائی اور فرمایا، اے اللہ، گواہ ہوجا، اے اللہ! گواہ ہوجا![1]

---

[1] مرجع سابق، ص 216-226، ابن ہشام، مرجع سابق، ص 509-511، الندوی، مرجع سابق، ص 398-400

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جب آپ نے فریضہ رسالت ادا کر دیا اور لوگوں کو اس بات پر گواہ بنادیا کہ آپ نے رب کے حکم کی تعمیل کر لی تو آپ پر الوداعی آیت نازل ہوئی: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ﴾

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔

آسمانی احکامات و شرائع کی تکمیل سے رب کی مخلوقات پر اس کی نعمت اور زمین پر آسمان کی نعمت پوری ہو گئی۔ قرآن اور سیرت نبی کی روشنی مکمل ہو گئی جس کی اتباع کرنے والا نہ کبھی گمراہ ہو گا نہ نامراد ہو گا۔

دو دہائی قبل رسول اللہ نے مٹھی بھر ایمان والوں کے ساتھ دعوتی مہم کا آغاز کیا تھا اور آج پورا جزیرۂ عرب اور اس کے ارد گرد کا خطہ آپ پر ایمان لا چکا تھا۔ رسول اکرم کا سفر لوگوں کو لا الہ اللہ کی دعوت دینے سے شروع ہوا اور ذمہ رسالت کی ادائیگی پر مسلمانوں کو گواہ بنانے کے ساتھ انجام کو پہنچا۔ پھر اللہ نے گواہی دی کہ اس کے رسول نے منصب رسالت کی ذمہ داری بہتر طور پر پوری کی اور ان کے ذریعہ مسلمانوں کو گواہ بنانے کو اور ان کے حق میں مسلمانوں کی گواہی کو قبول کیا۔

حجۃ الوداع پورا کر کے رسول اللہ مدینہ منورہ پہنچے اور اب انہیں صرف دیدار الٰہی کا انتظار رہ گیا۔ اس وقت قرآن کریم کی آخری آیت نازل ہوئی:

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (281)﴾

ترجمہ: اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر جان کو اس کے کئے کی جزا ملے گی اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اپنی وفات سے کچھ قبل آپ بقیع کے قبرستان میں اپنے صحابہ کی زیارت کے لیے گئے، انہیں سلام کیا اور جلد ملاقات کا وعدہ کیا پھر اپنے گھر لوٹ گئے اور اپنے گرد جمع صحابہؓ کرام سے فرمایا "میری طرف سے قیامت تک میری پیروی کرنے والے میرے امتی کو سلام کہنا"۔

کچھ دیر بعد جبریل علیہ السلام نے ملک الموت کی آمد کی اجازت مانگی، نبی اکرم نے فرمایا، اے جبریل! انہیں اجازت دیدو۔ کچھ ہی دیر بعد لوگوں نے نبی اکرم کو ملک الموت سے کہتے سنا "رفیق اعلیٰ کی طرف، رفیق اعلیٰ کی طرف"۔ آپ نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور ہم سے رحلت کر کے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مراجع

- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دار المعرفۃ، بیروت، 2012
- بلنیعیش، محمد، البعد التوحیدی للذکر فی الاسلام، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2007
- البوطی، محمد سعید رمضان، فقہ السیرۃ النبویۃ، دار السلام، دمشق، 2015
- الجزائری، ابوبکر جابر، ہذا الحبیب محمد، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ، 2004
- الجوزیۃ، ابن قیم، زاد المعاد، مکتبۃ المواد، قاہرہ، 2006
- الجوزیۃ، ابن قیم، ہدایۃ الحیاری، دار الکتاب العربی، بیروت، 2005
- جورجیو کونستانس، نظرۃ جدیدۃ فی سیرۃ رسول اللہ، الدار العربیۃ للموسوعات، بیروت، 1983
- الحلبی، نور الدین علی بن ابراہیم، السیرۃ الحلبیۃ (3 جلدیں)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2013
- داؤد، عبد الاحد، محمد کما ورد فی کتاب الیہود والنصاری، ترجمہ محمد فاروق الزین، العبیکان، ریاض، 2010
- دویدار، امین، صور من حیاۃ الرسول (4 جلدیں)، دار المعارف، قاہرہ، 1987
- السباعی، مصطفی، السیرۃ النبویۃ، دار ابن حزم، بیروت، 2010
- السیابی، الشیخ احمد بن سعود، معالم السیرۃ النبویۃ، مکتبۃ الضامری للنشر والتوزیع، مسقط، 2013
- طبارہ، عفیف عبد الفتاح، مع الانبیاء فی القرآن الکریم، دار العلم للملایین، بیروت، 1989
- المالکی، محمد علوی، الانسان الکامل، مرکز اہل سنت، گجرات، 2001

CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

- المالکی، محمد علوی، الذخائر المحمدیۃ، دار جوامع الکلم، قاہرہ، 1993
- الملیباری، عبد الرحمن، سیرۃ سید البشریۃ، دار المعارف، کیرالا، 2001
- الموسوعۃ المیسرۃ فی التعریف بنبی الرحمۃ، رابطۃ العالم الاسلامی، د.م، د.ت
- الندوی، ابوالحسن علی، السیرۃ النبویۃ، دار القلم، دمشق، 2010
- الواقدی، محمد بن عمر، کتاب المغازی (3 جلدیں)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2013

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

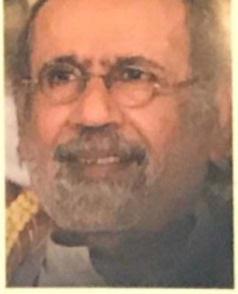

ڈاکٹر حسین غباش عالم عرب کے ایک معروف قلم کار، محقق اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ پولیٹیکل سائنس میں پی ایچ ڈی ہیں اور عالمی ادارہ یونیسکو میں متحدہ عرب امارات کے مستقل سفیر رہ چکے ہیں۔ وہ مومن مخلص اور سرور دوجہاں ﷺ کے عاشق صادق ہیں۔

"معرفت الٰہی میری پونجی ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، شوق میری سواری ہے، ذکر الٰہی میرا مونس ومددگار ہے، اللہ کی ذات پر بھروسہ میرا خزانہ ہے، غم میرا ساتھی ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری چادر ہے، رضائے الٰہی میرا مال غنیمت ہے، فقر میرا فخر ہے، زہد میرا پیشہ ہے، صدق میرا شفیع ہے، طاعت میری محبت ہے، جہاد میرا اخلاق ہے اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے"

(اپنے فلسفۂ زندگی کے بارے میں نبی رحمت کا فرمان)

"اگر مجھ پر کوئی ایسا دن آئے جس دن میں اپنے علم میں اضافہ نہ کروں تو میرے لیے اس دن کے سورج میں کوئی خیر نہ ہو"

(حدیث رسول)

"... عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو... اے لوگو! مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اور کسی کے لیے بھی اس کے بھائی کا مال اس کی مرضی کے بغیر جائز نہیں۔ اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارے باپ ایک ہیں۔ تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے ہیں۔ یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر تقویٰ کے علاوہ کوئی فضیلت نہیں"

(خطبۂ حجۃ الوداع سے اقتباس)

Publisher:
AIFRAH GOOD DEEDS TRUST
F-1, Vth Floor, Stellar Frontiers, Tolichowki, Hyderabad.
Ph: +91 7337347748, Email: aifrahgooddeeds@gmail.com

ISBN 978-93-5391-654-1

Rs. 260/-

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner